اے محبوب تم کہہ دو کہ لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ
تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے تمام گناہ معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔
(آل عمران ۳۰)
جلد پانزدہم (۱۵)
سیرت النبی
ظہورِ قدسی
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مؤلف: طالب حسین کرپالوی
اسلامیہ دار التبلیغ بنگلہ نمبر ۱۲۹۱ گلی نمبر ۳۴ مکہ کالونی گلبرگ ۳ لاہور

قُل إن كُنتُم تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحبِبكُمُ اللهُ وَيَغفِر لَكُم ذُنُوبَكُم وَاللهُ غَفُورٌ الرَّحِيمُ

اے محبوب تم کہہ دو کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے تمام گناہ معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

(آل عمران ۳۱)

جلد پانزدہم (۱۵)

سیرت النبی ﷺ

ظہورِ قدسی

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مؤلف: طالب حسین کرپالوی

اسلامیہ دارالتبلیغ، مکان نمبر ۱۲۹۲، گلی نمبر ۱۴، مکہ کالونی، گلبرگ ۳، لاہور

اسم کتاب ——— ظہورِ قدسی

جلد ——— پانزدہم

از سلسلہ ——— سیرت النبیؐ

ناشر ——— اسلامیہ دارالتبلیغ، لاہور

کتابت ——— حق برادرز کمپیوٹر سنٹر، لاہور

مطبع ——— معراج دین پرنٹرز، لاہور

بار ——— اوّل

تاریخِ اشاعت ——— نومبر ۱۹۹۲ء

ھدیہ ——— ایک سو روپے

زیرِ اھتمام ——— تبلیغات سازمان اسلامی

فہرست

مدینہ والوں میں ولادت کی خبر سے خوشی

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک صبح کو میں ٹیلے پر تھا کہ ایک ایسی بلند آواز میں نے سنی کہ اس سے بلند آواز آج تک میں نے نہیں سنی تھی۔ جب میں نے اچھی طرح غور کیا تو مجھے دوسرے ٹیلہ پر ایک یہودی دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں آگ کا ایک ٹکڑا تھا۔ لوگ اس کے پاس جمع تھے۔ اس کی فریاد کو ناپسند کرتے تھے اور اسے کہتے تھے کہ آخر تجھے ہوا کیا ہے۔ اس نے کہا کوکب محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلوع کیا۔ اس نے کہا یہ وہ ستارہ ہے کہ اس کے طلوع کا سبب کوئی پیغمبر ہی ہوا کرتا ہے اور نبی آخر الزمان احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی پیغمبر نہیں ہے۔ حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا لوگ اس سے ٹھٹھہ کرتے اور اس پر ہنستے تھے۔ جب یہ خبر قیس بن عدی کے پاس پہنچی تو اس نے بھی بت پرستی چھوڑ دی تھی اور سیاہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ اور عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس نے کہا۔ سچ کہتا ہے۔ کیونکہ پیغمبر کے پیدا ہونے کا وقت ہے۔ مجھے اس لباس میں تم دیکھتے ہو تو یہ اسی کی خاطر ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پا لوں اور ان پر ایمان لاؤں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں اظہار نبوت فرمایا قیس نے مدینہ میں سنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ قیس بوڑھا ہو چکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تجدید پر مشرف ہوا۔ **والحمد للہ** (معارج النبوت جلد ۲ ص ۱۰۲ سطر آخر)

سر ولیم کے اعتراضات

خطبات احمدیہ میں سرسید لکھتے ہیں (ہمیں اس مضمون کے بعض حصوں سے اختلاف ہے)

علاوہ ان کے اور بھی روایتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی نسبت کتب سیر میں مذکور ہیں۔ اگرچہ ان کی صحت کے لئے کافی ثبوت موجود نہیں ہے۔ (سرسید احمد خان کا تعلق اس مذہب سے تھا جو کہ توہین مصطفیٰ کرنا اپنا وظیفہ سمجھتے ہیں۔ لہذا ان کی عبارت میں اکثر آپ کو ایسے جملے ملیں گے جن سے توہین مصطفیٰ آشکار ہو گی۔ جس سے ہم اختلاف کرتے ہیں۔ لہذا یہ جملہ بھی قابل اعتراض ہے کہ ولادت مصطفیٰ کے متعلق روایات کا کوئی ثبوت نہیں۔ حالانکہ ان روایات کو علماء ثقہ نے اپنی معتبر کتب میں تحریر کیا ہے) مگر ان کے غلط ہونے کے لئے بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ان روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ نے کسی کو عبدالمطلب کے پاس بھیجا اور آپ کے پیدا ہونے کی اطلاع کی۔ عبدالمطلب فی الفور وہاں آئے اور آنحضرتؐ کو اپنے ہاتھوں اٹھا کر کعبہ میں لے گئے اور اللہ

تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب کی دعا کا جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ صریح مسلمانی طرز کا ہے اور اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ کعبہ میں عبدالمطلب کا دعا مانگنا مسلمانوں کی بنائی ہوئی بات ہے۔ مگر ہم کو اس بات سے کہ عبدالمطلب نے جو دعا مانگی تھی وہ مسلمانوں کی طرف دعا تھی کچھ تعجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم کو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگوں میں سے خدا پرستی بالکل معدوم نہیں ہوئی تھی اور اس بات کا بڑا قوی ثبوت یہ ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کا نام عبداللہ رکھا جو خاص خدا پرستوں کا طریقہ ہے۔

چند روز تک ثوبیہ نے جو آنحضرتؐ کے چچا ابولہب کی آزاد کی ہوئی لونڈی تھیں آنحضرتؐ کو دودھ پلایا۔ ثوبیہ نے آنحضرتؐ کے چچا حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا اور اس سبب سے حمزہ اور مسروق ابن ثوبیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دودھ شریک بھائی تھے۔

عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد رکھا مگر حضرت آمنہ نے خواب میں ایک فرشتہ کو دیکھا۔ جس نے کہا تھا کہ آپ کا نام احمدؐ رکھنا۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام احمد رکھا۔ اور اس طرح توریت اور انجیل دونوں کی بشارتوں کی تصدیق ہو گئی جن کا بیان ہم نے خطبہ بشارات میں کیا ہے۔ ولادت کے ساتویں روز عبدالمطلب نے قربانی کی اور تمام اراکین قبیلہ قریش کو دعوت پر بلایا۔

شرفاء مکہ کا دستور تھا کہ آب و ہوا کے لحاظ سے اور اس غرض سے کہ بچوں کے لہجہ اور زبان میں غیر زبان کا اثر نہ پڑے اپنے بچوں کو جبکہ وہ آٹھ دن کے ہو جاتے تھے دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے باہر بھیج دیا کرتے تھے۔ اسی رسم کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا اور وہ اپنے گھر لے گئیں اور ہر چھٹے مہینے لا کر ان کی والدہ اور دیگر اقربا کو دکھلا جاتی تھیں۔ دو برس بعد آپ کا دودھ چھڑایا گیا اور حضرت حلیمہ آپ کو لے کر حضرت آمنہ کے پاس آئیں مگر حضرت آمنہ نے اس خیال سے کہ مکہ کی آب و ہوا آپ کو موافق نہ ہوگی پھر حضرت حلیمہ کے سپرد کر دیا اور وہ انہیں اپنے ہاں لے گئیں اور ہر چھٹے مہینے لا کر ملا جاتی تھیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چار برس ہوئی تو حضرت آمنہ نے آپ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ پس حضرت حلیمہ آنحضرتؐ کی دودھ پلائی ماں اور ان کے خاوند حارث بن عبدالعزیٰ دودھ کے رشتہ کے باپ اور ان کی اولاد عبداللہ، انیسہ اور حذافہ عرف شیماء دودھ بھائی اور دودھ بہن ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ کے رشتہ کو خون کے رشتہ کے برابر سمجھتے تھے اور حضرت حلیمہ سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ اور ان کا ادب اور ان کی تعظیم ماں کے برابر کرتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک جس کو مسلمان سر پر رکھنے اور آنکھوں سے لگانے کے لائق سمجھتے ہیں حضرت حلیمہ کے لئے بچھا دی تاکہ وہ اس پر بیٹھیں۔ دودھ کے رشتہ کا ایسا بڑا پاس و لحاظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے اور جو محبت اور الفت حضرت حلیمہ اور ان کی اولاد کے ساتھ برتتے تھے اور جس احسان مندی کا اظہار دودھ کے رشتہ داروں کے ساتھ کیا کرتے تھے نہایت اعلیٰ اور عمدہ مثالیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حمیدہ نیک خوئی اور نرم دلی کی ہیں جس کی نظیر اس سے پہلے کبھی نہیں پائی گئی۔

بنی قریش اور بالتخصیص اس کی وہ شاخ جو بنی سعد کہلاتی تھی۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ طفولیت میں پرورش پائی تھی تمام ملک عرب میں زبان کی شستگی اور فصاحت کے لئے مشہور تھی اور اسی سبب سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نہایت زبردست اور پر اثر فصاحت و بلاغت رکھتے تھے۔ اہل عرب درحقیقت فصاحت و بلاغت کی نہایت قدر کرتے تھے۔ جو شخص فصیح و بلیغ نہ ہوتا تھا اس کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور ذلیل سمجھتے تھے گو وہ کیسے ہی نامور اور شریف خاندان کا کیوں نہ ہو۔

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اس سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو جزیرہ نما عرب کی خوش نما زبان کے خالص ترین نمونہ بن گئی تھی ــــــ جبکہ ان کی فصاحت و بلاغت ان کی کامیابی میں بڑا کام دینے لگی تو ایک خالص زبان اور ایک دل فریب گفتگو سے فائدہ عظیم مرتب ہوا۔ مگر ایک بات سر ولیم میور صاحب کی نگاہ سے رہ گئی کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی متواتر یا مشہور حدیث کو پڑھتے ہیں جس میں یقین کیا جاتا ہے کہ خاص لفظ آنحضرت کے محفوظ ہیں جیسے دعائیں وغیرہ تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا طرز کلام اور فصحائے عرب کے طرز کلام سے کچھ مشابہ نہیں ہے۔ لیکن جب ہم قرآن مجید کے مقدس صفحوں کو پڑھتے ہیں تو ہم کو حیرت ہوتی ہے اور ہمارا تعجب بے انتہا بڑھ جاتا ہے کہ وہ دونوں کلام ایک ہی شخص کے نہیں معلوم ہوتے اور دونوں میں بڑا فرق پاتے ہیں اور اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ اول کلام انسانی ہے اور دوسرا کلام ربانی۔

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھ برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ آپ کو اپنے عزیز و اقربا سے ملانے کے لئے مدینہ منورہ لے گئیں۔ کچھ عرصہ تک وہاں ٹھہریں اور پھر مکہ معظمہ کو مراجعت کی اور رستہ میں بمقام ابواء وفات پائی۔ جبکہ آنحضرت مکہ میں پہنچے تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش اور نگرانی اپنے ذمہ لے لی اور ہمیشہ آپ کے ساتھ شفقت پدری سے پیش آتے رہے۔

سر ولیم مور نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ طفولیت یعنی بارہ برس کی عمر تک کے بعض واقعات تعریضاً بیان کئے ہیں۔ مثلاً مدینہ کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ ان کا کھیل کود میں معروف رہنا اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے پرندوں کو اڑا دینا اور رضاعی بہن کی پیٹھ میں کاٹ کھانا اور

مدینہ سے حدیبیہ کو جاتے وقت اپنی ماں کی قبر پر رونا۔ اگرچہ ان باتوں کی اور اس قسم کی اور باتوں کی تصدیق کی جو انہوں نے بیان کی ہیں کوئی معتبر سند نہیں ہے۔ (علماء اسلام کا تحریر کرنا ہی سند ہے) لیکن اگر یہ سب باتیں تسلیم بھی کر لی جائیں تب بھی یہ ایسی باتیں ہیں جیسی کہ ایام طفولیت میں انسانی فطرت کے موافق ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے۔ انہوں نے اپنے آپ کو صرف یہ کہا کہ انما بشر مثلکم یوحی الی پس ایسی باتیں اگر ہوئی بھی ہوں تو انسانی فطرت سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکتیں۔ (حضور اکرم کیسے بشر تھے اس کی تفاصیل جلد ۶ اور ۸ میں گذر چکی ہیں۔)

جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آٹھواں برس شروع ہوا تو آپ کے داد عبد المطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ سر ولیم مور صاحب لکھتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ جنازہ کے ہمراہ قبرستان حجر کو گئے تو لوگوں نے ان کو روتے دیکھا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس سے برخلاف مثلاً سر ولیم میور صاحب کے کچھ تعجب نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر روتے نہ تو نہایت متعجب ہوتا۔ آنحضرتؐ اس وقت کم عمر تھے اور ایسے موقعوں پر آنسوؤں کا نکلنا اور دل کا جوش مارنا خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے۔ رنج کے وقت دل کا ملائم ہونا اور محبت آمیز جوش کا اٹھنا اور آنکھوں کی راہ سے آنسوؤں کا بہنا خدائے رحیم نے انسان کے دل کی تسلی اور اس کے رنج کی تسکین کا ذریعہ بنایا ہے۔ پس آنحضرتؐ نے بھی اسی فطرت کی پیروی کی تھی۔ جو خدا نے انسان میں بنائی ہے۔

عبد المطلب کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش ابو طالب آپ کے چچا نے جو آپ کے والد عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے اپنے ذمہ لی۔ یہ بھی آنحضرتؐ کے ساتھ نہایت محبت سے پیش آتے رہے۔ اور مثل پدر مہربان کے ہر طرح سے خبر گیری کی۔ جب آپ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو ابو طالب کو تجارت کے سبب سے شام کا سفر پیش آیا اور اس کے سر انجام ہونے کے بعد پھر مکہ کو واپس آئے۔ سر ولیم میور صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ابو طالب کے ہمراہ شام کو گئے تھے اور ابو طالب نے اول تو اپنے ہمراہ لے جانے سے انکار کیا تھا مگر آنحضرتؐ روانگی کے وقت اتنی لمبی مفارقت کے خیال سے افسردہ دل ہو کر اپنے مربی سے لپٹ گئے۔ اور ابو طالب کو جوش الفت آ گیا۔ اور اپنے ہمراہ لے گئے۔ اس روایت کی کوئی معتبر سند نہیں ہے۔ آنحضرتؐ ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں جانا کسی طرح ثابت نہیں۔ (اس کی تفصیل آئندہ آئے گی) (تمام مورخین نے حضور اکرمؐ کا شام جانا تحریر کیا ہے)

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ برس کی عمر کو پہنچے تو زمانہ طفولیت کا منقضی ہو گیا تھا اور نوجوانی کا آغاز تھا اور جمیع اوصاف حمیدہ سے جن سے انسان ہر دل عزیز ہو جاتا ہے آراستہ تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کا اخلاق اور صبر اور مروانگی جس کو اوضاع و اطوار کی خوبی اور فصاحت و خوش بیانی سے دو بالا جلا ہو گئی تھی

آپ کی ذات بابرکات میں اس طرح مجتمع ہوئے تھے کہ عالم شباب ہی میں آپ نے امین عرب کا لقب حاصل کیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ طفولیت کے صحیح حالات صرف اسی قدر ہیں جو ہم نے بیان کئے اور اس کے سوا جو باتیں اس زمانہ کی مشہور ہیں وہ سب بے سند اور نا معتبر ہیں۔ (ان عبارات کے علاوہ کے معتبر روایات اور کافی ہیں جو کہ میلاد مصطفیٰ کے ابواب میں تحریر ہیں۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارہ برس کی عمر تک کے تاریخی واقعات جو ہم نے اوپر بیان کئے ان کے علاوہ سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب مسمی لائف آف محمد میں اور بھی کچھ واقعات بیان کئے ہیں۔ جو نہایت ضعیف اور نا معتبر روایتوں پر مبنی ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ سر ولیم صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے متعلق معجزات حال کے مسلمانوں کے نزدیک دل پسند مضامین ہیں۔ مگر اس امر کی کچھ تحقیقات نہیں کیں کن معجزات کو حال کے زمانہ کے مسلمان بھی معتبر سمجھتے ہیں اور کون سے معجزات کو نامعتبر بطور قصہ اور کہانی کے اور یہ بھی نہیں بتایا کہ حال کے مسلمانوں کی جو انہوں نے قید لگائی ہے اس سے ان کا کیا مطلب ہے۔ غالباً" یہ مطلب ہو گا کہ متقدمین مسلمان ان کو قابل التفات نہیں سمجھتے تھے۔ اگر یہی مطلب ہو تو صاف اس بات کا اقرار ہے کہ وہ روایتیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیا ہے ------ نامعتبر اور غیر صحیح ہیں۔ جس قدر کتب سیر یا کتب سوانح عمری آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمائے اسلام نے لکھی ہیں اور جو روایتیں ان میں بیان کیں ہیں تمام مسلمان ان روایتوں کو ایسی روایتیں خیال کرتے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ صحیح مانی جائیں روایتہً" اور درایتاً" قابل تحقیق و تدقیق کی محتاج ہیں۔ اس قسم کی روایتوں کو "تاوقتیکہ ان کی تصدیق کی کوئی کافی دلیل نہ ہو۔ مسلمان مطلقاً" قابل اعتبار تصور نہیں کرتے۔ بلکہ خود علمائے محققین نے ان روایتوں کو نامعتبر قرار دیا ہے۔ علمائے محققین اسلام اور ذی علم مسلمانوں نے ان روایات پر ذرا بھی اطمینان نہیں کیا ہے۔ بلکہ ہمیشہ ان کی کوششیں اس بات کی تحقیق میں مصروف رہی ہیں کہ کون سی ان میں سے صحیح اور کونسی غیر صحیح ہیں۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں روایتوں کے درجہ اعتبار کو بیان کیا ہے ان تمام روایات کی نسبت جن میں صحیح روایتیں اور موضوع اور نامعتبر روایتیں بلا تمیز شامل ہیں صرف اتنی بات کہہ کر فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ سب بے اصل اور راویوں کی محض اختراعات ہیں۔ مگر ہم باوجود اس کے کہ سر ولیم میور صاحب کے علم اور مرتبہ کا بہت ادب کرتے ہیں۔ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ دعوٰی بلا دلیل قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگر وہ بالعموم مان لیا جائے تو اس میں لازم آتا ہے کہ استدلال محض بے کار ہے اور اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کہ یونان کے مشہور کاشت کار مسمی گارڈین کی گاڑی کے جوئے کی گرہ کو ایران کی بادشاہت کے طمع میں ہاتھ سے کھولنے کے عوض تلوار سے کاٹ دیا جائے جیسے کہ سکندر نے کیا

تھا۔
فرض کرو کہ اگر کوئی یہ کہے (جیسے کہ لوگوں نے کہا ہے) کہ حضرت عیسٰی محض عوام الناس میں سے اور یہود کے فرقہ السینین میں سے تھے اور حضرت عیسٰی ان کے ایک مرید تھے۔ ان کے مصلوب ہونے کے بعد ان کے مریدوں نے شان الوہیت اور قدرت اعجاز کو ان پر لگا دیا ورنہ وہ محض ایک عام یہودی تھے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس کہنے میں اور مسلمانوں کی تمام روایتوں کی نسبت اس بات کے کہہ دینے میں کہ وہ سب بے اصل اور راویوں کی اختراعات ہیں کیا فرق ہے؟

زندگی کے عام معاملات میں بھی کسی شخص پر واجب نہیں کہ کسی شخص کے محض زبانی بیان پر گو وہ کیسا ہی معزز اور ذی فہم کیوں نہ ہو یقین لے آئے تو ایسے بڑے معاملات میں کسی مصنف کے بیان یا رائے کو کیوں کر قطعی مان لیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہم قابل معافی ہیں۔ اگر ہم سر ولیم میور صاحب کی اس رائے کو کہ "ان روایات ہی کو غیر معتبر سمجھ کر خارج کر لینا چاہئے" قابل تسلیم خیال نہ کریں جب تک کہ دلیل اور واقعات سے اس کی رائے کی صحت کا ثبوت نہ ملے۔

جاننا چاہئے کہ مسلمانوں کے نزدیک روایتیں تین قسم کی ہیں۔ اول تو وہ روایتیں ہیں کہ ان کی صحت و اعتبار کی معقول دلیلیں موجود ہیں اور علی العموم مسلم ہیں۔ دوسری قسم میں وہ مشہور روایتیں ہیں جن کا وقوع قوانین فطرت کے برخلاف نہیں ہے اور جن کی بے اصلی اور غیر معتبری کی نسبت کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے۔ یہ روایتیں نہ تو بلا تحقیق نامعتبر کرنے کے قابل ہیں اور نہ اس قابل ہیں کہ آنکھ بند کر کے ان پر اعتماد کر لیا جائے۔ تیسری قسم میں وہ روایتیں ہیں جو بظاہر محال معلوم ہوتی ہیں اور ان کے ثبوت کی کوئی معتبر دلیل نہیں ملتی اور اس لئے غلط اور نامعتبر قرار دی گئی ہیں۔ پس اس سے زیادہ غلطی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اہل اسلام کی نسبت یہ کہا جائے کہ وہ ان سب قسم کی روایتوں کو برحق سمجھتے ہیں اور ان سب پر بلا امتیاز ایمان رکھتے ہیں۔ جیسے کہ ہم نے اپنے خطبہ **الروایات المرویات فی الاسلام** میں بیان کیا ہے۔

اب ہم ان روایات کی نسبت بحث کرتے ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں لغویات مذہب اسلام ثابت کرنے کی منشاء سے بیان کیا ہے اور بتلاتے ہیں کہ وہ روایتیں اقسام روایات متذکرہ بالا میں سے کون سی قسم کی روایتوں میں داخل ہیں۔ سر ولیم میور صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ولادت میں جو حضرت آمنہ کا ایک خوفناک اور نامعلوم آواز سن کر ڈر جانا یا ایک سفید مرغ کا دفعتہ نمودار ہونا اور حضرت آمنہ کے سینہ پر اپنے بازو کا پھیرنا اور اس سے حضرت آمنہ کے اضطراب کو تسکین ہونا یا حضرت آمنہ کے لئے ایک خوش گوار شربت کے پیالہ کا ایک نامعلوم ہاتھ سے ظاہر ہونا یا ملائکہ کی آواز کا سنائی دینا بجز اس کے کہ کوئی شخص دکھائی دیتا ہو پاؤں سے پھرنے کی آہٹ کا محسوس ہونا' آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آدمیوں کی نظر سے چھپانے کے لئے آسمان سے ایک نور کی چادر کا اترنا بہشت کے پرندوں کا چھپانا بہشت کی خوشبوؤں کا مہکنا یہ سب شاعرانہ مضمون ہیں۔ جو غالباً" سرولیم میور صاحب نے کسی مولود نامہ سے اخذ کئے ہیں اور ہر مسلمان جس کو ذرا سا بھی علم ہو گا" سمجھتا ہے کہ یہ تمام باتیں شاعروں کے گرم جوش شاعرانہ خیالات ہیں جو انہوں نے اپنے مضامین کی تزئین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ کی رونق کے لئے بیان کی ہیں جیسے کہ شاعروں کا اور خصوصاً" مشرقی شاعروں کا شاعرانہ مضمون میں اس قسم کے واقعات بیان کرنے کا دستور ہے (سرولیم میور کا موقف بھی درست نہیں ہے اور نہ ہی سرسید احمد خان کا۔ صحیح روایات وہی ہیں جو ہم نے باب میلاد مصطفیٰ میں تحریر کی ہیں) حضرت عیسیٰ کی نسبت بھی گرم جوش خیال کے عیسائی شاعروں نے اسی قسم کے خیالات نظم میں بیان کئے ہیں۔ جن کا نمونہ ہم نے اپنے خطبہ فی حقیقتہ شق الصدور ماھیتہ المعراج میں دکھایا ہے۔ اور ملٹن کی تمام پیریڈز لاسٹ انہیں خیالات سے بھری ہوئی ہے۔ پس نہایت افسوس کی بات ہے کہ ایک عیسائی عالم اپنے ہاں کے اس قسم کے خیالات کو تو شاعرانہ خیالات سمجھے اور مسلمانوں کی اس قسم کی باتوں کو بطور مذہبی روایتوں کے قرار دے اور اس کا فیصلہ یوں کردے کہ وہ سب راویوں کی اختراعات ہیں۔

اسی قسم کے وہ مضامین جن کو سرولیم میور صاحب نے بطور مذہبی روایتوں کے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی زمین پر سجدہ کیا اور اپنی امت کی بخشش کی دعا مانگی اور کلمہ پڑھا اور تین نورانی فرشتے آسمان پر سے اترے ایک کے ہاتھ میں چاندی کی چھاگل تھی۔ اور دوسرے کے ہاتھ میں ایک زمرد کا لگن اور تیسرے کے پاس ایک ریشمی رومال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سات مرتبہ غسل دے کر آپ کو خیرا لبشر کا خطاب دیا (اختراعات نہیں ہیں بلکہ کتب معتبرہ سے ثابت ہیں)

ہم کو کسی قدر تعجب آتا ہے کہ سرولیم میور صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختون پیدا ہونے کو بھی انہی مخترع روایات میں شمار کیا ہے۔ جن کو وہ عجیب و غریب بعید از قیاس اور خلاف قانون فطرت قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ بات نہ معجزہ سے علاقہ رکھتی ہے نہ عجائبات سے بلکہ محض تکونات فطرت سے متعلق ہے۔ ایسے تکونات فطرت کی بہت سی نظیریں بتلائی جا سکتی ہیں مثلاً ایسے اشخاص کا پیدا ہونا جن میں علامات تذکیر و تانیث دونوں موجود ہوں۔ ایسے واقعات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ قوانین فطرت کے مطابق قدرت کا اتفاقیہ انحراف کوئی عجب بات نہیں ہے۔ اس زمانہ میں بھی بعض اوقات مختون لڑکے پیدا ہوتے ہیں۔ جن سے بلا توسل معجزہ یا اعجابات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی مختون پیدا ہونا یقیناً قرین قیاس ثابت ہوتا ہے اور اس کا ثبوت اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ابراہیم کی اولاد میں ختنہ کی رسم نہایت استحکام سے قرار پا گئی تھی اور عرب جاہلیت بھی اس کا ترک کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختنہ کی رسم کا ہونا کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی بیان نہیں

کیا گیا ہے۔
سرولیم میور صاحب نے اور روایتیں لکھی ہیں جن میں بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ سے ایک نور پیدا ہوا جس نے شام کی تمام گلیوں اور مکانوں کو روشن کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوتے ہی اپنے ہاتھوں کو ٹیک کر اٹھ بیٹھے اور ایک خاک کی مٹھی بھر کر آسمان کی طرف پھینکی اور ایک روایت لکھی ہے کہ حضرت آمنہ کو ایام حمل میں کچھ بوجھ یا تکلیف نہیں معلوم ہوتی تھی اور دوسری روایت اس کے برخلاف لکھی ہے کہ حضرت آمنہ کہتی تھیں کہ میں نے کسی بچہ کو پیٹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بھاری نہیں پایا۔ یہ روایتیں اور اسی قسم کی اور سب روایتیں بالکل سند سے معرا ہیں (سرسید احمد خان کی حضور اکرمؐ سے دشمن اس جملے سے واضح ہے اور اس نے ان روایات کا انکار کر دیا ہے۔ جنہیں معتبر علمائے کرام نے اپنی معتبر کتب میں تحریر کیا ہے۔ اور خود علمائے اسلام ان کو غیر صحیح اور نامعتبر قرار دیتے ہیں اور یہ سب گرم جوش خیالات کے نتیجے ہیں جن کو سرولیم میور صاحب اسلام کی مذہبی روایتوں کی طرز پر بیان کرتے ہیں اس منشاء سے کہ اسلام کی ایک بے وقعتی ظاہر کریں۔
وہ روایات جس میں حضرت آمنہؓ سے نور کا ظاہر ہونا منقول ہے اور جو کتاب شرح السنہ میں بیان کی گئی ہے اس طرح پر نہیں ہے جس طرح کہ سرولیم میور صاحب نے بیان کی ہے۔ اس لئے ہم اس روایت کو بلفظہ نقل کرتے ہیں۔ شرح السنہ میں عرابص ابن ساریہ سے منقول ہے۔ (یہ سب معتبر ہیں)
عن العرباض بن ساریہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال سأخبرکم باول امری انا دعوۃ ابراہیم و بشارۃ عیسی و رؤیا امی التی رات حسین وضعتنی وقد خرج لہا نور اضاء بہا قصور الشام (رواہ فی شرح السنہ)
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اپنے پہلے حال سے مطلع کروں، میں دعا ہوں ابراہیم کی اور بشارت ہوں عیسٰی کی اور خواب ہوں اپنی ماں کا جس نے میرے پیدا ہونے کے زمانہ میں دیکھا تھا کہ اس سے ایک نور پیدا ہوا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ پس جن روایتوں میں حضرت آمنہ کے نور کا پیدا ہونا منقول ہے اگرچہ ان کی بھی کوئی کافی سند صحت کی موجود نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم ان کو تسلیم کر لیں اور صحیح قرار دیں تو ان سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ نے ایسا ایک خواب دیکھا تھا اور اس قسم کا خواب دیکھنا تعجب انگیز ہے۔ نہ خلاف قیاس ہے اور نہ برخلاف فطرت۔ ان روایات کی صحیح اسناد موجود ہیں۔
سرولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ تمام راوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ میں دوشنبہ کو ایک مشہور اور معروف دن خیال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اسی دن آپ کی زندگی کے سب سے بڑے واقعات ظہور میں آئے تھے۔ لیکن اس معتبر عالم نے اس جگہ کسی قدر غلطی کی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے ہاں دو

شنبہ کے دن کو کوئی مذہبی شرف حاصل نہیں ہے۔ صرف یہ بات ہے کہ جب علماء نے ان مشہور و معروف واقعات پر غور کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ظہور میں آئے تھے تو اکثر کو دو شنبہ کے دن واقع ہوتا پایا۔ اس لئے انہوں نے ایک اتفاقی مطابقت کے خیال سے اپنی تصنیف میں دو شنبہ کا ذکر کیا۔ حالانکہ بعض علماء نے اس اتفاقی مطابقت سے بھی اختلاف کیا ہے۔ پس یہ کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کے سبب اسلام کی طرف کسی مشابہ سے کوئی اشارہ کیا جائے۔

سر ولیم میور صاحب نے تاریخ واقدی کے چند اختراعات بیان کرنے کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ اس مصنف نے بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ نے عبدالمطلب سے فرشتہ کا یہ حکم بیان کیا کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا۔ اس کے بعد صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ "حمد کے مادہ سے جو نام مشتق ہوتے ہیں عرب میں مروج تھے مگر احمد عرب میں بہت کم نام ہوتا تھا اور آنحضرتؐ کے سوا پانچ مختلف اشخاص اور بھی گذرے جن کا نام محمد تھا۔"

واقدی کے حوالہ سے صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ نام عرب کے وہ لوگ رکھا کرتے تھے جنہوں نے یہود اور نصاریٰ اور کاہنوں کی زبانی سنا تھا کہ عرب میں ایک نبی اس نام کا عنقریب ہونے والا ہے اور اکثر اشخاص اپنے لڑکوں کے یہی نام رکھتے تھے اور ہر شخص یہ امید کرتا تھا کہ میرا ہی بیٹا نبی آخر الزمان ہونے کی شرف و عزت حاصل کرے۔

مگر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اگر حضرت آمنہ نے عبدالمطلب سے کہا ہو ایک فرشتہ نے مجھ سے کہا ہے کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا تو سر ولیم میور صاحب نے اس بات پر کیوں تعجب کیا ہے۔ اگر توریت مقدس کی یہ آیت کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ دیکھ تو حمل سے ہے اور تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا اور اس کا نام اسمٰعیل رکھنا (کتاب پیدائش باب ۱۶ ورس ۱۱) اور نیز یہ کہ آیت "اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہمارا تیری بی بی کے بے شک ایک لڑکا پیدا ہو گا اور اس کا نام اسحاق رکھنا" (کتاب پیدائش باب ۱۷ ورس ۱۹) اور نیز انجیل کی یہ بیت "کہ اس کے (یعنی مریم کے) ایک بیٹا پیدا ہو گا اور تجھ کو (یوسف کو) چاہئے کہ اس کا نام عیسیٰ رکھے کیونکہ وہ اپنی امت کو گناہوں سے نجات دے گا۔" (متی باب اور ورس ۳۰) صحیح ہے اور عیسائی اس کو تسلیم کرتے ہیں تو کس بنا پر وہ اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ حضرت آمنہ کو بھی ایک فرشتہ نظر آیا تھا اور جو لڑکا پیدا ہونے والا تھا احمد اس کا نام رکھنے کو کہا تھا۔

اس روایت کی صداقت کا ایک نہایت تسکین بخش ثبوت وہ ہے جو ہم نے اپنے خطبہ بشارات میں بیان کیا ہے۔ یعنی عہد عتیق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت محمد کے نام سے آئی ہے اور انجیل میں احمد کے نام سے اور اس لئے ان بشارات کے پورا کرنے کے لئے ضروری تھا کہ حضرت آمنہ کو احمد کا نام بتا دیا جائے کیونکہ یہ ایک ایسا نام تھا جس کو اہل عرب کبھی نہیں یا شاذ و نادر رکھتے تھے۔

مگر سر ولیم میور صاحب کا یہ بیان نہایت عجیب ہے کہ "لفظ احمد" انجیل یوحنا کے کسی قدیم عربی ترجمہ میں بجائے لفظ "تسلی دہندہ" کے براہ غلطی واقع ہوا ہوگا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وقت میں کسی چالاک یا جنتی راہب کی جعل سازی سے بجائے یونانی لفظ پیر۔کلیوس کے لفظ اس کو ورا گیا۔ سر ولیم میور صاحب نے یہ بات اس لئے بیان کی ہے کہ پہلے یونانی لفظ پیر۔کلیوس کا ترجمہ تسلی دہندہ ہے اور دوسرے یونانی لفظ پیر۔کلوس کا ترجمہ احمد ہے۔ مگر مسلمانوں نے ان یونانی لفظوں کو معرب کرکے فار قلیط بنا لیا ہے اور اس سبب سے کہ مسلمان فار قلیط کا ترجمہ احمد کرتے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے یونانی لفظ پیر۔کلیوس کو معرب کرکے فار قلیط کیا ہے۔

سر ولیم میور صاحب نے جو یہ بیان کیا ہے کہ عرب میں محمدؐ نام کے اور لوگ بھی گذرے ہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ علمائے اسلام نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آنحضرت سے پہلے عرب میں اس نام کا اور کوئی نہیں ہوا۔ بلکہ برخلاف اس کے انہوں نے اس قسم کی تمام روایتوں کو رد کر دیا اور نہایت تدین و ایمان داری سے اس امر کے دریافت کرنے میں کامیاب کوشش کی اس نام کے عرب میں اور لوگ بھی گذرے تھے اور واقدی کو بھی ہم ان ہی لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ مگر یہ بات کہ ان ناموں کے اور لوگ بھی آنحضرتؐ سے پہلے درحقیقت گذرے تھے۔ یا یہ کہ اس نام کا مادہ حمد ہے اور حمد کے مادہ سے اہل عرب ناموں کو مشتق کیا کرتے تھے یا یہ بیان کہ یہ نام اکثر والدین اپنے لڑکوں کا اس قوی امید پر رکھتے تھے کہ شاید ہمارے ہی لڑکے کی قسمت میں نبی موعود ہونا کسی طرح عہد عتیق اور عہد جدید کی بشارتوں پر موثر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کسی لڑکے کے والدین نے اس کے حق میں کچھ ہی تمنا کیوں نہ کی ہو اور نبی موعود کا نام اس لڑکے کے نبی ہونے کے طمع پر کیوں نہ رکھا ہو مگر نبی وہی ہوا جس کو درحقیقت خدا تعالیٰ کو نبی آخر الزمان کرنا منظور تھا۔ ہماری اس رائے کی تائید اس وقت اور بھی ہوتی ہے جب کہ ہم ان بڑے بڑے کاموں پر غور کرتے ہیں جو آنحضرتؐ سے ظہور میں آئے تھے اور وہ ایسے کام ہیں جو تمام جہان کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے اور جبکہ ہم اس روحانی سرور کو دیکھتے ہیں جو دین حق کا طفیل ہے۔ جس کو آنحضرت نے اپنی حیات میں شائع کیا تھا اور آئندہ نسلوں کے لئے بطور ورثہ کے چھوڑ گئے اور جبکہ ہم اس صدق اور پاک بازی کی ترویج پر نظر ڈالتے ہیں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رائج کیا اور جو زمانہ کی گردشوں کے بعد غیر مبدل اور بے نقص رہی ہیں اور ابد الآباد تک ایسی رہیں گی۔ تو ہم کو کامل یقین ہوتا ہے کہ جس محمد اور احمد کی بشارت عہد عتیق اور عہد جدید میں دی گئی تھی وہ وہی تھی جو عبداللہ کے بیٹے اور آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ حضور اکرم سے پہلے کسی کا نام محمد نہیں تھا۔ یہ معتبر کتب سے ثابت ہے۔

حضرت آمنہ کا رویا میں فرشتوں کی صورتوں کو دیکھ کر ڈر جانا اور عرب جاہلیت کے دستور کے موافق لوہے کے ٹکڑوں کو گلے میں لٹکانا یا بازوؤں پر بطور عمل اور تعویذ کے باندھنا اگر صحیح بھی تسلیم کیا جائے تو کسی

طرح تعجب انگیز بات نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف اس امر کی تائید کرتا ہے کہ حضرت آمنہ نے درحقیقت اپنے رویا میں آسمانی فرشتوں کو دیکھا تھا ہاں اسپرنگر صاحب کی عقل اور ایمان داری پر نہایت تعجب ہے کہ وہ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت آمنہ کو ضعف دماغ اور صرع کی بیماری تھی اور حضرت سارہ اور حضرت مریم نے جو فرشتوں کو دیکھا تھا اس کو صرع کی بیماری نہیں قرار دیتے۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں کسی منشاء سے اور بھی چند تعجب انگیز باتیں بیان کی ہیں کہ حضرت آمنہ کو خواب میں اطلاع ہوئی تھی کہ اس لڑکے کو قبیلہ ابو ذیب میں سے ایک عورت دودھ پلائے گی اور حلیمہ کو بڑا تعجب ہوا جب بلا دریافت اس کے شوہر کا نام اس کو بتلا دیا اور جب حلیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے آئی۔ تو دفعتہً" اس کا اور اس کی اونٹنی کا دودھ بہت زیادہ ہوگیا اور جبکہ حلیمہ آنحضرت کو لے کر چلی تو اس کا سفید گدھا سب سے زیادہ تیز رفتار ہو گیا اور اس کے مویشی نہایت فربہ ہو گئے اور کثرت سے دودھ دینے لگے۔ یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کی سند بجز حلیمہ کے بیان کے اور کوئی نہیں ہے اور اسی لئے یہ روایتیں مستند اور معتبر نہیں ہیں۔ (سرسید احمد خان بھی مناقب حضرت محمد مصطفیٰ کی روایات کا خواہ مخواہ انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان روایات کو علماء ثقہ نے تحریر فرمایا ہے) لیکن اتفاقات سے ایسے امور کا واقع ہونا کچھ ناممکن بھی نہیں ہے۔ مگر عیسائی عالم جو ایسی باتوں کو بطور دور از قیاس باتوں کے بیان کرتے ہیں تو بلاشبہ ہم کو تعجب آتا ہے کیونکہ جب وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ "لابان نے اس سے کہا کہ میں التجا کرتا ہوں کہ اگر تجھ کو میرا خیال ہے تو ٹھہر جا کیونکہ مجھ کو تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری وجہ سے مجھ کو برکت دی ہے۔" (کتاب پیدائش باب ۳۰ درس ۲۸) اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یعقوب نے کہا کہ "میرے آنے سے پیشتر تیرے پاس بہت تھوڑا تھا اور اب وہ کثیر التعداد ہو گیا ہے اور جب سے کہ میں آیا ہوں اللہ تعالیٰ نے تجھ کو برکت دی ہے۔" (کتاب پیدائش باب ۳۰ درس ۳۰) اور اسی طرح کتاب پیدائش کے باب ۳۰ درس ۳۶ سے ۴۳ تک کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لابان کے مویشی کو حضرت یعقوب کے مویشی سے کمزور پیدا کیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ اگر حلیمہ کے مویشی میں بھی برکت دی ہو تو اس کو دور از قیاس اور تعجب انگیز طور پر کیوں بیان کیا جائے۔

تاریخ ولادت

جناب محمد باقر مجلسی حیات القلوب جلد دوم کے صفحہ ۱۱۳ سطر ۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ علمائے امامیہ کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت سترھویں ماہ ربیع الاول کو ہوئی اور اہل سنت کے نزدیک تاریخ ولادت کیا ہے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کس ماہ کس تاریخ اور کس دن ہوئی جہاں تک ماہ اور دن کا تعلق ہے اس میں سب کا اتفاق ہے کہ ماہ ربیع الاول شریف دن پیر تھا۔ چنانچہ علامہ امام محمد بن عبدالباقی المالکی الزرقانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

و المشهور انه ولد فی ربیع الاول و هو قول جمهور العلماء و نقل ابن الجوزی الاتفاق و زرقان (زرقانی ص ۱۳۰)

اور مشہور یہی ہے کہ آپ ماہ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے اور محدث ابن جوزی نے اس بات پر اجماع و اتفاق نقل کیا ہے۔

حضرت ابو قتادۃ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن صوم الاثنین فقال فیه ولدت و فیه انزل علی (مسلم مشکوٰۃ جلد ا ص ۱۷۹)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا اسی دن ہماری ولادت ہوئی اور اسی دن ہم پر وحی نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

ولد رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم الاثنین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے۔

(مسند احمد، زرقانی علی المواہب جلد ا ص ۱۳۲)

روزمرہ **و کان مولده ایضاً و نقلته لیوم الاثنین هذا الامر معتبر** (روض النضیف)

اور آپ کی ولادت شریف اور وفات شریف پیر کو ہوئی۔ اور یہ بات معتبر ہے۔

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اس میں اختلاف ہے کتب تواریخ میں ربیع الاول کی دو، آٹھ، دس، بارہ وغیرہ کی روایات موجود ہیں۔ بعض جدید مورخین نے قواعد ریاضی سے حساب لگا کر نو ربیع الاول شریف کو قطعی قرار دیا ہے۔ اور بعض نے قواعد ہیئت سے ثابت کیا ہے کہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی۔ حالانکہ یکم اور نو ربیع الاول کو ترجیح ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ احمد بن محمد القسطلانی الشافعی المصری فرماتے ہیں۔

و المشهور انه صلی الله علیه وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول و هو قول محمد بن اسحٰق وغیره و قال و علیه عمل اهل مکه (قدیما و حدیثا) فی زیارهم موضع مولدہٗ فی هذا الوقت

اور مشہور یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیروار بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ اور یہی محمد بن اسحٰق اور دیگر علماء نے فرمایا ہے اور اسی پر اہل مکہ کا قدیماً و حدیثاً عمل ہے کہ وہ (آج تک اسی تاریخ کو

آپ کے پیدا ہونے کی جگہ کی خصوصیت سے زیارت کرتے ہیں)
(زرقانی علی المواہب جلدا ص ۱۳۲)
اور علامہ امام محمد بن عبدالباقی المکی الزرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

و قال ابن کثیر و ہو المشہور عند الجمہور و بالغ ابن الجوزی و ابن الجزار فنقلا فیہ الاجماع و ہو الذی علیہ العمل (زرقانی جلدا ص ۱۳۲)

ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ جمہور کے نزدیک وہی ربیع الاول ہی مشہور ہے اور محدث ابن الجوزی و ابن الجزار دونوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور اسی پر عمل ہے۔

علامہ ابن اثیر اور ابن ہشام صرف محمد بن اسحٰق کی ہی روایت کو اختیار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من شہر ربیع الاول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیروار کے دن بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ (کامل ابن اثیر جلدا ص ۲۰۵ تاریخ ابن خلدون ص ۳۲ سطر ۱۷)

عارف کامل حضرت مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولادت وے صلی اللہ علیہ وسلم زور دو شنبہ دوازدھم
ربیع الاول پنجاہ و پنجروز بعد از واقعہ فیل بود

کہ حضورؐ کی ولادت واقعہ اصحاب فیل کے پچپن روز بعد بروز پیر بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ (شواہد النبوۃ ص ۲۲)

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

و مولود حضرت رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم آں سال بود کہ ابرہہ سپاہ و فیل بدر کعبہ آوردہ بود و ہلاک گشت و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در انساں بوجود آمد بود' در روز دو شنبہ دوازدہم غرہ شہر ربیع الاول (تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۳۹)

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اس سال میں جس سال ابرھہ شاہ لشکر و ہاتھی لے کر کعبتہ اللہ شریف پر حملہ آور ہو کر آیا تھا اور وہیں ہلاک ہو گیا تھا۔ بروز پیر بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔

شیخ المحققین علامہ شاہ عبدالحق محدث رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بداں کہ جمہور اہل سیرو تواریخ بر آند کہ تولد
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در عام الفیل بود
بعد از چہل روز یا پنجاہ و پنج روز و ایں قول
اصح اقوال است و مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود

و بعضے علماء دعوئی اتفاق بریں قول نموده و
دوازدهم ربیع الاول بود و بعضے گفته اند
بده شبے که گزشته بود انداز دے و بعضے هشت شبے
که گزشته بود و اختیار بسیارے از علماء براین است
و نزود بعضے ده ممیز آمدا قول اول شہرو اکثرست
و عمل اہل مکہ براین است وزیارت کردن ایشاں
موضع ولادت شریف را دریں شب و خواندن مولود
(مدارج النبوۃ صفحہ ۱۴ جلد دوم)

کہ جمہور اہل سیر و تواریخ اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت واقعہ اصحاب فیل کے چالیس یا پچپن روز بعد اسی سال ہوئی اور یہی قول تمام اقوال سے صحیح ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی اور بعض علماء اس قول پر اتفاق و اجماع بیان کرتے ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ ربیع الاول کی دو تاریخ کو اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ تاریخ کو پیدا ہوئے اور بعض کے نزدیک دسویں رات ہے اگرچہ آٹھویں تاریخ کو بہت علماء نے اختیار فرمایا ہے لیکن قول اول یعنی بارہ ربیع الاول شریف زیادہ مشہور ہے اور اسی پر علماء کی اکثریت ہے اور اہل مکہ کا اسی پر عمل کہ اسی تاریخ کو جائے ولادت پر حاضر ہو کر اس کی زیارت کرتے اور میلاد شریف پڑھتے ہیں۔

بلا شبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقام ولادت مکہ معظمہ ہے اور اہل مکہ کا قدیم ہر سال سے بارہ ربیع الاول کو جائے ولادت پر حاضر ہونا اور میلاد شریف پڑھنا' اس کی روشن دلیل ہے کہ آپ کی تاریخ ولادت بارہ ربیع الاول ہے۔ (ذکر حسین)

شبلی نعمانی کی انوکھی تاریخ

مرقومہ بالا عبارت سے دو از دہم ربیع الاول پر اتفاق و اجماع اور عمل (اہل سنت میں) سب کچھ ثابت ہے لیکن شبلی صاحب کل جدید لذیذ کے اصول پر اپنی جدت طبع کا منہ دکھلا کر اپنے مفسرین' محدثین اور مورخین کی اجماعی تحقیق کو غلط ٹھہراتے ہیں۔ اور ایک ایسی تاریخ کو قطعی طور پر روز ولادت بتلاتے ہیں کہ جس کو اس وقت سے لے کر اس وقت تک ان کے کسی مفسر محدث اور مورخ نے ضعیف سے ضعیف سند کے ساتھ بھی نہیں لکھا ہے حالانکہ سات اقوال مختلفہ جن کا حوالہ زرقانی نے دیا ہے وہ دوسری' آٹھویں' دسویں' بارہویں' سترہویں اور اٹھارہویں ربیع الاول ہے مندرجہ بالا تاریخوں میں شبلی صاحب کی نویں تاریخ

کو کسی نے بھی نہیں لکھا ہے آپ کے قطعی لکھ دینے سے تو کسی تاویل کی بھی گنجائش نہیں چھوڑی کیونکہ اگر آٹھویں تاریخ کو ایچ مان کر کس طرح نویں تاریخ قرار دے لی جاوے جو وقت ولادت بالاتفاق صبح کے وقت طلوع آفتاب کے بعد قرار پایا ہے کسی طرح نویں کے انعقاد کو صحیح ہونے نہیں دیتا۔ ہاں اگر آٹھویں کا دن تمام ہو کر رات کا وقت ولادت کہیں لکھا ہوتا تو آپ کے قول کی قدرے تاویل ممکن تھی۔

شبلی صاحب کے اس قول و مختار اور اس فیصلہ نااستوار کی یہ کیفیت ہے جو پیش کی گئی ہے۔ جس سے ان کی قرار دادہ تاریخ کے قطعی اور واقعی ہونے کا کہاں تک ثبوت ملے گا۔ اس کے کم سے مشتبہ اور محتمل ہونے کا بھی کوئی عنوان کسی کتب تاریخ و حدیث سے قائم نہیں ہوتا۔ مولوی شبلی نے اس وقت اپنے تمام قواعد و ضوابط اور حدود شرائط سے دست بردار ہو کر جن کو وہ سیرۃ النبیؐ کے دیباچہ میں قائم کر چکے ہیں اور نیز اپنے اس اصول موضوعہ سے کہ کوئی تاریخی واقعہ تاوقتیکہ حدیث کی کتابوں سے منطبق نہ کر لیا جائے اندراج کے قابل نہیں۔ ہیئت و نجوم کے مؤید ہو گئے ہیں۔ اور محمود پاشا فلکی کے مقلد۔ چونکہ انہوں نے قاعدہ نجوم سے یہ ثابت کیا ہے کہ تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل مطابق ۲۰۔ ۲۱ اپریل ۵۷۱ء ہے۔ اس لئے آپ نے بھی بلا تردد اسی کو بالکل صحیح اور صریح تاریخ و ماہ ولادت قرار دے دیا اور اپنے حسابوں میں اپنی اس تحقیق تلاش کو بالکل جدید اور نادر تصور فرمایا حالانکہ اگر آپ صرف زرقانی کی پوری عبارت پڑھ گئے ہوتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ محمود پاشا فلکی سے صدہا برس پہلے اسلامی ماہرین و محققین علوم نجوم نے باقاعدہ نجوم آپ کی ولادت کے روز تاریخ کی تحقیق کر لی ہے۔ فلکی صاحب کچھ آسمان سے اس مضمون کو نہیں لائے ہیں۔ بلکہ ان سے پیشتر زمین والے بڑی جانکاہی سے اس سطح زمین پر تحقیق کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو عیون المعارف مولفہ ابو عبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر القضاعی الشافعی قاضی مصر المتوفی ۵۴ھ زرقانی جلد اول مطبوعہ مصر حیدر آباد ص ۱۵۰) اب فلکی صاحب یا ان کی طرف سے شبلی صاحب اس کے تعلق میں تحقیق کی جدت یا نوعیت کا دعوٰی کریں گے۔ وہ حقیقت میں انہیں حضرات کے غور و افکار کا نتیجہ یقین کیا جاوے گا۔ عیون المعارف میں جیسا کہ زرقانی کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔ امام قاضی نے یقین تاریخ ولادت کے متعلق علمائے نجوم کے تمام اقوال جمع کئے ہیں اور ان کی تحقیق کی رو سے روز ولادت آٹھویں تاریخ بتلائی ہے۔ اسی قول کو اکثر محدثین و مورخین نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ امام قسطلانی صاحب (مواہب لدنیہ) اور حمیدی (صاحب جمع بین الصحیحین) وغیرہم کا بھی یہی مختار تھا۔ ملاحظہ ہو زرقانی ص ۱۵۸ اس بنا پر اگر اعتبار کیا جاوے گا تو آٹھویں ربیع الاول پر جو علمائے نجوم و حدیث کے متفق اقوال سے ظاہر ہوتا ہے نہ فلکی صاحب اور نہ شبلی صاحب کی نویں پر جس کو نہ محققین لکھتے ہیں۔ نہ محدثین نہ مورخین۔

شبلی صاحب کی بلند پروازی کچھ اسی مضمون تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی تمام کی تمام تصانیف و تالیف

ہیں کہ "ہر آسمان نیز پرواختی" کا تمام لطف پایا جاتا ہے۔ جس کا ایک نمونہ پیش نظر ہے۔ آپ نے محمود پاشا فلکی کے قول کی قطعی صحت کا حکم تو لگا دیا مگر یہ خیال نہ رہا کہ اس کے صحیح مان لینے سے تاریخ میں اختلاف تو ہوتا ہے۔ سال کے تعین میں بھی فساد عظیم بچ گیا۔ عرب اس وقت تک تو صرف اھ عام الفیل لکھتے اور بتلاتے آئے ہیں مگر یوروپین محققین نے جن میں محمود پاشا فلکی کے ایسے کثیر التعداد افراد ہیئت، نجوم، فلسفہ اور ریاضی کے ماہرین و کاملین شامل ہیں جب واقعات اسلامی کے نقل و ترجمہ کی طرف توجہ فرمائی تو سنہ اعام الفیل کو سنہ مسیحی سے مطابق کر کے بالاتفاق بارھویں ربیع الاول سنہ اعام الفیل کو ۲۹ اگست ۵۷۰ء کے مطابق قرار دیا اور پھر اس وقت سے لے کر اس وقت تک تمام ممالک یورپ میں اسلامی واقعات و سوانح مختلف زبانوں میں لکھے گئے اور کثیر التعداد عربی تالیفات و تصنیفات عربی سے یورپین زبانوں میں ترجمہ ہوئیں۔ اور سب اس مختار متفقہ پر اعتبار کر کے اپنے تمام تالیفوں اور ترجموں میں نقل کرتے ہیں۔ اگر فلکی صاحب نے ۲۹ اگست کو ۱۲ اپریل اور ۵۷۰ء کو ۵۷۱ء کر دیا ہمیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ سرسری طور پر تاریخوں کے دیکھنے سے تو ولادت کی تاریخ و روز میں صرف دو تین دن کا فرق معلوم ہوتا ہے کیونکہ عربی تاریخیں ۱۲ ربیع الاول بتلاتی ہیں اور آپ ۹ کہتے ہیں تو اتنے قلیل اختلاف سے مہینہ اور سال میں بڑا عظیم اختلاف ہے۔ کہ اپریل سے اگست اور ۵۷۰ سے ۵۷۱ ہو گیا ہے۔ یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور پھر یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ایسی بین غلطی واقعہ کے متعلق اتنے زمانہ سے چل آتی ہو اور اس پر علماء مشرقین کی آج تک نظر نہ پڑی ہو۔ اور اگر نظر پڑی بھی ہو تو وہ اس کو صحیح نہ کر سکے ہوں اور آج تک برابر اسی غلطی کو نقل کرتے چلے آئے ہوں۔

ڈاکٹر سر سید احمد خان نے خطبات احمدیہ میں ۵۷۰ء میں آپ کی ولادت واقع ہونے کی تحقیق اور اس کی تصدیق و توثیق پوری تفصیل کے ساتھ ان الفاظ میں کی ہے جمہور مورخین کی یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارھویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے سال یعنی ابرہہ کی چڑھائی سے پچپن روز بعد پیدا ہوئے۔ مگر اس امر میں کہ عام الفیل سنہ ء کے کون سے سال میں واقع ہوا تھا۔ مورخوں کی رائے میں اختلاف ہے۔ منقح امر جو قرار پایا ہے وہ یہ ہے کہ عام الفیل ۵۷۰ کے مطابق تھا کیونکہ سب مورخین اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلعم نے ۶۲۲ء میں مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی۔ یعنی نزول وحی سے تیرھویں برس اور وحی چالیس برس کی عمر میں نازل ہوئی تھی۔ ان برسوں کو اگر جمع کیا جائے تو ترپن سال قمری ہوتے ہیں اور جب ان میں ایک برس قمری۔ شمسی سال سے مطابقت کرنے کے لئے منہا کر لیا جاوے تو باون برس باقی رہتے ہیں اور جب باون کو چھ سو بائیس سے نکال دیا جائے تو پانچ سو ستر باقی رہتے ہیں۔ اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی ولادت ۵۷۰ میں واقع ہوئی۔ مطبوعہ لاہور ص ۱۶)

یہ قرائن و شواہد بتلا رہے ہیں کہ نہ فلکی صاحب کا مختار قابل اعتبار ہے۔ نہ شبلی صاحب کی تائید لائق شمار۔

پھر اتفاق میں اختلاف پیدا کرنا کیا معنی۔ یہ نتیجہ ہے زود قیاسی اور مدعا شناسی کا۔ (المولف)

ولادت با سعادت کا دن

جناب سید محمد سلطان شاہ مسلک اہل سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔
جس یوم سعید کو ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے۔ اس مبارک دن کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف دن کا ہی نہیں بلکہ مہینے اور سال کا بھی ہے۔ زیر نظر مضمون میں اسی اختلاف کا تحقیقی تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔
اس بات پر تمام مورخین متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت دو شنبہ (پیر) کے دن ہوئی اور اس کا ثبوت احادیث مبارکہ سے بھی ملتا ہے۔ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے **ان سئل عن صیام یوم الاثنین فقال ذالک یوم ولدت فیہ و انزلت علی فیہ النبوۃ** (مسلم شریف)
حضور پاکؐ سے سوال کیا گیا کہ آپ پیر کے دن روزہ کیوں رکھتے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں اسی دن پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی کی ابتدا ہوئی۔
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ تمہارے نبی دوشنبہ کو پیدا ہوئے' دو شنبہ ہی کو ان کی بعثت ہوئی۔ اسی دن ہجرت کی اور دو شنبہ ہی کو مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ (احمد بن حنبل)
روضۃ الاحباب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت با سعادت پیر کے دن ہوئی۔ اور وحی کا نزول بھی سوموار کے دن شروع ہوا اور حجر اسود کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی موجودہ جگہ پر پیر کے ہی دن رکھا۔ مکہ معظمہ سے ہجرت بھی پیر کے دن ہوئی۔ مدینہ منورہ میں بھی پیر کے دن داخل ہوئے اور آنحضرتؐ کا وصال بھی پیر کے دن ہوا۔
مسلم شریف کی حدیثوں کے مطابق ابو لہب کے عذاب میں اس دن تخفیف کر دی جاتی ہے جس نے اپنے بھتیجے کی ولادت کی خوشی میں ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا۔ (مسلم شریف)
اس واقعہ کو عظیم محدث ابن حجر عسقلانیؒ امام سہیلیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:
ان العباس قال لما مات ابو لہب رایتہ فی منامی بعد حول فی شر حال فقال ما لقیت بعد کم راحتہ الا ان العذاب یخفف عنی کل یوم الاثنین (فتح الباری جلد ۹ ص ۴۵)
حضرت عباسؓ فرماتے ہیں۔ ابو لہب مر گیا تو میں نے اس کو ایک سال بعد خواب میں بہت برے حال میں دیکھا اور کہتے ہوئے پایا کہ تمہاری جدائی کے بعد خیر نصیب نہیں ہوا بلکہ سخت عذاب میں گرفتار ہوں لیکن

پیر کا دن آتا ہے تو میرے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولد یوم الاثنین و کانت ثویبۃ بشرت ابا لہب بمولودہ فاعتقھا (فتح الباری جلد ۹ ص ۱۴۵)

یعنی عذاب میں تخفیف کی وجہ یہ تھی کہ اس نے پیر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا لہٰذا جب پیر کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس اظہار خوشی کے صلے میں عذاب میں تخفیف فرما دیتے ہیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پیر کے دن ہوئی۔ اور اس پر تمام مورخین اور محدثین کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے۔

و ھذا مالا خلاف فیہ انہ ولد صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاثنین یعنی اس پر کلی اتفاق ہے کہ آپ پیر کے دن پیدا ہوئے۔

تاریخ ولادت

سرتاج انبیاء حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربیع الاول کی کس تاریخ کو اس دنیا میں جلوہ نما ہوئے۔ اس میں شدید اختلاف ہے بعض مورخین نے تاریخ ولادت نہیں لکھی بلکہ واقعہ فیل کے ۵۰ یا ۵۵ دن بعد ولادت با سعادت کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ امام سہیلی اور مسعودی کے مطابق واقعہ فیل کے ۵۰ دن بعد' منہاج الدین عثمان کے مطابق دو مہینے بعد' عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی کے مطابق ۵۰ راتیں بعد دمیاطی کے مطابق واقعہ فیل کے پچپن دن بعد ولادت ہوئی۔ تمام معتبر روایات کی رو سے ابرہہ کا لشکر محرم میں آیا تھا۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کے مطابق محرم کی سترہ تاریخ تھی۔ لیکن بعض روایات کے مطابق اصحاب فیل کا واقعہ نصف محرم میں پیش آیا تھا۔ قبلہ پیر صاحب کی تحقیق سے اگر اتفاق کر لیا جائے تو سترہ محرم سے ۲ ربیع الاول تک ۵۵ دن بنتے ہیں۔ اس لئے یہی درست ہے۔ علامہ قسطلانی نے ۲ ربیع الاول سے لے کر ۱۸ ربیع الاول تک کوئی گیارہ تاریخوں کا ذکر کیا ہے۔ صحیح تاریخ ۸ ربیع الاول اور ۲ ربیع الاول کے درمیان بتائی ہے۔ اگر مورخین و محدثین کے تمام اقوال جمع کئے جائیں تو ۸'۹ یا ۲ ربیع الاول کی بات سامنے آتی ہے۔ علامہ حافظ ابن قیم متوفی نے ۷۵۱ھ میں لکھا ہے کہ جمہور کا قول یہ ہے کہ آٹھ ربیع الاول کی تاریخ تھی۔ علامہ راشد الخیری نے بھی آٹھویں ربیع الاول کو یوم میلاد قرار دیا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت دس ربیع الاول کو ہوئی۔

مگر کسی مورخ یا محدث نے اس روایت سے اتفاق نہیں کیا۔ بیشتر مورخین نے ۹ یا ۱۲ ربیع الاول کو یوم ولادت بتایا ہے۔ قدیم مورخین سے ابن حزمؒ اور حمیدیؒ کے مطابق ۹ ربیع الاول ہے۔ مولانا عبدالرحمن شافعی نے بھی ۹ ربیع الاول لکھی ہے۔ محمد طلعت عرب نے "تاریخ دول العرب والاسلام" میں ۹ تاریخ کو صحیح قرار دیا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے "تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دو شنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔

علامہ شبلی کے بعض ہمعصر اور متاخرین بلا سوچے سمجھے محمود پاشا فلکی پر ایمان لے آئے اور تحقیق کے بجائے اندھی تقلید کی روش اختیار کر لی۔ مثلاً قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے "رحمتہ للعالمین" میں' ابو الکلام آزاد نے "رسول رحمت" میں' چوہدری افضل حق نے "محبوب خدا" میں' غلام احمد پرویز نے "معراج انسانیت" میں' عبدالکریم ثمر نے "رسول کائنات" میں' اور مولانا محمد اسلم جیرا جپوری نے بھی ۹ ربیع الاول ہی تاریخ ولادت لکھی ہے۔ ان سب نے لکھا ہے کہ جدید تحقیق کے مطابق یہی تاریخ ہے اگرچہ مورخین اور اہل سیر کی کثیر تعداد کے علاوہ محدثین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ ذیل کے مورخین نے اپنی کتب میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم ولادت ۱۲ ربیع الاول ہی کو قرار دیا ہے۔

(۱) حضرت محمد بن اسحاق نے "سیرۃ ابن اسحٰق" میں لکھا ہے۔

ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من شہر ربیع الاول عام الفیل
(سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۱۵۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن بارہ ربیع الاول عام الفیل کو جلوہ افروز ہوئے۔

عام الفیل مغازی محمد ابن اسحاقؒ کا قدیم ترین سیرت نگاروں میں شمار ہوتا ہے۔ پہلے یہ کتاب ناپید تھی۔ اور اصل کتاب کہیں نہیں ملتی تھی۔ تاہم اس کے اقتباسات سیرت کی کتب میں ملتے تھے۔ مگر نقوش "رسول نمبر" نے یہ مسئلہ حل کر دیا۔ رسولؐ نمبر جلد اول میں لکھا ہے "ابن اسحٰق کی تالیف' سیرۃ کے موضوع پر پہلی تحریر ہے جو ہمیں اقتباسات کی شکل میں نہیں بلکہ ایک مکمل اور خاصی ضخیم کتاب کی صورت میں ملی ہے۔"

حضرت ابن اسحٰق کا سیرت نگاری میں منفرد مقام ہے وہ امام زہری کے شاگرد اور تابعی تھے۔ ان کا انتقال ۱۵۰ھ (یا شاید ۱۵۱ھ) میں ہوا۔ صحابہ کرام' تابعین اور تبع تابعین ہی کا کرم ہے کہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مقدسہ کے مختلف گوشے پوری جزئیات و تفصیلات کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ سرکارؐ کی سیرت پاک اور سرکارؐ کے ارشادات کا بنیادی اور اہم ماخذ یہی نفوس قدسیہ ہیں۔ اس لئے جب ان کا

کوئی قول سامنے آ جائے' اس کی اہمیت میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لئے سیرۃ ابن اسحاق کی اہمیت مسلم ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے بھی لکھا ہے کہ کوئی کتاب ان کی کتاب کے رتبے کو نہیں پہنچی۔ مگر افسوس ہے کہ اس کے باوجود انہوں نے ابن اسحاق کے بجائے انیسویں صدی کے ایک نجومی اور حساب دان کی بات کو زیادہ صحیح سمجھا اور ابن اسحاق کے بیان کردہ حقائق سے بلا جواز چشم پوشی کی۔

(۲) حضرت ابو محمد عبدالملک بن محمد بن ہشامؒ متوفی ۲۱۳ھ نے "سیرت ابن ہشام" میں لکھا ہے۔ رسول خدا پیر کے دن بارہویں ربیع الاول کو پیدا ہوئے جس سال کہ اصحاب فیل نے مکہ پر لشکر کشی کی تھی۔ (سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۸۹)

"سیرت ابن ہشام" ایک مستند کتاب ہے جس کی پانچ شرحیں' آٹھ تلخیصات' اور چار منظومات لکھی جا چکی ہیں۔ اس کے ترجمہ فارسی' اردو' انگریزی' جرمن اور لاطینی زبان میں ہو چکے ہیں۔ (نقوش رسول نمبر ص ۱۳ء)

(۳) عظیم مورخ اسلام علامہ ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ نے "سیرۃ الانبیاء" میں لکھا ہے کہ حضور اکرمؐ کی ولادت دو شنبہ بارہ ربیع الاول ۵۷۰ھ کو ہوئی۔

(۴) شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول لکھی ہے۔

(۵) طبرانیؒ نے ۱۲ ربیع الاول کو یوم ولادت لکھا ہے۔

(۶) محقق ابن جوزی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول پر اجماع ہے۔ (میلاد رسول ص ۳۷)

(۷) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "مدارج النبوت" میں لکھا ہے "بعض علماء نے اس قول پر دعویٰ کیا ہے کہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی۔ اور بعض کے نزدیک دو راتیں گزر چکی تھیں' بعض کے نزدیک آٹھ راتیں گزر چکی تھیں۔ اور بعض کے نزدیک دس راتیں گزر چکی تھیں۔ اور پہلا قول اشہر اور اکثر ہے۔ اور اہل مکہ کا جائے ولادت شریفہ کی زیارت اور مولود پڑھنے میں اور جو کچھ آداب و ارضاع ہیں' ادا کرنے میں اسی قول یعنی بارہویں رات اور پیر کے دن پر ہی عمل ہے۔ (مدارج النبوت ص ۴۴)

(۸) کیسی نے لکھا ہے کہ حضور پاک رحمتہ للعالمینؐ روز دو شنبہ دو از دہم ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ (الشمامتہ العنبریہ ص ۷)

(۹) امام یوسف بن اسماعیل نبہانیؒ متوفی ۱۳۵۰ھ (۱۹۳۲ء) لکھتے ہیں کہ آپؐ کی ولادت ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو پیر کے دن طلوع صبح کے قریب ہوئی۔ (انوار محمدیہ ص ۴۲)

حضرت علامہ نبہانی جامعہ الازہر مصر کے فارغ التحصیل تھے۔ ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور عاشق رسول تھے۔ حضرت امام احمد رضا کے ہم عصر تھے ان کی ایک کتاب پر زور دار تقریظ بھی لکھی تھی۔

(۱۰) علامہ مفتی عنایت احمد کاکورویؒ لکھتے ہیں:

"بارہویں ربیع الاول کی اسی سال میں جس میں قصہ اصحاب فیل واقع ہوا بروز دو شنبہ بوقت صبح صادق جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پیدا ہوئے۔"

علامہ عنایت احمد کاکوری ایک جید عالم تھے۔ انہوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا اور کالا پانی میں قید رہے تھے۔ علم ہیئت و ہندسہ کے ماہر تھے۔ علم نجوم کے متعلق ایک کتاب موسوم بہ "موقع النجوم" لکھی اور "ملخصائے الحساب" بھی تصنیف کی۔ علم ہندسہ اور نجوم کے زیرک عالم ہونے کے باوجود انہوں نے تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول ہی لکھی ہے۔ اگر تقویمی حساب سے پیر کے دن اور ۱۲ ربیع الاول میں مطابقت نہ ہوتی اور اختلاف ہوتا یا انہیں قدماء کے موقف پر شک ہوتا تو علامہ کاکوریؒ بیان کرتے اور ۱۲ تاریخ سے اختلاف کرتے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ علامہ صاحب ۷ شوال المکرم ۷۹ ۱۲ کو حالت احرام میں جدہ کے قریب ہوائی جہاز کے ایک حادثے میں شہید ہوئے۔

(۱) مولوی سید محمد الحسنی ایڈیٹر "البعث الاسلامی" اپنی کتاب "نبی رحمت" میں ۱۲ ربیع الاول دو شنبہ کو یوم ولادت لکھتے ہیں۔ ان کی کتاب کا اردو ترجمہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے کیا ہے۔ (نبی رحمت جلد۱ ص۱۰۲)

(۲) ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے لکھا ہے کہ اکثریت ۱۲ ربیع الاول پر متفق ہے۔ اور یہی قول ابن اسحاق وغیرہ کا ہے۔ (حیات محمد ص۱۳۹)

(۳) سید سلیمان ندوی اپنے استاد علامہ شبلی نعمانی کے موقف سے قطع نظر اپنی کتاب "رحمت عالمؐ" میں رقمطراز ہیں۔

پیدائش ۱۲ تاریخ ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن حضرت عیسٰیؑ سے پانچ سو اکہتر برس بعد ہوئی۔ (رحمت عالم ص۱۲)

سید سلیمان ندوی جو سوائے پہلی جلد کے "سیرت النبیؐ" کی باقی جلدوں کے مصنف ہیں۔ انہیں شبلی نعمانی سے سعادت تلمذ کے علاوہ بڑی عقیدت بھی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں محمود پاشا فلکی کی تحقیقات اور حسابات کی حیثیت کا علم تھا اور ان کے نزدیک تا۔ی مورخ ابن اسحاقؒ اور دوسرے قدما کی روایتوں سے انحراف درست نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے استاد کا موقف جانتے ہوئے ۱۲ ربیع الاول والی روایت پر صادر کیا

(۴) شیخ محمد رضا سابق مدر مکتبہ فواد قاہرہ اپنی عربی تالیف "محمد رسول اللہ" میں لکھتے ہیں:

"بتاریخ ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اگست ۵۷۰ء بروز دو شنبہ صبح کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت با سعادت ہوئی۔"

(۵) مولانا اشرف علی تھانوی شیخ الحدیث مدرسہ دیوبند لکھتے ہیں:

"سب کا اتفاق ہے دو شنبہ تھا اور تاریخ میں اختلاف ہے۔ آٹھویں یا بارہویں' ماہ پر سب کا اتفاق ہے کہ ربیع الاول تھا۔ (حبیب خدا ص۲۹)

(۱۶) عصر حاضر کے نامور سکالر سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں :-

"ربیع الاول کی تاریخ کون سی تاریخ تھی' اس میں اختلاف ہے لیکن ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ آپؐ ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے تھے۔ اس کی تصریح محمد بن اسحٰق نے کی ہے اور جمہور اہل علم میں یہی تاریخ مشہور ہے۔" (سیرت سرور عالم جلد ۲ ص ۹۳)

علامہ مودودی کے علم اور تحقیق کے مطابق بھی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع اول ہی ہے کیونکہ جہاں صحابی کا قول آ جائے تو وہاں تاریخ کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

(۱۷) مولانا عبدالماجد دریا بادی جیسے مفسر قرآن کی نظر میں بھی ۹ ربیع الاول یوم ولادت نہیں بلکہ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۱۲ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت ہے۔

(۱۸) مولانا احمد رضا خان بریلوی کے والد مکرم مولانا نقی علی خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ متوفی ۱۸۸۰ء نے "سرور القلوب بذکر المحبوبؐ" میں ۱۲ ربیع الاول کو یوم ولادت قرار دیا ہے۔ اور حضرت رضا خان بریلوی بھی ۱۲ ربیع الاول کو یوم میلاد النبیؐ منایا کرتے تھے۔

(۱۹) مولانا احتشام الحق تھانوی نے لکھا ہے "مشہور روایت یہی ہے کہ ربیع الاول کے مہینے کی بارہ تاریخ دو شنبہ کا دن تھا اور صبح صادق کا وقت تھا جب آپؐ نے اپنے وجود عنصری و جسمانی وجود اقدس سے پوری کائنات کو رونق بخشی۔"

(۲۰) عمر ابو النصر نے اپنی کتاب "نبی امی" میں لکھا ہے کہ حضور پاکؐ کی ولادت عام الفیل میں ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے دن ہوئی۔

(۲۰) قاضی نواب علی نے لکھا ہے کہ صبح کا وقت' پیر کا دن' ربیع الاول کی بارہ تاریخ اور عام الفیل یعنی وہی سال جب ابرہہ نے مکہ پر حملہ کیا تھا' جو ۵۷۰ سن عیسوی تھا' حضور کی ولادت با سعادت ہوئی اور خدا کی رحمت زمین پر اتری۔

(۲۱) علامہ نور بخش توکلی نے "سیرت رسول عربیؐ" میں ۱۲ ربیع الاول کو دو شنبہ کا دن آپؐ کی ولادت کا دن قرار دیا ہے۔

(۲۲) خواجہ محمد اسلام کی کتاب "محبوب خدا کے حسن و جمال کا منظر" میں ہے کہ پیر کا دن اور ربیع الاول کی ۹ یا ۱۲ تاریخ تھی۔

(۲۳) ڈھاکہ کے پروفیسر کے۔ علی نے اردو' بنگالی اور انگریزی میں "تاریخ اسلام" لکھی ہے۔ ان کے نزدیک بھی یوم ولادت پیر کا دن ۱۲ ربیع الاول ۵۷۰ ہے۔

(۲۴) انیسویں صدی کے عظیم فرانسیسی محقق میسو سیدیو نے "تاریخ عرب" میں لکھا ہے۔ "کہ (سیدہ آمنہ) کے بطن مطہر سے ۱۲ ربیع الاول ۵۷۰ کو حضرت نبیؐ پیدا ہوئے۔"

(۲۵) مولانا ابو الحسن کاکوری "تفریح الاذکیا فی احوال الانبیاء" میں سرکار دو عالم کا یوم ولادت ۱۲ ربیع الاول لکھتے ہیں۔ (تفریح الاذکیا جلد ۲ ص ۱۰)

(۲۶) ابو عمرو منہاج الدین عثمان نے "طبقات ناصری" میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت با سعادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ (طبقات ناصری ص ۱۱۵)

(۲۷) مولانا قاری احمد "تاریخ مسلمانان عالم" کی جلد دوم موسوم بہ "تاریخ مصطفیٰ" میں لکھتے ہیں "۱۲ ربیع الاول کی صبح صادق کتنی حسین و سعید ساعت تھی جبکہ رسول اکرمؐ رحمتہ للعالمین اور خاتم النبیین خلعت فاخرہ زیب تن فرما کر عبدالمطلب کے گھر میں جلوہ افروز ہوئے۔" (تاریخ مسلمانان عالم جلد ۲ ص ۷۲)

(۲۸) مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی نے ۸ یا ۱۲ ربیع الاول کو حضور پاک صاحب لولاکؐ کی ولادت با سعادت کا دن قرار دیا ہے۔ (ذکر حبیب ص ۲۷)

(۲۹) پروفیسر سید شجاعت علی قادر ایم اے پرنسپل دار العلوم نعیمیہ کراچی لکھتے ہیں: "آپ اصحاب فیل کے واقعہ کے پچپن روز بعد ۱۲ ربیع الاول شریف کو صبح صادق کے وقت اس خاک دان عالم میں جلوہ افروز ہوئے۔"

(۳۰) عبدالرحمٰن شوق نے تاریخ اسلام لکھی ہے۔ وہ پہلی جلد میں رقمطراز ہیں "عام الفیل کے مشہور سال ۵۷۱ میں ۲۰ مئی کو یعنی سنہ ہجری کے باون سال قبل ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن ہادی اسلام حضور پرنور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسر عبداللہ حضرت آمنہ کے بطن مقدس سے پیدا ہوئے۔

(۳۱) شاہ مصباح الدین شکیل نے لکھا ہے کہ جمہور اور عام مورخین ۱۲ ربیع الاول اھ عام الفیل کو یوم ولادت تسلیم کرتے ہیں۔

(۳۲) نواب سید محمد صدیق حسن خان رقم طراز ہیں "ولادت شریفہ مکہ مکرمہ میں وقت طلوع فجر کے روز دو شنبہ دو از دہم ربیع الاول عام الفیل کو ہوئی۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ ابن الجوزی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ (الشمامتہ العبنزیہ ص ۷)

(۳۳) ابو الجلال ندوی نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالمؐ مکہ میں پیر دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۵۳ ق۔ھ کی صبح کو پیدا ہوئے۔

(۳۴) قاضی عبدالدائم لکھتے ہیں کہ متعدد تاریخ دلائل کے علاوہ تقویم کی رو سے بھی ۱۲ ربیع الاول ہی صحیح ہے۔

(۳۵) ساجد الرحمٰن جو کہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے منسلک ہیں اپنی تصنیف "سیرت رسولؐ" میں

۱۲ ربیع الاول ہی کو صحیح تاریخ قرار دیتے ہیں۔
(۳۶) احمد مصطفیٰ صدیقی نے بھی "ہمارے پیغمبرؐ" میں ۱۲ ربیع الاول کو یوم میلاد النبی لکھا ہے۔
(۳۷) آغا اشرف نے حال ہی میں ایک کتاب "محمد سید لولاک" لکھی ہے وہ لکھتے ہیں "آپ بارہ ربیع الاول پیر کے روز بیں اپریل ۵۷۱ء کو صبح کے وقت جناب آمنہ کے یہاں مکہ میں پیدا ہوئے۔"
(۳۸) مفتی محمد شفیع نے "اوجز الیسر" میں تقویمی حساب پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ۱۲ ربیع الاول کو درست قرار دیا ہے۔
(۳۹) مولوی محمد عبداللہ خان سابق پروفیسر مندر کالج پٹیالہ اپنی کتاب "خطبات نبوی" میں رقمطراز ہیں۔
"حضور خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت بروز پیر ۱۲ ربیع الاول ۶۱۶۳ بعد از ہبوط سیدنا آدم علیہ السلام بمقام مکہ ظہور پذیر ہوئی۔"
(۴۰) پیر محمد کرم شاہ الازہری سجادہ نشین بھیرہ، جسٹس وفاقی شرعی عدالت اپنی تفسیر "ضیاء القرآن" میں رقم فرماتے ہیں "بارہ ربیع الاول کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افزائے بزم گیتی ہوئے۔"
(۴۱) محمد اسحٰق بھٹی ایڈیٹر "المعارف" نے جنوری ۱۹۸۰ء کے شمارے میں طبری اور ابن خلدون کے حوالے سے صحیح تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول ہی لکھی ہے۔
مندرجہ بالا عبارات سے واضح ہے کہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، محدثینؒ اور مورخین کا اس بات پر قریباً اتفاق ہے کہ ولادت کی صحیح تاریخ ۱۲ ربیع الاول ہی ہے۔ البتہ برصغیر پاک و ہند کے بعض سیرت نگاروں نے محمود پاشا فلکی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو پیر کا دن نہیں تھا بلکہ پیر کا دن ۹ ربیع الاول کو بنتا ہے۔ لہٰذا ۹ تاریخ صحیح ہے۔ لیکن دلچسپ صورت حال یہ ہے کہ ان لوگوں کو فلکی پاشا کی کتاب کے نام کا بھی علم نہیں اور نہ کسی نے کسی اور کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ یہ حضرات اس کے اصل وطن سے بھی ناواقف ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی اور قاضی سلیمان منصور پوری نے محمود پاشا فلکی کو مصر کا باشندہ لکھا ہے۔ جبکہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے قسطنطنیہ کا مشہور ہیئت دان اور منجم بتایا ہے۔ قسطنطنیہ استنبول کا قدیم نام ہے جو ترکی کا مشہور شہر ہے۔ محمود پاشا کے نام سے بھی ظاہر ہے کہ وہ ترکی کا رہنے والا تھا۔ کیونکہ پاشا ترکی سرداروں کا لقب ہے اور سب سے بڑا فوجی لقب ہے۔
راقم کو بڑی کوشش کے باوجود محمد پاشا فلکی کی کتاب یا رسالہ نہیں مل سکا۔ البتہ معلوم ہوا کہ پاشا فلکی کا اصل مقالہ فرانسیسی زبان میں تھا۔ جس کا ترجمہ سب سے پہلے احمد زکی آفندی نے "نتائج الافہام" کے نام سے عربی میں کیا۔ اس کو مولوی سید محی الدین خان جج ہائی کورٹ حیدر آباد نے اردو کا جامہ پہنایا اور ۱۸۹۸ء میں نول کشور پریس نے شائع کیا۔ (یہ ترجمہ اب نہیں ملتا) محمود پاشا فلکی نے اگر علم فلکیات کی مدد سے کچھ تحقیقات کی بھی ہیں تو صحابہ، تابعین اور دیگر قدما کی روایات کو جھٹلانے کی کوئی بات بھی قطعی نہیں

ہوتی۔ سائنسی علوم میں آج جس بات کو درست تسلیم کیا جاتا ہے' کل کو وہ غلط ثابت ہو سکتی ہے۔ ایک زمانے کے سائنسدان جس مسئلے پر متفق ہوتے ہیں' مستقبل والے اس کی نفی کر دیتے ہیں۔ محمود پاشا اور اس کے معتقدین نے تو یہ کہہ دیا کہ ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں تھا۔ پاشا کی تحقیق کی بنیاد جس علم پر ہے اس کا حال یہ ہے کہ اتنے ترقی یافتہ دور میں جبکہ انسان چاند تک پہنچ کر دوسرے سیاروں پر کمندیں ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ برطانیہ کے ماہرین فلکیات اس قابل نہیں ہوئے کہ شام کو نظر آنے والے چاند کی پیشین گوئی کر سکیں۔ یونیورسٹی آف لندن کے شعبہ طبیعیات و علوم فلکیات کی رصد گاہ اور رائل گرین وچ آبزرویٹری کے معلوماتی سنٹر کے مطابق نئے چاند کی پیشین گوئی کرنا ابھی تک ناممکن ہے۔ پاکستان کے مشہور ماہر فلکیات ضیاء الدین لاہوری کی بھی یہی رائے ہے۔ جب مستقبل کے متعلق کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی تو ماضی کے متعلق یہ دعوٰی کرنا کہ فلاں قمری دن کو ہفتے کا فلاں دن تھا۔ اس صورت میں کس طرح ممکن ہے نہیں' جب ہمارے پاس تقویم کا تاریخی ریکارڈ موجود نہیں۔ سن ہجری کا استعمال حضرت عمرؓ کے دور میں شروع ہوا اور سب سے پہلی مرتبہ یوم الخمیس ۲۰ جمادی الاول ۱۷ھ (۲ جولائی ۶۳۸) کو مملکت اسلام میں اس کا نفاذ ہوا۔ اس کے بعد کا تاریخی ریکارڈ بھی ملتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کا نہ تاریخی ریکارڈ ملتا ہے اور نہ ہی اسس سے قبل کے کسی دن کے متعلق کوئی بات حتمی طور پر کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ بعثت نبویؐ سے قبل عرب میں کوئی باقاعدہ کیلنڈر نہیں تھا۔ اور وہ اپنی مرضی سے مہینوں میں رد و بدل کر لیا کرتے تھے اور بعض اوقات سال کے تیرہ یا چودہ مہینے بنا دیتے تھے۔

صاحب فتح الباری نے عربوں کے بارے میں لکھا ہے "بعض محرم کا نام صفر رکھ کر اور اس مہینے میں جنگ کرنا جائز قرار دے لیتے۔ اس طرح صفر کا نام محرم رکھ کر اس میں جنگ کرنا حرام قرار دیتے۔" تفسیر القرآن کے مطابق سال کے ۱۳ یا ۱۴ مہینے بنا دیتے تھے۔ جب عرب مہینوں کے نام اپنی مرضی سے بدل لیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اعلان نبوت تک یہی ہوتا رہا ہو گا' تو کسی ماہر فلکیات اور ریاضی دان کا یہ دعوٰی کیسے درست ہو سکتا ہے کہ فلاں قمری مہینے کی فلاں تاریخ کو یہ دن تھا۔ لہٰذا محمود پاشا فلکی کا یہ دعوٰی غلط ہے کہ ۱۲ ربیع الاول عام الفیل کو پیر کا دن نہیں تھا۔

شبلی نعمانی کی تقلید میں آج کل کئی آدمی یہ لکھنے لگے ہیں کہ جدید تحقیق کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم ولادت ۹ ربیع الاول ہے۔ حالانکہ ابن اسحاق' ابن خلدون' ابن ہشام' طبری' ابن جوزی' عیسی' ابن حجر عسقلانی' شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ سرکار دو عالمؐ اس دنیا میں ۱۲ ربیع الاول کو تشریف لائے تھے۔ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ کے اقوال کا حوالہ بھی موجود ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے تھے تو محمود پاشا فلکی اور علامہ شبلی نعمانی کی رائے کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے زیادہ

کس کو علم ہو سکتا ہے۔ وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا سیدنا عباسؓ کے فرزند سعید تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریبی رشتہ ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ کا قول سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ پھر ان کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہؓ جیسے عظیم صحابی کا قول بھی یہی ہے تو بات یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ حضور پاک صاحب لولاک علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کروگے راہ یاب ہو جاؤ گے) قرآن کریم نے صحابہ کرامؓ کو رضائے الٰہی کی سند عطا کر دی۔ اور فرمایا **رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ** یعنی اللہ ان (صحابہ) سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی **اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل** پھر حضرت ابن اسحاقؒ جیسے جید عالم، سیرت نگار اور تابعی نے بھی ۱۲ ربیع الاول کو ہی یوم ولادت لکھا ہے۔ حضور رحمتہ للعالمین نے فرمایا "جہنم کی آگ ان مسلمانوں کو چھو بھی نہیں سکے گی، جنہوں نے مجھے دیکھا یا جس نے ان کو دیکھا جنہوں نے مجھے دیکھا۔ اس حدیث مبارکہ میں صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کو دوزخ سے برات کا سرٹیفکیٹ دے دیا گیا۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ جنتی ہیں اور اہل جنت کو چھوڑ کر نجومیوں کی باتوں پر یقین کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔

اس کے علاوہ قدیم دور سے ۱۲ ربیع الاول ہی کو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا دن منایا جاتا رہا ہے۔ مصر، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ میں اب بھی اسی تاریخ کو حضور اکرمؐ کا یوم ولادت منایا جاتا ہے۔ اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ابن سعود کے دور حکومت سے قبل ۱۲ ربیع الاول ہی کو عید میلاد النبیؐ بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھی۔ "اخبار القبلہ" مکہ مکرمہ نے مارچ ۱۹۱۷ء میں یوم ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر ہونے والی تقریب کے بارے میں لکھا تھا:

"۱۱ ربیع الاول بعد از نماز عشاء حرم محترم محفل میلاد بعد نماز عشاء حرم محترم میں محفل میلاد منعقد ہوتی ہے۔ ۲ بجے شب تک نعت، مولود اور ختم پڑھتے ہیں اور رات جائے مولد النبیؐ پر مختلف جماعتیں جا کر نعت خوانی کرتی ہیں۔ ۱۱ ربیع الاول کی مغرب سے ۱۲ ربیع الاول کی عصر تک ہر نماز کے وقت ۲۱ توپ سلامی کی قلعہ جیاد سے ترکی توپ خانہ سر کرتا ہے۔

اس سال عید میلاد النبیؐ عقیدت و احترام سے منائے جانے کے بعد اخبار مذکورہ نے یہ رپورٹ دی "عید میلاد النبی کی خوشی میں تمام کچہریاں، دفاتر اور مدارس بھی بارہویں ربیع الاول کو ایک دن کے لئے بند کر دیئے گئے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ یوم ولادت ۱۲ ربیع اولال ہی ہے۔ کیونکہ اہل مکہ کا اسی پر اتفاق تھا۔ شیخ قطب الدین الحنفی نے بھی لکھا ہے **یزار مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم المکنی فی اللیلۃ الثانیۃ عن ربیع الاول فی**

کل علم

جمال الدین محمد بن جاء اللہ بن ظہیرہ رقمطراز ہیں "۱۲ ربیع الاول کی رات کو یہ معمول ہے کہ قاضی مکہ جو کہ شافعی ہیں مغرب کی نماز کے بعد ایک جم غفیر کے ساتھ مولد شریف کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں تینوں مذاہب' فقہ کے ائمہ' اکثر فقہاء' فضلاء اور اہل شہر ہوتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "مدارج النبوت" میں لکھا ہے کہ اہل مکہ بارہویں ربیع الاول ہی کو جائے ولادت شریفہ کی زیارت کرتے۔

پروفیسر رفیع اللہ شہادت نے لکھا ہے کہ ہمارے ملک میں ۱۲ ربیع الاول کو اختیار کیا گیا جبکہ بعض دوسرے اسلامی ممالک میں ۹ ربیع الاول کو صحیح تاریخ سمجھا جاتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ پروفیسر صاحب کو اتنا بھی علم نہیں کہ اہل مکہ ہمیشہ ۱۲ ربیع الاول کو ہی یوم میلاد مناتے رہے ہیں اور دیگر ممالک میں بھی اسی دن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا دن منایا جاتا ہے۔ انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ کون سے ممالک میں ۹ ربیع الاول کو میلاد النبی کا دن منایا جاتا ہے اور بغیر کسی سند کے حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کچھ لوگ دین کے بارے میں طے شدہ حقائق کے خلاف کوئی نئی بات لاکر اور اس کے لئے کوئی جھوٹی سچی باتیں گھڑ کر تشکیک پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے لکھا ہے کہ عوام میں تو مشہور قول یہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاول تھی' اور بعض کمزور روایات اس کی پشت پر ہیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ مولانا کے نزدیک ابن عباسؓ ' ابن اسحاقؒ ' ابن ہشام' ابن خلدون' طبری' ابن جوزی' اور عبدالحق محدث دہلوی کی روایات کمزور ہیں اور محمود پاشا فلکی کی بات مضبوط ہے جس کی کتاب یا رسالے تک کا کسی کو علم نہیں اور اس کے وطن میں بھی اختلاف ہے۔ جنہیں یہ تک معلوم نہیں کہ فلکی پاشا کا اصل مقالہ کس زبان میں تھا' وہ بھی اس پر ایمان لائے بیٹھے ہیں۔ یا للعجب۔

چونکہ سیرت النبیؐ کے قدیم ماخذ ۱۲ ربیع الاول کو ہی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عالم فانی میں قدم رنجہ فرمانے کا یوم قرار دیتے ہیں۔ اس لئے۔ راقم کے نزدیک محمود پاشا فلکی کی تحقیقات بالکل غلط اور ناقابل یقین ہیں اور آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم ولادت ۱۲ ربیع الاول ہی ہے۔ (رسالہ نعت)

سال ولادت میں اختلاف

جناب خطیب قسطلانی مواہب لدنیہ کی جلد اول کے ص ۱۵۱ سطر ۱۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔

اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام الفیل میں پیدا ہوئے ہیں یہ ابن عباسؓ کا وہ قول ہے (جو ان کے نزدیک محفوظ ہے) اور بعض علماء سے وہ عالم ہے جس نے اس قول پر علماء کا اتفاق حکایت کیا ہے (جیسے ابن جوزی ہیں انہوں نے (صفوۃ) میں کہا ہے کہ علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ آپ عام الفیل میں پیدا ہوئے ہیں اور ایسا ہی ابن الجزار نے کہا ہے) اور کہا ہے کہ ہر ایک قول جو اس کے خلاف ہے وہ غلط ہے اور مشہور قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب فیل کے واقعہ کے پچپن دن بعد پیدا ہوئے ہیں اس کی طرف "سہیلی" ایک جماعت میں گئے اور کہا گیا ہے کہ اصحاب فیل کے واقعہ کے پچپن دن بعد آپ پیدا ہوئے اس قول کو دمیاطی نے دوسرے علماء کے ساتھ حکایت کیا ہے اور کہا گیا ہے اصحاب فیل کے واقعہ کے ایک مہینہ کے بعد پیدا ہوئے اور کہا گیا ہے کہ چالیس دن بعد پیدا ہوئے ہیں (ان دونوں قولوں کو مغلطائی اور دمیاطی نے حکایت کیا ہے) اور کہا گیا ہے کہ واقعہ فیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے اور کہا گیا ہے بلکہ واقعہ فیل کے پندرہ سال قبل آپ پیدا ہوئے ہیں اور اس کے سوا کہا گیا ہے کہ آپ کے نبوت کے واسطے تمہید تھی اور آپ کے ظہور اور آپ کی بعثت کا مقدمہ تھا ورنہ جیسا کہ ابن القیم نے کہا ہے کہ اصحاب فیل انصاریٰ اہل کتاب تھے اور ان کا دین اس وقت اہل مکہ کے دین سے اچھا تھا کہ اہل مکہ بتوں کی عبادت کرتے تھے (ان کی کوئی کتاب نہیں تھی) اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو اہل کتاب پر ایسی نصرت دی جس میں بشر کی کوئی کار سازی نہیں تھی اور وہ نصرت اس نبی کے لئے ارہاص اور مقدمہ تھا جس نے مکہ ظہور کیا اور نصرت بلد الحرام کی تعظیم کی وجہ سے تھی۔

ولادت کے مہینے میں اختلاف

مواہب لدنیہ جلد ا ص ۱۵۲ سطر ۳ پر قسطلانی تحریر فرماتے ہیں۔

اور اس مہینہ میں بھی اختلاف کیا گیا ہے جس مہینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے مشہور قول یہ ہے کہ آنحضرت صلعم ربیع الاول کے مہینے میں پیدا ہوئے ہیں۔ یہ جمہور علماء کا قول ہے اور ابن جوزی نے اس قول پر جمہور علماء کا اتفاق کرنا نقل کیا ہے۔ ابن جوزی کے اس اتفاق کے نقل کرنے میں نظر ہے تحقیق کہا گیا ہے کہ آپ ماہ صفر میں پیدا ہوئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ ماہ ربیع الاخر میں اور کہا گیا ہے کہ ماہ رجب میں پیدا ہوئے ہیں۔ یہ قول صحیح نہیں ہے اور کہا گیا ہے ماہ رمضان المبارک میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ قول کہ آپ ماہ رمضان المبارک میں پیدا ہوئے ہیں ابن عمر سے روایت کیا گیا ہے اس کی اسناد صحیح نہیں ہے ابن عمر کا قول اس شخص کے موافق ہے جس نے یہ کہا ہے کہ آنحضرت صلعم کی والدہ ماجدہ آپ کے ساتھ ایام تشریق میں حاملہ ہوئی تھی (ایام تشریق یوم نحر کے بعد دو دن ہیں تین دن ہیں یا ان ایام کا ایام

تشریق اس لئے ہے کہ قربانی کرنے والے لوگ قربانیوں کا گوشت قطع کرتے تھے یا ایام تشریق اس لئے نام رکھا گیا ہے کہ شروق شمس کے بعد عید کی نماز پڑھتے ہیں یہ قول اس امر کے موافق ہے کہ حمل کی مدت (نو مہینے ہے) اور جس شخص نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم عاشورہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس نے غریب بات کہی ہے۔

اور ایسے ہی اس امر میں بھی اختلاف کیا گیا ہے کہ مہینہ کے کس دن میں آپ پیدا ہوئے ہیں کہا گیا ہے جس دن آپ پیدا ہوئے ہیں وہ غیر معین ہے کہ اول مہینہ ہے یا آخر مہینہ جس شخص کا یہ قول ہے کہ اس کے نزدیک ثابت ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں دو شنبہ کے دن بلا تعین تاریخ آپ پیدا ہوئے ہیں (دوسری تاریخ تھی یا آٹھویں تاریخ یا ان تاریخوں کے غیر تاریخ تھی اس کا تعین نہیں ہو سکتا) اور جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ آپ کی ولادت کا دن معین ہے کہا گیا ہے کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزرنے کے بعد آپ پیدا ہوئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ ربیع الاول کی آٹھ راتیں گزرنے کے بعد آپ پیدا ہوئے ہیں شیخ قطب الدین قسطلانی نے کہا ہے کہ اس قول کو اکثریت میں حدیث نے اختیار کیا ہے اور یہ ابن عباس اور جبیر بن مطعم سے نقل کیا گیا ہے اور اکثر وہ لوگ جن کو تاریخ کی معرفت ہے انہوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اور اس قول کو حمیدی اور ان کے شیخ ابن حزم نے اختیار کیا ہے۔ اور قضاعی نے (عیون المعارف) میں حکایت کیا ہے۔ کہ اہل زیج (یعنی اہل میقات) کا اس قول پر اجماع ہے اور اس قول کو زہری نے محمد ابن جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے محمد ابن جبیر علم انساب اور ایام عرب کو خوب پہچانتے تھے اور انہوں نے ان علوم کو اپنے باپ جبیر بن مطعم سے حاصل کیا تھا اور کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربیع الاول کی دسویں تاریخ کو پیدا ہوئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ بارہویں ربیع الاول کو اس قول پر اہل مکہ کا عمل ہے کہ وہ لوگ اس وقت میں آنحضرت صلعم کے پیدا ہونے کی جگہ زیارت کرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ ربیع الاول کے سترہ راتیں گزرنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور کہا گیا ہے اٹھارہ راتیں گزرنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور کہا گیا ہے ربیع الاول کے آٹھ دن باقی رہے تھے کہ آپ پیدا ہوئے ہیں کہا گیا ہے کہ یہ دونوں آخر کے قول جس شخص سے نقل کئے گئے ہیں بالکلیہ غیر صحیح ہیں اور مشہور قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن بارہویں ربیع الاول کو پیدا ہوئے ہیں یہ قول ابن اسحٰق وغیرہ کا ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربیع الاول میں پیدا ہوئے ہیں آپ کی ولادت نہ محرم میں ہوئی اور نہ رجب میں اور نہ رمضان المبارک اور غیر رمضان المبارک کے اور مہینوں میں جن مہینوں کو شرف ہے اس لئے کہ نبی صلعم کو زمانہ سے شرف نہیں ہے اور زمانہ کو شرف حاصل نہیں ہے مگر آپ کی ذات اقدس سے جیسے جگہوں کو (آپ کی ذات مبارک سے شرف ہے ان جگہوں میں سے مدینہ منورہ ہے کہ آپ کی وجہ سے مکہ سے افضل ہے) اگر آنحضرت صلعم مذکورہ مہینوں

یعنی محرم اور رجب اور رمضان المبارک میں پیدا ہوتے جو اہل عرب کے نزدیک بزرگ مہینے ہیں البتہ یہ توہم ہوتا کہ ان مہینوں سے آپ کو شرف حاصل ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ولادت عرب کے غیر بزرگ مہینوں میں اس لئے کی تاکہ اللہ تعالیٰ کی وہ عنایت جو آپ کے ساتھ ہے اور آپ کی وہ کرامت جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے وہ ظاہر ہو اور جس وقت جمعہ کا وہ دن جس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے ہیں ایک مبارک ساعت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کوئی مسلمان بندہ جمعہ کے دن اس ساعت کو نہیں پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس ساعت میں کسی خیر کا سوال کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ وہ خیر خاص اس بندہ کو عطا فرماتا ہے جس ساعت میں سید المرسلین پیدا کئے گئے ہیں اس ساعت کے ساتھ تمہارا کیا حال ہے کہ تم دعا مانگو اور وہ قبول نہ ہو آپ کی ولادت دو شنبہ کے دن اول ساعت میں ہوئی ہے اس لئے اول ساعت دو شنبہ میں دعا مانگنی چاہئے مصنف نے جمعہ کے دن ایک ساعت اجابت دعا کے لئے بیان کی ہے مگر ساعت کی تخصیص نہیں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن پیدا کیا اور جمعہ کے دن اپنے بندوں کو عبادت کی تکلیف دی کہ نماز جمعہ ادا کریں خطبہ پڑھیں۔ غسل کریں نجاست سے طہارت کریں اور دو شنبہ کے دن جو آنحضرت صلعم کی ولادت کا دن ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وہ تکلیف نہیں دی جو آپ کی امت سے اس تکلیف کی تخفیف اپنے نبی کے اکرم کی وجہ سے آپ کے وجود کی عنایت کے سبب معاف فرمائی تم غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کیسا بڑا احسان ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ منجملہ رحمت کے عدم تکلیف عبادات یوم مذکور ہے۔

اور بھی آپ کی ولادت کے اس وقت میں جس میں آپ پیدا ہوئے ہیں علماء نے اختلاف کیا ہے آیا آپ دن میں پیدا ہوئے ہیں یا رات میں۔ مشہور قول یہ ہے کہ آپ روز دو شنبہ کو دن میں پیدا ہوئے ہیں۔ ابو قتادہ الانصاری سے روایت ہے کہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو شنبہ کے دن روزہ رکھنے کو پوچھا آپ نے فرمایا دو شنبہ کا وہ دن ہے جس میں پیدا ہوا ہوں اور دو شنبہ کے دن نبوت مجھ پر نازل کی گئی ہے اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صریحاً اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلعم دن میں پیدا ہوئے ہیں اور امام احمد نے اپنی مسند میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو شنبہ کے دن پیدا ہوئے اور دو شنبہ کے دن نبی ہوئے اور دو شنبہ کے دن مکہ معظمہ سے ہجرت کی حالت میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور دو شنبہ کے دن مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور قریش نے جبکہ کعبہ معظمہ کی بنا ڈالی دو شنبہ کے دن آنحضرت صلعم نے حجر اسود اٹھایا تھا مسند امام احمد میں جو حدیث ہے وہ ختم ہو گئی۔ اس حدیث میں صحابی کا ارسال ہے کہ آپکی ہجرت کے وقت وہ تین سال کے تھے اور ایسے ہی مکہ معظمہ کی فتح دو شنبہ کے دن ہوئی اور سورۂ مائدہ دو شنبہ کے دن نازل ہوئی ہے۔ اور تحقیق روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم دو شنبہ کے دن طلوع فجر کے وقت پیدا ہوئے ہیں۔

عبداللہ ابن عمرو بن العاصی سے روایت ہے کہا ہے کہ (مرالظہران) میں جو کہ مکہ شریفہ سے ایک منزل پر ہے ایک یہودی تھا جس کا نام عیصیٰ تھا وہ اہل شام سے تھا وہ کہا کرتا تھا قریب زمانہ ہے اے اہل مکہ کہ تم لوگوں میں ایک ایسا مولود پیدا ہو گا کہ کل عرب اس کا مطیع ہو گا اور اس سے خضوع کرے گا اور وہ ملک عجم کا مالک ہو گا اس کے پیدا ہونے کا یہ زمانہ ہے۔ مکہ معظمہ میں کوئی مولود پیدا نہیں ہوتا مگر وہ اس کو پوچھتا تھا جبکہ اس دن کی صبح تھی جس میں آنحضرت صلعم پیدا ہوئے عبدالمطلب اپنے مکان سے نکلے یہاں تک کہ عیصی کے پاس آئے اور اس کو پکارا۔ اس نے مکان پر سے عبدالمطلب کو دیکھا اور یہ کہا خدا کرے تم ہی اس مولود کے باپ ہو اور کہا جس مولود کی میں تم لوگوں سے بات کیا کرتا تھا تحقیق وہ دو شنبہ کے دن پیدا ہو گیا اور دو شنبہ کے دن نبی ہو گا اور دو شنبہ کے دن وفات پائے گا۔ عبدالمطلب نے اس یہودی سے کہا کہ آج کی رات صبح کے ساتھ ایک مولود میرے پیدا ہوا ہے عیصی نے پوچھا تم نے اس مولود کا کیا نام رکھا ہے عبدالمطلب نے کہا محمد نام رکھا ہے۔ عیصی نے کہا اے اہل بیت اللہ میں واللہ یہ تمنا کرتا تھا کہ یہ مولود تم لوگوں میں پیدا ہو۔ تین خصلتوں کے سبب کہ وہ خصلتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ وہی مولود ہے وہ ان تین خصلتوں پر آیا ہے ایک خصلت یہ ہے کہ اس مولود کا ستارہ آج کی رات طلوع ہوا ہے، دوسری خصلت یہ ہے کہ وہ آج کے دن پیدا ہوا ہے اور تیسری خصلت یہ ہے کہ اس کا نام محمد ہے۔ اس حدیث کو ابو جعفر ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور ابو نعیم نے اس حدیث کی روایت (دلائل النبوت) میں ایسی سند سے کی ہے جس میں ضعف ہے اور کہا گیا ہے کہ آپ کی ولادت طلوع غفر کے وقت ہوئی ہے۔ غفر تین چھوٹے ستارے ہیں جن میں چاند نزول کرتا ہے وہ وقت انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا وقت ہے۔

آنحضرت صلعم کی ولادت کا وقت شمسی مہینوں میں نیسان کے مطابق ہے (جو رومی مہینہ ہے) وہ برج حمل ہے۔ ماہ نیسان کی بیس تاریخیں گزری تھیں جو آپ کی ولادت ہوئی۔ اور کہا گیا ہے کہ آپ رات کے وقت پیدا ہوئے ہیں (اس میں وقت کا تعین نہیں ہے کہ کتنی رات گزری تھی) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہا ہے کہ مکہ میں ایک یہودی تھا جو تجارت کرتا تھا جبکہ وہ رات تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے اس یہودی نے پوچھا اے معشر قریش کیا تم لوگوں میں آج کی رات کوئی مولود پیدا ہوا ہے قریش نے اس یہودی سے کہا کہ ہم کو اس کا علم نہیں ہے اس نے کہا کہ آج کی رات اس امت اخیرہ کا نبی پیدا ہوا ہے اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت ہے کہ وہ خاتم نبوت ہے۔ اس میں اس طور پر بال مجتمع ہیں گویا گھوڑے کی ایال ہے (قریش یہ سن کر یہودی کو ساتھ لے گئے آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس اس کو داخل کیا قریش نے کہا اپنے فرزند کو ہمارے دیکھنے کے واسطے نکالو آپ کی والدہ ماجدہ نے نکالا آدمیوں نے آپ کی پشت مبارک سے لباس جدا کر دیا یہودی نے اس شامہ کو دیکھا بے ہوش ہو کر گر

پڑا اس نے کہا واللہ بنی اسرائیل سے نبوت چلی گئی۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے۔ شیخ بدرالدین زرکشی نے کہا ہے یہ صحیح قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت دن میں تھی۔ زرکشی نے کہا ہے کہ وہ حدیث جو روایت کی گئی ہے کہ آپ کی ولادت کی رات تارے لٹک آئے تھے ابن وحیہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ ضعف کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث اس امر کا اقتضا کرتی ہے کہ آپ کی ولادت رات میں ہوئی ہو۔ زرکشی نے کہا ہے کہ ابن وحیہ کا یہ قول اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے کہ حدیث کو ضعیف کرنے کی علت ہو اس لئے کہ نبوت کا زمانہ خوارق عادت کی صلاحیت رکھتا ہے اور یہ جائز ہے تارے رات میں کیا دن میں گریں زرکشی کا قول ختم ہو گیا۔

اگر تم یہ کہو گے کہ جس وقت ہم نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات میں پیدا ہوئے تو کونسی رات افضل ہے لیلۃ القدر افضل ہے یا آپ کی ولادت کی رات اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم کی ولادت کی رات لیلۃ القدر سے تین وجہوں سے افضل ہے ان وجہوں میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی ولادت کی رات آپ کے ظہور کی رات ہے اور لیلۃ القدر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے مشرف کی ذات کے سبب جو شے شرف پائے وہ شے اس شے سے اشرف ہو گی جو مشرف کی ذات کو عطا کی جائے اس دعویٰ میں کوئی نزاع نہیں ہے (ہر ایک عاقل اس کو تسلیم کر سکتا ہے) اس اعتبار سے آپ کی ولادت کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر کو اس سبب سے شرف ہے کہ لیلۃ القدر میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور ولادت کی رات کو آپ کے ظہور کے سبب شرف حاصل ہوا ہے آپ اس میں پیدا ہوئے ہیں وہ شخص جس کے سبب ولادت کی رات کو شرف حاصل ہوا ہے وہ ان لوگوں سے افضل ہے جس کے سبب لیلۃ القدر کو شرف حاصل ہوا ہے۔ کہ وہ ملائکہ ہیں یہ وجہ اصح اور پسندیدہ مذہب پر ہے۔ (جمہور اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ ہر نبی فرشتہ سے افضل ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمیع عالمین سے افضل ہیں اس پر اجماع ہے اس کو امام فخرالدین رازی اور ابن سبکی اور سراج الدین البلقینی نے حکایت کیا ہے۔)

تیسری وجہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر تفضل الہٰی واقع ہوا ہے اور آپ کی ولادت شریف کی رات میں تمام موجودات پر تفضل الہٰی واقع ہوا ہے۔ آپ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے آپ کو عالمین کے واسطے رحمت کر کے مبعوث کیا ہے آپ کی ولادت کے سبب اللہ تعالیٰ کی نعمت جمیع مخلوق پر عام ہوئی ہے اس لئے آپ کی ولادت کی رات نفع میں اعم ہے اور لیلۃ القدر سے افضل ہے۔

اے وہ مہینہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے ہیں تو کس درجہ افضل اور اشرف ہے

اور تیری راتوں کی حرمت کتنی وافر ہے گویا وہ راتیں حضور زمانہ میں اپنے انوار سے موتی ہیں اور اے مولود کے چہرے تو کس درجہ روشن ہے پاک ہے وہ ذات (یعنی اللہ تعالیٰ) جس نے آنحضرت صلعم کی ولادت کو قلوب کے واسطے ربیع کیا ہے اور آپ کے حسن کو بدیع پیدا کیا ہے مصنف نے کسی شاعر کے اشعار اس مقام پر نقل کئے ہیں۔

یقول لنا لسان الحال منہ　　　　وقول الحق یعذب للسمیع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حال ہم سے کہتی ہے اور حال یہ ہے کہ سننے والے کو حق بات شیریں معلوم ہوتی ہے۔ اے سائل اگر تو میرے صفات اور میرے احوال کو پوچھتا ہے تو میں یہ کہتا ہوں

فوجھی و الزمان و شھر وضعی　　　　ربیع فی ربیع فی ربیع

کہ میرا چہرہ اور میرا زمانہ اور میرے پیدا ہونے کا مہینہ زمانہ ربیع میں ماہ ربیع الاول میں ربیع ہے آپ کے چہرہ مبارک کو اعتدال حسن اور رونق میں ربیع کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ اس چہرہ مبارک نے ربیع کے موسم میں ماہ ربیع الاول میں اپنی بہار دکھائی ہے۔

اہل معانی نے کہا ہے جیسا کہ (سبل) میں ہے کہ آپ کی ولادت فصل ربیع میں ہوئی ہے کہ فصول میں زیادہ معتدل فصل ہے فصل ربیع میں رات اور دن دونوں معتدل ہوتے ہیں حرارت اور برودت ان کی معتدل ہوتی ہے اور موسم ربیع کی نسیم رطوبت اور یبوست کے درمیان معتدل ہوتی ہے اور اس موسم کا آفتاب ارتفاع اور ہبوط میں معتدل ہوتا ہے اور موسم ربیع کا چاند اول درجہ میں چاندنی راتوں میں معتدل ہوتا ہے وہ شے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مربیوں کے اسماء سے آپ کے لئے مہیا رکھی ہے اس نظام کی منسلک میں منعقد ہوتی ہے آپ کے تربیت کرنے والوں میں والدہ اور قابلہ ہے ان کو شفا ہے اور آپ کی گود میں لینے والی کے نام میں برکت ہے اور نمو ہے اور آپ کی دودھ پلانے والیوں میں ثواب اور حلم اور سعد ہے۔

ولادت کا دوسرا سال

سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سال ولادت میں اختلاف کی صورت یہ ہے محمد حسین ہیکل کے الفاظ میں "بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کی ولادت واقعہ فیل کے چند سال (تیس سے ستر) بعد وقوع میں آئی۔ لیکن یہ بات بالکل غلط ہے۔ تاریخ کی کسی مستند کتاب میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی۔ ابن اسحاق" "ابن ہشام" "عبدالرحمٰن بن جلال الدین سیوطی" "علامہ یوسف بن اسماعیل" نبہانی" علامہ مفتی عنایت احمد کاکوری" "مولانا شبلی نعمانی" قاضی سلیمان منصور پوری" علامہ حافظ ابن قیم" مسعودی" سید محمد امین" مولانا اشرف علی تھانوی اور قاضی نواب

علی سب نے عام الفیل کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا سال قرار دیا ہے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے سورۂ فیل کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام اسی سال تولد ہوئے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے **ولدت عام الفیل** کہ میری ولادت عام الفیل میں ہوئی۔ عبدالرحمٰن چشتی صوفی ۱۰۹۴ھ نے لکھا ہے "اہل سیر کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ ولادت پاک سال فیل میں ہوئی۔"

چونکہ حدیث پاک کے مطابق ولادت عام الفیل میں ہوئی اس لئے یہی صحیح ہے۔ جلیل القدر محدث و مفسر اور مورخ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے **و کان مولدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام عام الفیل و ھذا ھو المشھور عن الجمھور و قال ابراہیم بن منذر الحزامی و ھو الذی لا یشک فیہ احد علمائنا انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام و لد عام الفیل** جمہور کے نزدیک یہی قول مشہور ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت عام الفیل میں ہوئی اور ابرہیم بن منذر کہتے ہیں کہ اس بات میں کسی عالم کو بھی شک و شبہ نہیں کہ نبی علیہ السلام عام الفیل میں پیدا ہوئے۔

ماہ ولادت

سال کے بعد مہینے میں بھی اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ محمد حسین ہیکل نے لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک محرم، صفر، رجب یا رمضان میں ولادت ہوئی۔ لیکن ان کی یہ بات بھی قطعاً خلاف واقعہ ہے۔ قدیم اور جدید مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت با سعادت ربیع الاول میں ہوئی۔ ابن اسحاق، ابن ہشام، شارح بخاری، امام قسطلانی، شیخ قطب الدین الحنفی، حمد الدین محمد بن جاء اللہ، الحافظ ابو ذرعہ العراقی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، امام یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، محمد صدیق حسن بھوپالی، شیخ محمد رضا مصری، سید سلیمان ندوی، مولانا شبلی نعمانی، قاضی سلیمان منصور پوری، اور سید ابو الاعلیٰ مودودی بھی اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی ولادت با سعادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی۔ اس کی تائید میں ایک روایت حضرت سعید بن المسیبؓ سے مروی ہے جس میں آپؐ کی اس جہان رنگ و بو میں تشریف آوری کا مہینہ ربیع الاول قرار دیا گیا ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: **ثم الجمھور علی ان ذالک کان فی شھر ربیع الاول** یعنی جمہور کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ ربیع الاول کا مہینہ تھا۔

رسول اللہ کی مدت حمل میں بھی اختلاف کیا گیا ہے

کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حمل کی مدت نو مہینے کامل تھی اور کہا گیا ہے کہ

دس مہینے تھی اور کہا گیا ہے کہ آٹھ مہینے تھی اور کہا گیا ہے کہ سات مہینے تھی اور کہا گیا ہے کہ چھ مہینے تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمد بن یوسف برادر حجاج ظالم کے مکان میں پیدا ہوئے ہیں یہ مکان زقاق الدکک میں واقع ہے آنحضرت صلعم نے عقیل کو دے دیا تھا۔ ان کی زندگی تک ان کے قبضہ میں تھا ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند محمد بن یوسف کے ہاتھ فروخت کر ڈالا اور کہا گیا ہے کہ عقیل نے باتباع قریش ہجرت کے بعد محمد بن یوسف کو فروخت کر دیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ شعب بنی ہاشم میں پیدا ہوئے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ مکہ میں بنی جمح کی روم میں پیدا ہوئے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ آپ مکہ میں پیدا نہیں ہوئے ہیں بلکہ عسفان میں پیدا ہوئے ہیں۔ جو کہ مکہ سے چھتیس میل پر واقع ہے۔ یہ قول بھروسے کے لائق نہیں ہے۔ (مواہب لدنیہ جلد ا ص ۱۵۸ سطر ۳)

حضورؐ کی جائے ولادت

جاننا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ ولادت اگرچہ مختلف فیہ ہے لیکن اس کی جگہ متفق علیہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مبارک مولود آغاز فطرت سے انتہا خلقت تک جو کہ قضا و قدر کے مرتب اور اشغال مصنوعات کے قواعد و قدر کو خلق وامر کے پارچہ میں مقرر کرنے والے نے لپیٹا۔ طوالع نجوم کی تحریر لکھنے والے ارادت کے طور پر سعادت کی تحریر ایام ولیالی کے اوراق کے صفحات پر لکھی کسی نے مولود حسن طالع میں موقع طہارت اصل نضارت نسل، ذکائے فطانت، صفائے طینت، علوم نسب اور حسب کی بلندی میں اس کونین کی آنکھوں کی ٹھنڈک خلاصہ عالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر قدم کرم پردۂ عدم سے عالم وجود میں نہیں رکھا۔ اصلاب طیبہ اور ارحام طاہرہ سے منتقل ہوتے ہوئے حرم محترم مکہ سے متعلق بنی ہاشم کی ایک حویلی میں متولد ہوئے۔ دنیا جو فسق و عصیان کی ظلمت سے تاریک ہو چکی تھی کو اپنے نور ظہور سے منور کر دیا۔

محمد کاصل ہستی شد وجودش
چراغ روشن از نور خدائی
طراز از خاتمت نقش نگینش
جہاں گردے زشاد روان جودش
جہاں نزادادہ از ظلمت ہائی
کلیدنہ فلک در آستینش

نقل ہے کہ وہ حویلی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے اب مکہ میں محمد بن یوسف کی حویلی موجود ہے۔ شعب بنی ہاشم میں اس کوچہ میں جسے زقاق المولد کہتے ہیں اب تک اطراف و اکناف کے زائرین اس مبارک مقام سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ وہ حویلی وراثت کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے عقیل بن ابی طالب کو عطا فرما دی اور عقیل کی وفات تک اس کی ملک میں رہی۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے حجاج بن یوسف ثقفی کے بھائی محمد بن یوسف کے پاس فروخت کر دی اور دوسری روایت یہ ہے کہ عقیل بن ابی طالب نے خود فروخت کی۔ جب مکہ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا سے پوچھا کہ میں کہاں ٹھہروں۔ اس نے کہا اپنے گھر میں جو آپ کی جائے ولادت بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **هل ترک لنا عقیل من ظل** آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطحا میں نزول اجلال فرمایا اور کہا اس گھر کو بھی خریدار کے پاس رہنے دو۔ عبدالملک کے زمانہ خلافت میں وہ گھر محمد بن یوسف کو منتقل کر دیا۔ اس نے اس گھر کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ولادت ہے برکت کے لئے اپنے محل میں داخل کر لیا۔ جو بیضا کے نام سے مشہور تھا۔ بنی امیہ کی سلطنت ختم ہونے کے بعد ہارون الرشید کی والدہ خیزران جب بیت اللہ شریف کے طواف کے لئے آئی اس گھر کو اس محل سے جدا کر دیا اور وہاں ایک سنہری مسجد انتہائی آراستہ و پیراستہ تعمیر کی تاکہ عبادت گذار بندے پنج وقتہ نماز ادا کریں۔ (معارج النبوت جلد ۲ ص ۹ سطر ۹)

رسول اکرمؐ مختون پیدا ہوئے

طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم و خطیب اور ابن عساکر نے بہ روایت مختلف حضرت انس سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ 'حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ میرے رب کا مجھ پر جو انعام و اکرام ہے' ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں ختنہ شدہ پیدا ہوا اور میرے ستر کو کسی نے نہ دیکھا۔
(اس روایت کو ایضاء نے "المختارہ" میں بیان کیا اور صحیح کہا۔)

ابن سعد نے کہا کہ ہمیں یونس بن عطاء نے اور انہیں حکم بن ابان نے اور انہیں عکرمہ نے اور انہیں ابن عباسؓ نے خبر دی اور انہوں نے اپنے والد حضرت عباس سے روایت کی کہ عبدالمطلب بتاتے تھے کہ حضورؐ مختون و مسرور پیدا ہوئے' اور اس حالت پر انہوں نے تعجب کیا اور فرمایا یقیناً میرے اس فرزند کی بڑی شان ہو گی۔
(اس روایت کو بیہقی' ابو نعیم' اور ابن عساکر نے بھی بیان کیا ہے)

ابن عدی اور ابن عساکر نے بہ روایت عطا ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناف بریدہ اور مختون پیدا ہوئے۔

ابن عساکر نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ختنہ شدہ حالت میں ہوئی۔

ابن عساکر نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناف بریدہ اور مختون پیدا ہوئے۔ حاکم نے المستدرک میں کہا ہے کہ آنحضورؐ کا مختون پیدا ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

ابن ورید نے "الوشاح" میں کہا کہ ابن کلبی کہتے ہیں کہ ہمیں کعب احبار سے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے کہا ہم نے اپنی کسی کتاب میں پایا ہے کہ ابو الاباء حضرت آدم مختون پیدا ہوئے پھر ان کی اولاد میں سے بارہ انبیاء کرامؑ ختنہ شدہ پیدا کئے گئے۔ ان میں آخری نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ وہ انبیاء کرام جن کو بہ حالت مختون پیدا کیا گیا اور جن کی تعداد بارہ بتائی گئی حسب ذیل ہیں۔

حضرت شیثؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت نوحؑ، حضرت سامؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت یحیٰؑ، حضرت ہود اور حضرت صالحؑ۔ ان سب برگزیدہ انبیاء پر سلام ہو۔
(خصائص کبریٰ جلد ا ص ۱۳۶ سطر ۱۰)

مواہب لدنیہ جلد ا ص ۱۴۸ سطر ۳ پر قسطلانی تحریر فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے حال میں پیدا ہوئے کہ ختنہ کئے ہوئے اور ناف بریدہ تھے۔ جیسا کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث سے ابن عساکر کے نزدیک روایت کیا گیا ہے اور طبرانی نے (اوسط میں) اور نعیم اور خطیب اور ابن عساکر نے متعدد طریقوں سے انسؓ سے روایت کی ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ میرے رب کے پاس میری بزرگی سے یہ امر ہے کہ میں ختنہ کیا ہوا پیدا ہوا ہوں اور کسی شخص نے میری شرمگاہ نہیں دیکھی ضیا نے اس حدیث کو مختار میں صحیح حدیث کہا ہے اور ابن عمر سے روایت ہے کہا ہے کہ رسول اللہ صلعم ایسے حال میں پیدا ہوئے کہ ناف بریدہ اور ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے تھے اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

حاکم نے مستدرک میں کہا ہے کہ متواتر احادیث وارد ہوئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے۔

احادیث متواترہ سے ثابت ہے

و قد تواترت الاخبار ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد مختونا و مسرورا (مستدرک جلد ۲ ص ۶۰۲)

اور تحقیق متواترات حدیثوں سے ثابت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ کیئے گئے پیدا کیئے گئے اور ناف بریدہ پیدا کیئے گئے۔

و منها انه ولد مختونا مقطوع السرة فقد قال الحاکم به تواترت الاخبار (شرح زرقانی جلد ۵ ص ۴۴)

اور ان احادیث متواترہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ختنہ کئے ہوئے ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ حاکم نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں متواترہ ہیں۔

و عن ابن الجوزی لا شک انه ولد مختونا ۔ رواہ الطبرانی و ابو الصحیح و ابن عساکر

اور ابن جوزی سے ہے کہ بلا شک آپ مختون پیدا ہوئے ہیں۔

عن انس رفعه من کرامتی علی ربی انی ولدت مختونا

حضرت انس سے مرفوع روایت ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے رب کی طرف سے میری کرامت ہے کہ میں پیدا کیا گیا ہوں ختنہ کیا ہوا۔

تنتالیسویں دلیل

و قال البیہقی ابنانا ابو عبداللہ الحافظ انا ابوبکر محمد بن احمد بن حاتم الدرا بوندی حدثنا ابو عبداللہ البوشخی حدثنا ابو ایوب سلیمان بن سلمہ الجنائری حدثنا یونس بن عطا عثمان ابن ربیعہ بن زیاد بن الحارث الصدائی عیصر حدثنا الحکم بن ابان عن عکرمہ عن ابن عباس عن ابیہ العباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قال ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختونا مسرورا (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۶۵)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ کئے ہوئے ناف کٹے ہوئے پیدا ہوئے۔

ثم اوردہ من طریق محمد بن سلیمان هو الباغندی حدثنا عبدالرحمٰن بن ایوب الحمصی حدثنا موسیٰ القلسی حدثنی خالد بن سلمہ عن نافع ابن عمر قال ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسرورا مختونا

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ناف بریدہ ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے۔

کیوں جناب نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکرو بتاؤ کوئی دنیا میں ایسا پیدا ہوا ہو جس کو ماں کے پیٹ میں والدہ کا گندا خون خوراک نہ ملی ہو۔ صرف میرے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو والدہ ماجدہ کے شکم سے ہی ناف بریدہ پیدا ہوئے جس سے ثابت ہوا کہ والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں بھی آپ کی خوراک نور ہی رہی ہے۔ والدہ کے خون کی غذائیت سے آپ مبرا رہے۔ اور پیدا ہوئے۔ مومن

کے لئے یہ آپ کے وجود نوری ہونے کا یقینی ثبوت ہے۔ اور جہالت نوری ہونے کی واضح دلیل ہے اور مخلوں اس لئے کہ آپ کے نوری جسم کا ٹکڑا کاٹ کر پھینکا نہ جا سکتا تھا۔
ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ظاہر و باطن میں حقیقتہً "نور تھے۔ (مقیاس النور)

آنحضرت کا عقیقہ

ساتویں روز حضرت ابو طالب نے عقیقہ کا انتظام کیا۔ اور بنی ہاشم کو دعوت طعام دی اور لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ کھانا کس لئے دیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرے بھتیجے احمد کا عقیقہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا نام احمد کیوں رکھا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہستی ہے کہ زمین و آسمان والے اس کی مدح و ستائش کریں گے بی بی آمنہ کو جب حمل ہو گیا تھا اور وقت ولادت بھی قریب تھا' تو ہاتف غیبی کی آوازیں آتی تھیں کہ اس کا بچہ کا نام محمد رکھو۔ اسی طرح عبدالمطلب کو خواب میں بشارت ہوئی کہ اس بچہ کا نام محمدؐ رکھو یہ نام خدا کے حکم سے یہ رکھا گیا۔
جناب عبدالمطلب نے کئی اونٹ آنحضرت کے عقیقہ کے لئے ذبح کئے اور قریش کو دعوت طعام دی۔ جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو عبدالمطلب سے اس بچہ کا نام پوچھا آپ نے فرمایا اس کا نام محمد رکھا ہے۔ لوگوں نے کہا آپ نے اپنے آباؤ اجداد کے نام کو ترک کر کے یہ نام کیوں تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ نام اس لئے تجویز ہوا ہے کہ یہ بچہ زمین و آسمان میں ممدوح اور قابل ستائش و تعریف ہو۔ آپ کی والدہ آپ کو دودھ پلاتی تھیں۔

قبہ مولد النبیؐ

کفر و الحاد کی تاریکیاں دور کرنے والا' شرک و بت پرستی کی ظلمتیں مٹانے والا' فضاء عالم کو وحدت کدہ بنانے کے لئے آنے والا ہے۔ دنیا جہاں میں ملل و مذاہب باطل پرستیوں کا گہوارہ بن چکے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے پرستار' ابن مریم کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں تو دوسری قوم حضرت عزیر کو ابن اللہ پکارتی ہے۔ حضرت کلیمؑ کی تعلیم یہود سے سلب ہو چکی ہے۔
مگر سرا پردۂ قدس ہزاروں تجلیات کا ایک روشن فانوس معمورۂ عالم میں جلوہ آراء کرنے والا ہے۔ کلیسا نشین راہب' انجیل کی ورق گردانی کر کے پیغمبر آخر الزمانؐ کی بشارت دیتے ہیں۔ صومعہ توریت کی پیشین

کونپلیں سلطان الرسلؐ کی آمد آمد کا غلغلہ بلند کرتی ہیں۔ منجمان عرب' مبارک ساعتوں کا شمار کرنے میں مصروف ہیں۔
وہب بن عبد مناف کے دولت کدہ پر مجلس عقد آراستہ ہے ایک ہی جلسہ میں دو باپ بیٹوں کا نکاح دو ناکتخدا خاتونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہالہ بنت وہب کی شادی حضرت عبدالمطلبؓ کے ساتھ' حضرت آمنہؓ خاتون کی شادی حضرت عبداللہؓ کے ساتھ ہوتی ہے۔
مبارک ساعتوں' سعید گھڑیوں کا ہجوم ایک بشارت کبریٰ کے استقرار کا سبب بنتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ گھر سے بغرض تجارت شام کا سفر کرتے ہیں لیکن ان کا یہ سفر سفر آخری ہوتا ہے۔ واپسی میں مدینہ آکر بیمار ہو جاتے ہیں اور داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے بنو نجار کے قبرستان میں مدفون ہوتے ہیں۔
رحمت کی سنہری بدلیاں عرش الہی سے اٹھ اٹھ کر آمنہؓ کے گھر پر نور پاشی میں مصروف ہیں۔ خلد کی ٹھنڈی ہوائیں مہکتے پھولوں کی پنکھیاں لے کر کسی کے بام و در کی مگس رانی کر رہی ہیں۔ حریم قدس کے فرشتے "اہلا" و سہلا" مرحبا" کے نغمے گا رہے ہیں۔ قصور جناں کی روحیں وردیدہ نگاہی سے کسی کی آمد کا انتظار کر رہی ہیں۔ حجلہ قدرت کے پردے اٹھے ہوئے ہیں۔
بہاریں گھٹائے شگفتہ کے دامنوں میں اٹھلاتی مچلتی موسم گل کو فصل ربیع کا مژدہ دے رہی ہیں۔ ربیع الاول شریف کا چاند ہزاروں خیر و برکت کے ساتھ طلوع ہوتا ہے۔ گیارہ دن گزار کر بارہویں شب انوار و تجلیات کے بے شمار ساز و سامان کے ساتھ انتظار آمد سرکارؐ میں گزرتی ہے۔ دوشنبہ کی صبح صادق کعبہ کی وادیوں میں ایک رحمت خیز منظر رونما کرتی ہے۔ قدوسیان ملاء اعلیٰ صلوٰۃ و سلام میں مصروف ہیں۔ ملائکہ عرش بریں حالت قیام میں صف بستہ نیچے نگاہیں کئے ہوئے انظریا سید المرسلین' انظریا رحمتہ للعالمین' انظریا شفیع المذنبین' ادب و احترام سے پکار رہے ہیں کہ
یکایک حریم قدرت باری کا پردہ اٹھتا ہے۔ مطلع وحدت سے آفتاب سلام طلوع ہوتا ہے۔ باعث ایجاد و عالم' سبب تخلیق خلق' شعب بنی عامر میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔
محیط عالم امکان میں عام ندا ہو جاتی ہے کہ دو عالم کے تاجدار' محبوب کردگار' سید الابرار حضرت محمد مصطفیٰ احمد مختار صلی اللہ علیہ و آلہ الاطہار وبارک وسلم پیدا ہوئے۔
ٹھیک اسی وقت قصر نوشیرواں میں زلزلہ آتا ہے' مجوسیان اسفز کا قدیم آتشکدہ بجھ جاتا ہے۔ عالم کی گمنام تاریخ کا دوسرا ورق الٹتا ہے۔ اسلام کا دور شروع ہوتا ہے۔ عرب' جن کی فصاحت نے تمام دنیا کی بولتی قوموں کو عجمی قرار دیا' اپنی عظیم الشان تاریخ کو مدون کرتے ہیں۔ اسلامی روایات کو برقرار رکھنے' شعائر اللہ کو ابدالآباد تک محفوظ رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ حریم الہی یعنی زمین مکہ جس کا ذرہ ذرہ اسلامی تاریخ کا چمکتا ہوا آئینہ ہے بطور یادگار دوام یہاں کے تمام آثار و اعلام کو وہ تعمیرات سے محدود و محصور کر دیتے ہیں۔

منجملہ اور اماکن مقدسہ کے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے پیدائش کو بھی اہل عرب نے ایک عمارت کے تحت میں محفوظ کیا۔ یہی وہ مقام ہے جو قبہ مولد النبی ؐ کہلاتا ہے۔ یہ مقام شعب بنی عامر میں واقع ہے۔ پتھریلا راستہ ہے۔ ڈیڑھ میٹر کے قریب بلندی عمین زینہ سے طے کی جاتی ہے اس کے بعد ایک دروازہ تک جو شمالی سمت میں کھلتا ہے' رسائی ہوتی ہے پھر ایک مستطیل صحن آتا ہے جس کا طول ۱۲ میٹر (۱۳ گز) ہے' عرض ۶ میٹر کے قریب ہے۔ اس صحن کی غربی دیوار میں ایک دروازہ ہے جس کے ذریعہ قبہ شریف میں داخل ہوتا ہے جہاں ایک متبرک مقصورہ کے اندر سنگ مرمر کا ایک تختہ نصب ہے جس کے وسط میں کسی قدر گہرائی ہے۔ یہی ولادت گاہ حضور جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ قبہ مبارک اور صحن کی اراضی تقریباً" ۸۰ میٹر ہے۔ ان دونوں کی صورت خیالی سے اس مکان کا خاکہ دماغ میں شکل پذیر ہوتا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ (رسالہ نعت ص ۷۵)

محافل میلاد

جناب راجا رشید محمود صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا یعنی اے محبوب ؐ آپ ؐ فرما دیجئے کہ (لوگ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر ہی خوشی کریں۔ (یونس ۱۰) یعنی مسرت و انبساط کا اظہار تو پہنچتا ہی رحمت خداوندی اور فضل ایزدی پر ہے۔ اور یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت اور فضل مجسم ہوا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہلایا۔ حضور حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء کا وجود باجود سب عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ اللہ کریم جل و علا کا ہم پر فضل عظیم ہے کہ اس نے حضور رسول انام علیہ التحیۃ والسلام کو مسلمانوں کے لئے رؤف و رحیم بنا دیا۔ (التوبہ ۱۲۸) عالمین اور عالمین میں رہنے بسنے والی مخلوق میں سے کسی کو رحمت کی ضرورت ہو یا ایمان کو رفعت اور رحیمی کی حاجت ہو تو کوچہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی میں دریوزہ گری کرنا ہو گی۔ سرکار ؐ کے دروازے ہی پر صدا لگانا ہو گی' وہیں سے رحمت ملے گی۔ پھر جنہیں یہ ارشاد ہوا ہے کہ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منائیں۔ ابتہاج و مسرت کی ہر ممکن صورت کو اختیار کریں۔

وہ اس موقع پر دلی خوشی کا اظہار کیوں نہ کریں جب حضور نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تیرہ و تارہ خاکدان عالم کو منور فرمایا تھا' جب ان کا اس دنیائے آب و گل میں ظہور ہوا تھا جب وہ آمنہ ؓ کی گود میں تشریف لائے تھے۔

خداوند قدوس و کریم نے بندوں کو یہ ہدایت بھی فرمائی کہ اس کی نعمت پر اس کا شکر بھی کریں اور اس نعمت

کا پرچار بھی کریں و اما بنعمۃ ربک فحدث (اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔) (الضحیٰ ۱۱) ہمیں اپنے خالق و مالک جل شانہٗ کی ہر نعمت کا ذکر کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی بہت سی نعمتیں قرآن مجید میں گنوائی بھی ہیں۔ لیکن کسی نعمت کو اگر اپنا احسان کہا ہے تو صرف آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کو۔

اور حضور فخر موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کی پیدائش تو اس وقت ہوئی تھی جب حضرت آدمؑ ابھی ماء و طین کے درمیان تھے' ابھی اس پیکر کو تراشنے کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا ـــــــ جب سرکارؐ کو دنیا میں بھیجا گیا تو مبعوث کیا گیا۔ چنانچہ آقا حضورؐ کی اس دنیا میں تشریف آوری کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان گردانا۔ مالک حقیقی کی نعمتوں کا شمار نہیں' اس کے احسانات بہت ہیں لیکن ایک احسان جو اس نے گنوایا' جس کا باقاعدہ ذکر کیا' وہ اس کے محبوب پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اس دنیا میں تشریف لانا ہے۔ پھر ہمارے لئے یہ ضروری کیوں نہ ہو کہ ہم اس نعمت کا پرچار کریں' اس احسان پر مسرت کا اظہار کریں' اس کرم پر اپنے خالق کے گن گائیں۔

جب یہ بات طے ہو گئی کہ حضورؐ خدا تعالیٰ کی رحمت ہیں اور خدا تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت پر خوشیاں منانے کا حکم فرماتا ہے ـــــــ اور حضورؐ کی تشریف آوری اللہ کا مسلمانوں پر احسان ہے اور انہیں اپنے رب کی نعمتوں کا خوب خوب ذکر کرنے کی ہدایت ہے تو معاملہ صرف یہ رہ جاتا ہے کہ خاص طور سے ایک دن (۱۲ ربیع الاول) کیوں منایا جائے' کسی خاص دن تک خوشی اور ذکر کو محدود کرنا کیوں؟

حقیقت یہ ہے کہ خوشی منانے کا یہ ذکر کسی خاص دن یا مہینے تک محدود نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ جل مجدہ کے حکم سے بین السطور یہی تلقین ہے کہ جب بھی خوشی مناؤ اللہ کے فضل اور رحمت پر مناؤ اور اسے اپنی زندگی کے تمام لمحوں پر پھیلا لو' کہیں محدود نہ کرو۔ لیکن رب کی نعمتوں کے پرچار کا جو حکم ہے اور جس طرح حضورؐ کی بعثت کو اللہ نے اپنا احسان فرمایا ہے' اس سے مترشح ہوتا ہے کہ حضورؐ کی پیدائش کے دن خاص طور پر اللہ کے اس احسان کا ذکر ہونا چاہئے۔ پھر قرآن مجید میں یہ بھی ہے و ذکرھم بایام اللہ (ابراہیم ۵) (اور انہیں اللہ کے دن یاد دلا) یعنی کچھ ایسے دن ہوتے ہیں جو "ایام اللہ" ہوتے ہیں اور انہیں یاد دلانا یا یاد کرنا ضروری ہے اور انبیاء کو اس تلقین کے ساتھ دنیا میں بھیجا جاتا ہے کہ وہ ایسے دنوں کی یاد دلائیں۔ ابن جریر' خازن' مدارک اور مفردات راغب میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت قتادہؓ' حضرت مجاہدؒ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ "ایام اللہ" سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ نے اپنے بندوں پر انعامات فرمائے۔

پھر جس دن مسلمانوں پر اللہ کا احسان ہوا ہو' اللہ کی سب سے بڑی نعمت عطا کی گئی ہو اس کا ذکر بطور خاص کیوں نہ ہو ـــــــ اور وہ خاص طور پر کیوں نہ منایا جائے۔

حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو شنبہ (پیر) کے دن اس دنیا میں ظہور فرمایا۔ ایک سائل نے آپ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں استفسار کیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **ذالک یوم ولدت فیہ** (یہ میرا روز ولادت ہے) اس کا مطلب یہ ہوا کہ آقا حضورؐ نے ہمیں بتا دیا کہ میرے یوم پیدائش کو بھلا نہ دینا' اس دن خوشی کرنا تمہارے لئے ضروری ہے" اس دن اللہ کے اس انعام اور احسان کا خوب خوب ذکر کرنا۔

یہ درست ہے کہ جس بڑے پیمانے پر آج کل عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منائی جاتی ہے اس طرح صحابہ کرام یا تابعین' تبع تابعین کے زمانے میں نہیں منائی گئی بلکہ کئی صدیوں تک اس کا نشان نہیں ملتا۔ علامہ محمد عالم آسیؒ نے اپنے ایک تحقیقی مضمون میں اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود صحابہ کرامؓ کے سامنے تھے' اس وقت تو اس ذکر کی ضرورت نہ تھی اور عہد صحابہؓ میں بھی اتنی فرصت نہ تھی کہ مسائل اتنے' تنازعات محیر العقول اور لڑائیاں معرکتہ الارا تھیں کہ مجالس میلاد جیسے مستحسنات کی طرف متوجہ ہونا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ عہد امامت میں اسلام میں رخنہ اندازی کی کوششیں' علوم جدیدہ اور اقوام عجمیہ کی دخل دہی اور دوسرے مسائل میں جمع احادیث' تدوین مسائل اور جمع روایات پر جو توجہ دی گئی ہے وہی بڑی بات ہے۔ علامہ آسی لکھتے ہیں "تاریخی نقطہ نگاہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ مجالس میلاد یا مجالس ذکر و شغل کی طرف مسلمانوں کی زیادہ تر توجہ اس وقت ہوئی جبکہ ضروریات اسلام سے فراغت پا کر مسلمان اپنی حکومت اور اسلامی ترقیات سے بہرہ ور ہو کر آرام سے زندگی بسر کرنے لگے اور غیر اقوام کے میل جول نے ان کو اس امر کی طرف مجبور کیا کہ جس طرح وہ لوگ اپنے اسلاف کی یادگاریں قائم کرتے تھے' اس طرح دوش بدوش مسلمان بھی اسلامی شان و شوکت ظاہر کرنے کے لئے مجبور ہو گئے کہ وہ بھی ایام اللہ کے منانے کی کوشش کریں۔ (الفقیہ امرتسر ۲۱ جولائی ۱۹۳۲ء)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس دوران میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم پیدائش کی اہمیت ہمارے اسلاف کے پیش نظر نہیں تھی جب اصحاب رسولؐ نے سرکارؐ کی زبان مبارک سے یہ سنا ہو گا کہ سرکارؐ اس لئے پیر کو روزہ رکھتے ہیں کہ اس دن وہ اس دنیائے آب و گل میں تشریف لائے تھے' تو میلاد سرکارؐ کے بارے میں ان کے دلوں میں کیا کیا خیالات پیدا نہیں ہوئے ہوں گے۔ امام شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "النعمۃ الکبریٰ علی العالم فی مولد سید ولد آدم" (ص ۷) میں محافل میلاد کی اہمیت کے بارے میں خلفائے اربعہ اور بزرگان دین کے اقوال دیئے گئے ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا **من انفق درھما علی قراۃ مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانما شھد غزوۃ بدر و حنین** (جس نے مولد سرکارؐ کے لئے ایک درہم بھی خرچ کیا' گویا اس نے غزوۂ بدر و حنین میں

حاضری کی سعادت پائی)
حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا من انفق درھما علی قراءۃ مولد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کان رفیقی فی الجنۃ
ترجمہ: جس شخص نے حضورؐ کی ولادت کی تقریب میں ایک درہم بھی خرچ کیا وہ جنت میں میرا ساتھی ہو گا۔
حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے من عظم مولد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فقد احی الاسلام جس نے میلاد سرکارؐ کی تعظیم کی ضرور اس نے اسلام کو زندہ کیا۔
سیدنا علی المرتضیٰ کا فرمان ہے من عظم مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کان سبب لقراءۃ لا یخرج من الدنیا الا بالایمان و یدخل الجنۃ بغیر حساب (تعظیم و تکریم کے ساتھ محفل میلاد کا اہتمام کرنے والے کا خاتمہ بخیر ہو گا اور وہ بغیر حساب جنت میں داخل ہو گا۔) (نور الحبیب ص ۹۳)
"تنویر فی مولد السراج المنیر" ص ۵۳۴ پر ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابن عباسؓ ایک دن ایک قوم کے سامنے اپنے گھر میں حضورؐ کے واقعات بیان فرما رہے تھے اور اظہار مسرت کر کے اللہ کا شکر بجا لا رہے تھے۔ ناگاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا' تمہارے واسطے میری شفاعت حلال ہو گئی۔ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حضرت عامر انصاریؓ کے مکان کی طرف سے گزر ہوا۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت عامر اپنے کنبہ والوں اور بیٹوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات ولادت سنا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ یہی دن تھا" (یعنی پیر کا دن جس میں حضورؐ اس عالم دنیا میں رونق افروز ہوئے) آپؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے رحمت کے دروازے کھول دیئے اور سب فرشتے تمہارے واسطے بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔ اور جو شخص بھی تمہارے جیسا کام کرے گا نجات پائے گا۔
امام ابن حجر ہیتمی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن بصریؓ نے فرمایا کہ "اگر میرے پاس احد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میں اسے بھی میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نذر کر دیتا۔" (نور الحبیب ص ۵۰) انہوں نے اس ضمن میں حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولود کی تقریب میں قدر و عزت سے حاضری دی' ضرور وہ اپنے ایمان میں کامیاب نکلا۔" (نور الحبیب ص ۵۰) اسی طرح حضرت معروف کرخی قدس سرہ العزیز نے فرمایا "جس شخص نے میلاد النبیؐ کی تعظیم کے لئے لوگوں کو جمع کیا' کھانا کھلایا' چراغاں کیا' نئے کپڑے زیب تن کئے اور خوشبو لگائی' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ! اسے نبیوں کی رفاقت عطا کرے گا اور اس کا مقام اعلیٰ علیین ہو گا۔" (نور الحبیب

امام احمد بن محمد القسطلانی، شارح بخاری، امام جزری کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ "اہل اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے مہینے میں ہمیشہ سے میلاد کی محفلیں منعقد کرتے چلے آئے ہیں اور خوشی کے ساتھ کھانے پکاتے اور دعوتیں کرتے اور ان راتوں میں قسم قسم کے صدقے دیتے اور خیرات کرتے اور خوشی و مسرت کا اظہار کرتے اور نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور آپؐ کا میلاد پڑھنے کا خاص اہتمام کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ کے فضل عمیم اور برکتوں کا ظہور ہوتا ہے اور میلاد شریف کے خواص سے آزمایا گیا ہے کہ جس سال میلاد شریف پڑھا جاتا ہے وہ سال مسلمانوں کے لئے حفظ و امان کا سال ہوتا ہے اور میلاد منانے سے دلی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر بہت رحمتیں فرمائے جس نے ولادت کی مبارک راتوں کو خوشی و مسرت کی عیدیں بنا لیا۔" (شرح زرقانی ص ۱۳۰)

"تفسیر روح البیان" میں سورۂ فتح کی آیہ کریمہ "محمد رسول اللہ ------ " کے تحت لکھا ہے۔ "ابن حجر الہیتمیؒ فرماتے ہیں کہ بدعت حسنہ کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلاد شریف کرنا اور اس میں لوگوں کا جمع ہونا بھی اس طرح بدعت حسنہ ہے۔ سخاویؒ نے فرمایا کہ میلاد شریف تینوں زمانوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ بعد میں ایجاد ہوا اور طرح طرح کے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پڑھنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ اس محفل مقدس کی برکتوں سے ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوتا ہے۔ امام جوزیؒ فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی یہ تاثیر ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن رہتا ہے اور حصول مراد کی خوشخبری حاصل ہوتی ہے۔ (حسن المقصد ص ۲۳)

حضرت ابن حجر ہیتمیؒ کی کتاب "النعمۃ الکبریٰ علی العالم فی مولد سید ولد آدم" کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ امام المحدثین ابن جوزیؒ چھٹی صدی کے حنبلی مذہب کے مشہور محدث ہیں، حضرت غوث الاعظمؒ کے ہم عصر ہیں۔ اپنی کتاب مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لکھتے ہیں "عرب کے شرق و غرب، مصر و شام اور تمام آبادی، اہل اسلام میں، بالخصوص حرمین شریفین میں مولد النبیؐ کی مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ ماہ ربیع الاول کا ہلال دیکھتے ہیں خوشیاں کرتے ہیں، قیمتی کپڑے پہنتے ہیں، قسم قسم کی زینت کا اظہار کرتے ہیں، خوشبو اور سرمہ لگاتے ہیں ------ اور اس کے عوض میں خدا کی طرف سے بڑی کامیابی اور خیر و برکت حاصل کرتے ہیں۔" (الفقیہ ص ۲۳) امام ابن جوزی کی کتاب "مولد العروس" کا اردو ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر شریف احمد صاحبزادہ نے "میلاد رسول" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان میں، عقیدت کے جذبات کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

علامہ اسمٰعیل بن عمر ابن کثیرؒ (صاحب تفسیر ابن کثیر) کے مولود نامہ "مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا قلمی نسخہ امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی کی لائبریری سے ڈاکٹر صلاح الدین منجد کو ملا، اس کے تیسرے ایڈیشن مطبوعہ دار الکتاب الجدید، بیروت لبنان (۱۹۷۷ء) کا اردو ترجمہ مولانا افتخار احمد قادری نے کیا اور

۱۹۸۵ء میں لاہور سے چھپا۔
ملا علی قاری' مورد الروی کے دیباچے میں فرماتے ہیں "ہمیشہ سے اہل اسلام ہر سال محفل میلاد منعقد کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد خوانی کرتے ہیں جس کی برکت سے ان پر فضل خداوندی کی بارش ہوتی ہے۔" (حسن المقصد ص ۲۳)
شیخ الاسلام ابن حجر ہیتمیؒ نے امام فخرالدین رازیؒ کے میلاد سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق کئی اقوال نقل فرمائے ہیں اور کھانے پینے کی مختلف اشیاء پر میلاد پاک پڑھنے کی برکات کا ذکر فرمایا ہے انہوں نے امام شافعیؒ کا یہ بھی ارشاد نقل کیا ہے کہ "جو شخص محفل میلاد کا اہتمام و انصرام کرے' لوگوں کو جمع کرے' کھانا تیار کرائے اور اچھے کام کرے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے صدیقین' صالحین اور شہداء کے ساتھ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے گا۔ (نور الحبیب ص ۹۶)
حضرت سری سقطی قدس سرہ کا فرمان ہے "جس شخص نے محفل میلاد میں شرکت کا ارادہ کیا' گویا اس نے ریاض الجنۃ کا قصد کیا کیونکہ محفل میلاد میں شرکت کا سبب محبت رسولؐ ہے اور آنحضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ "میرے ساتھ محبت کرنے والا جنت میں میرا ساتھی ہو گا۔" (نور الحبیب ص ۹۶)
شیخ احمد بن خطیب عسقلانیؒ "مواہب الدنیہ" میں فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے جمعہ میں ایک ایسی گھڑی صرف اس لئے رکھی ہے کہ اس میں ہر دعا قبول ہوتی ہے ------ کہ جمعہ میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور پیر جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یوم ولادت ہے' اس کی شان کیا ہو گی۔" (اثبات المولد و القیام ص ۲۵)
شاہ احمد سعید مجددی نے امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن اسمٰعیلؒ کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ "ہمارے زمانے کا بہترین نیا کام ہر سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن صدقات' خیرات کرنا' زیب و زینت اور مسرت کا اظہار ہے۔ کیونکہ اس میں فقراء پر احسان بھی ہے اور محفل میلاد کرنے والے کے دل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور تعظیم و تکریم کی علامت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا شکر ہے کہ اس نے تمام جہانوں کے لئے باعث رحمت اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمایا۔" (اثبات المولد و القیام ص ۲۶)
امام جلال الدین سیوطیؒ نے میلاد شریف کی تاریخی و شرعی حیثیت پر ایک کتاب لکھی **"حسن المقصد فی عمل المولد"** اس کا اردو ترجمہ پروفیسر محمد طفیل سالک نے کیا ہے اور لاہور کے کتب فروشوں سے دستیاب ہے۔ اس کتاب میں شیخ تاج الدین عمر بن علی فاکہانی اور ابو عبداللہ بن الحاج کے میلاد شریف پر اعتراضات کا جواب دیا ہے اور امام شمس الدین ابن الجزریؒ کے مولود نامے **"عرف التعریف بالمولد الشریف"** کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے حافظ دمشقی کے تین شعر بھی نقل کئے ہیں جن میں ابولہب کے اپنی

لونڈی ثوبیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کی خوشی میں آزاد کرنے کے نتیجے میں اس کے عذاب کی تخفیف کا ذکر ہے۔ آخری شعر میں وہ کہتے ہیں کہ اگر حدیث کی رو سے ہر پیر کو اس کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے تو اس بندۂ مومن کے بارے میں کیا خیال ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی مناتا رہا۔ (حسن المقاصد ص ۶۴)

امام محمد طاہرؒ نے اپنی کتاب "مجمع البحار" ربیع الاول میں مکمل کر لی تو کتاب کے آخر میں لکھا "خدا کے فضل و توفیق سے کتاب کا آخری ثلث ماہ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کی رات کو پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔" یہ خوشی و کامرانی کا مہینہ ہے اور انوار و رحمت کا سرچشمہ ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہر سال اس موقع پر اظہار مسرت کیا کریں۔ (التقیہ ص ۲۷)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "۱۲ ربیع الاول کو ہم نے نیاز نبویؐ کے لئے قسم قسم کے کھانے پکانے اور ایک محفل مسرت قائم کرنے کو کہا۔ (مکتوبات جلد ۳ ص ۲۷) مکتوب میں آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں کہ "اچھی آواز کے ساتھ قرآن' قصیدے' نعت شریف اور فضائل بیان کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ (مکتوبات ص ۲۷)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں میلاد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولد شریف میں حاضر ہوا' لوگ آپ پر درود پڑھتے اور آپ کی ولادت کا ذکر کرتے تھے اور ان معجزات کا ذکر کرتے تھے جو آپ کی ولادت کے وقت ظاہر ہوئے میں نے دیکھا کہ یکبارگی کچھ انوار اس مجلس سے بلند ہوئے۔ میں نے ان انوار میں تامل کیا تو معلوم ہوا کہ ان ملائکہ کے انوار ہیں جو ایسی متبرک محافل میں حاضر ہونے پر مقرر ہیں۔ میں نے دیکھا کہ انوار مقدسہ اور انوار رحمت آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ (فیوض الحرمین ص ۲۷)

در الثمین میں ہے' شاہ ولی اللہ" فرماتے ہیں "میرے والد ماجد نے مجھے بتایا کہ میں میلاد کے دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں کھانا پکواتا تھا۔ ایک سال بھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ میسر نہ آیا تو وہی لوگوں میں تقسیم کر دیئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ بھنے ہوئے چنے آپ کے روبرو پڑے ہیں اور بہت ہی مسرور و خوش ہیں۔" (در الثمین ص ۸)

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کے مکان پر سال میں دو مجلسیں' ایک ذکر وفات' دوسری شہادت حسنینؓ کی ہوتی ہیں۔ سینکڑوں آدمی جمع ہوتے ہیں' درود شریف اور قرآن شریف پڑھا جاتا ہے' وعظ ہوتا ہے' پھر سلام پڑھا جاتا ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ جلد ۱ ص ۸)

شیخ محمد رضا (قاہرہ) نے اپنی تالیف "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" میں لکھا۔ امام ابوشامہ شیخ نووی "فرماتے ہیں کہ ہمارے دور کا نیا مگر بہترین اختراع آنحضرتؐ کے یوم ولادت کا جشن منانے کا عمل ہے جس

میں اس مبارک خوشی کی مناسبت سے صدقہ خیرات محفلوں کی زیبائش و آرائش اور اظہار مسرت کیا جاتا ہے۔ یہ مبارک تقریبات فقراء سے حسن سلوک کے علاوہ امیتوں کی آنحضرتؐ سے والہانہ عقیدت و محبت اور اہل محفل کے دل میں آپ کی فضیلت و عظمت کی پختگی اور آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجنے والے کے قلبی شکر و امتنان کا احساس دلاتی ہیں۔ (محمد رسول اللہ ص ۳۲)

محافل میلاد کا آغاز

سید سلیمان ندوی ربیع الاول کی شان بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ "یہ وہ مہینہ ہے جو ہماری قابل عزت تاریخ کا دیباچہ ہے اور ہمارے روشن دنوں کی صبح ہے۔ خدا اس بندے پر اپنی رحمت نازل کرے جس نے اس مہینے کو ولادت نبوی کی یادگار اور مجلس میلاد کا زمانہ بنایا ہے۔ ملک معظم مظفر الدین پہلا شخص ہے جس نے مجلس میلاد قائم کی۔ (شمس الاسلام جنوری ۱۹۸۲ء)

ملک مظفر الدین کاکبوری ۵۴۹ھ میں پیدا ہوا تھا لیکن حسن مثنیٰ ندوی لکھتے ہیں کہ سرکاری مجلس مولود سلطان ملک شاہ سلجوقی نے ۴۸۵ھ میں بغداد میں منعقد کی تھی۔ (سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر ص ۴۵۴)

امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کا رواج تین صدی بعد ہوا ہے اس کے بعد سے تمام ممالک امصار میں مسلمانان عالم عید میلاد النبیؐ مناتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ ان دنوں میں خیرات و صدقات کرتے اور عید میلاد النبی کی مجالس منعقد کرتے ہیں جن کی برکتوں سے ان پر اللہ تعالیٰ کا عام فضل و کرم ہوتا ہے۔ (محمد رسول اللہ ص ۳۳)

سرکاری مجلس میلاد شاید سب سے پہلے شاہ سلجوقی نے منائی لیکن ملک مظفر الدین شاہ اربل جس محبت و عقیدت کے ساتھ ہر سال مجالس میلاد کا اہتمام کرتا تھا اور اسی کے زیر اثر **التنویر فی المولد السراج المنیر** جیسی معرکۃ الاراء کتاب لکھی گئی۔ اسی کے پیش نظر امام سیوطیؒ اور علامہ سید سلیمان ندوی نے اس کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔

"انوار ساطعہ" میں ہے کہ ۷۸۵ھ میں مصر کے شہنشاہ نے محفل میلاد کے اہتمام کے لئے دس ہزار مثقال سونا خرچ کیا۔ شیخ محمد رضا (مصر) لکھتے ہیں "سلطان ابو حمو موسیٰ شاہ تلمسان بھی عید میلاد النبی کا عظیم الشان جشن منایا کرتے تھے جیسا کہ ان کے زمانے میں اور ان سے قبل مغرب اقصیٰ و اندلس کے سلاطین بھی منایا کرتے تھے۔ (محمد رسول اللہ ص ۳۳)

مولانا حسن مثنیٰ ندوی سلطان ملک شاہ سلجوقی کی مجلس مولود کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "یہ ایک سرکاری اہتمام کی مجلس تھی، اس لئے تاریخ کے صفحات میں اس کو جگہ ملی۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ

سمجھا کہ مجالس میلاد اور تذکار رسولؐ مقبول کا آغاز یہیں سے ہوا۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ یہ کہنا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ عید میلاد النبیؐ کا آغاز قیام پاکستان کے بعد ہوا۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ قیام پاکستان سے پہلے مجالس میلاد النبیؐ کتنے اہتمام سے منعقد کی جاتی تھی۔ ماہ مبارک ربیع الاول کی چھوٹی بڑی مجلسیں تو الگ رہیں۔ یہ حال تھا کہ موقع مسرت کا ہو یا غم کا، مسلمان تذکار رسولؐ ہی کے دامن کا سہارا لیتے تھے۔ کوئی اپنا مکان بنا کر تیار کرتا تھا تو اس کا افتتاح بھی مجلس میلاد ہی سے ہوتا تھا۔ مسلمان اس کو ہمیشہ موجب برکت و سعادت سمجھتے رہے۔ دوسرے فیوض جو اس سے حاصل ہوتے تھے وہ علیحدہ ہیں۔ (سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر ص ۲۵۶)

واقعہ یہ ہے کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا میں ظہور پذیر ہونے کا ذکر کسی نہ کسی طریق سے ہمیشہ ہوتا رہا۔ جب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود پیر کو روزہ رکھنے کی وجہ بتائی کہ آپ اس دن اس دنیائے آب و گل میں تشریف لائے تھے' جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے میلاد کے ذکر خیر کی فضیلت بیان کی' جب حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک قوم کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا ذکر فرما کر اللہ کا شکر ادا کرتے رہے تو مجالس میلاد کے جواز میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ ہاں یہ درست ہے کہ جس شان و شوکت سے آج کل یہ دن منایا جاتا ہے پہلے اتنی شان و شوکت سے نہیں منایا جاتا تھا۔ اس کی وجہ آغاز میں عرض کی جا چکی ہے علامہ محمد عالم آسی لکھتے ہیں:

"یوں تو تخم ریزی کے طور پر یہ عید عہد صحابہ میں ہی منائی جاتی تھی مگر اس شان وشوکت اور زیب و زینت سے نہیں جیسا کہ آج کل ملک مصر میں شاہ مصر اور اہل مصر مناتے ہیں۔ کیونکہ عہد صحابہؓ میں تمام کام بالکل سادہ نمونہ پر تھے۔ یہاں تک کہ قرآن شریف پر حرکات اور نقاط بھی بہت کم تھے۔ تو جس طرح قرآن شریف پر بعد میں اور خصوصاً" آج کل رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں ان کا دسواں حصہ بھی اس وقت موجود نہ تھا۔ اسی طرح عید میلاد النبیؐ پر ایثار اور اخلاص کے آثار جس قدر تمدن اور فارغ البالی ہوتی گئی' اسی قدر نمودار ہوتے گئے۔ (الفقیہ میلاد نمبر ص ۶)

ہفت روزہ "اہل حدیث" لاہور میں مولانا حکیم عبدالرحمٰن خلیق امرتسری نے اپنے ایک مضمون میں تقاریب عید میلاد کے سلسلے میں لکھا "اس تقریب کا انعقاد کوئی نئی دریافت نہیں تھی بلکہ ہمارے بعض مورخین نے چند صدیاں قبل موصل وغیرہ کے دیار و امصار میں وہاں کے بعض سلاطین و عمائدین سلطنت کے اہتمام میں اس کے منائے جانے کا ذکر کیا ہے۔ (شمس الاسلام جنوری ۱۹۸۸ء)

جن باقاعدہ مجالس میلاد کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے' ان میں ۴۸۵ھ میں ملک شاہ سلجوقی کے زیر اہتمام بغداد میں ہونے والی مجلس کے بعد' ملک مظفرالدین کاکبوری کا اس سلسلے میں خاص اہتمام نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر صلاح الدین منجد ابن خلکان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "مظفرالدین جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم اتنے عظیم پیمانے پر منایا کرتے تھے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اندازے کے مطابق یہ جشن جامع مظفری (سرزمین دمشق پر حنابلہ کی بہت بڑی مسجد جو مظفر الدین نے تعمیر کروائی تھی) میں ہوتا رہا ہو گا۔" (دیباچہ میلاد مصطفیٰ از علامہ ابن کثیر ص ۷)

امام جلال الدین سیوطیؒ نے سبط ابن الجوزی کی "مراۃ الزمان" کے حوالے سے لکھا ہے کہ "سلطان مظفر (کاکبوری والئی اربل) کے ہاں میلاد شریف میں شریک ہونے والے ایک شخص نے بیان کیا کہ اس نے خود شمار کیا کہ شاہی دستر خوان میں پانچ سو خستہ بکریاں' دس ہزار مرغیاں' ایک لاکھ آبخورے اور تیس ہزار ٹوکرے شیریں پھلوں کے لدے پڑے تھے ـــــــ میلاد شریف کی تقریب پر' سلطان کے ہاں بڑے بڑے جید علماء اور جلیل القدر صوفیہ آتے تھے جنہیں وہ خلعت و اکرام شاہی سے نوازتا تھا۔ صوفیہ کے لئے ظہر سے لے کر فجر تک محفل سماع ہوتی جس میں وہ بنفس نفیس شریک ہوتا۔ ہر سال میلاد شریف پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا ـــــــ اس کی بیوی ربیعہ خاتون بنت ایوب' جو سلطان ناصر کی ہمشیرہ تھی بیان کرتی ہے کہ اس کی قمیص موٹے کرباس (کھدر کی قسم کے کپڑے) کی ہوتی تھی جو پانچ درہم سے زیادہ لاگت کی نہیں ہوتی تھی۔ کہتی ہے ایک بار میں نے اس سلسلے میں انہیں ٹوکا تو انہوں نے کہا' میرے لئے پانچ درہم کا کپڑا پہن کر باقی صدقہ و خیرات کر دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ میں قیمتی کپڑے پہنا کروں اور کسی فقیر اور مسکین کو خیرباد کہہ دوں۔" (حسن المقصد ص ۴۲)

علامہ سید سلیمان ندوی نے محفل میلاد کے سلسلے میں سلطان مظفر الدین کے حسن عقیدت کو مزید تفصیل سے بیان کیا ہے۔ "محرم سے اوائل ربیع الاول تک لوگوں (علما' صوفیہ' واعظین' حفاظ' شعرا ـــــــ) کے آنے کا سلسلہ قائم رہتا تھا اور مظفر الدین کاکبوری لکڑی کے قبے اور خیمے قائم کرتا تھا۔ ہر قبہ چار منزلہ پانچ منزلہ ہوتا تھا ـــــــ جب صفر کی پہلی ہوتی تھی تو ان قبوں اور خیموں میں آرائش ہونی شروع ہوتی تھی۔ یہ قبے قلعے کے دروازے سے لے کر خانقاہ کے دروازے تک جو میدان کے قریب تھا' کھڑے رہتے تھے۔ مظفر الدین ہر روز عصر کے بعد یہاں آتا تھا اور ایک ایک قبہ پر کھڑا ہو کر گانا سنتا تھا اور سیر کرتا تھا اور خانقاہ میں رات گزارتا تھا اور اس میں بزم سماع منعقد کرتا تھا۔ نماز صبح کے بعد سوار ہو کر شکار کو نکلتا تھا۔ دوپہر کے قریب شکار سے قلعے میں واپس آتا تھا اور اسی طرح ہر روز' شب ولادت تک کرتا تھا۔ مجلس میلاد ایک سال ربیع الاول کی آٹھویں کو کرتا تھا اور ایک سال بارہویں کو۔ جب شب ولادت کے دو دن باقی رہ جاتے تھے تو بے انتہا اونٹ' گائیں' یا بھیڑ بکریاں نکالتا تھا اور ان کو باجے گانے کے ساتھ میدان میں لے جاتا تھا۔ پھر ان کو ذبح کر کے قربان کرتے تھے اور ہانڈیوں میں قسم قسم کے کھانے پکاتے تھے۔ جب شب میلاد آتی تھی تو بزم میلاد روشن ہوتی تھی اور ان شمعوں میں دو یا چار بڑی بڑی شمعیں جلوس خاص کی ہوتی تھیں ـــــــ یہاں تک کہ بادشاہ خانقاہ تک پہنچ جاتا تھا۔ اور اسی شب کی صبح کو قلعے سے سب سامان

منگواتا تھا ---- میدان میں ---- محتاجوں کی دعوت ہوتی تھی اور عام دستر خوان جمع ہونے والوں کے لئے بچھتا تھا۔ اس طرح عصر تک رہتا تھا اور پھر رات کو وہیں خانقاہ میں بادشاہ رہتا تھا اور صبح تک سماع ہوتا تھا۔" صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں۔ "(یہ بادشاہ) خود عالم، عادل، صاحب اخلاق حسنہ اور نہایت بزرگ مخلص تھا۔" (نور الحبیب ص ۸۶)

مولود بر ابن وحیہؒ اور ابن کثیرؒ کی کتابیں

مولود شریف کی سب سے پہلی مربوط کتاب سلطان مظفر الدین کے زیر اثر حافظ ابو الخطاب عمر بن حسن بن ابن وحیہ محدث اندلسی نے لکھا۔ ابن خلکان نے ان کے حالات زندگی میں لکھا "وہ جید علماء اور مشاہیر فضلا میں سے تھے۔ مغرب سے شام و عراق آئے۔ راستے میں ۶۰۴ھ میں اربل کے علاقے سے گزرے۔ اس کے حکمران ملک معظم مظفر الدین بن زین الدین کو دیکھا کہ وہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانے کا اہتمام کرتا ہے تو اس کے لئے کتاب "التنویر فی المولد ----" لکھی اور خود اسے پڑھ کر سنائی۔ ہم نے اس کتاب کو سلطان کے ہاں ۶۲۵ھ میں چھ نشستوں میں سنا ہے۔" (حسن المقصد ص ۲۷)

سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ ابن وحیہ اندلسی ۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۳۳ھ میں وفات پائی۔ علم حدیث میں کمال رکھتے تھے۔ نحو، ادب، تاریخ عرب میں ماہر تھے۔ خراسان کو جاتے ہوئے ۶۰۴ھ میں اربل آئے اور وہاں یہ کتاب لکھی۔" (شمس الاسلام جنوری ۱۹۸۲ء ص ۱۲)

یہ بڑی بات ہے کہ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنا مولود نامہ بھی اسی سلطان کے زیر اثر لکھا۔ ڈاکٹر صلاح الدین منجد لکھتے ہیں کہ دمشق میں حنابلہ کی بہت بڑی مسجد، جامع مظفری سلطان مظفر الدین کاکبوری (یا کوکبوری) نے تعمیر کروائی تھی۔ اس مسجد کے موذن شیخ عماد الدین ابوبکر بن بدر الدین حسن نے ابن کثیرؒ سے درخواست کی کہ ایک کتاب "میلاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" پر لکھیں اور پھر ان کی درخواست پر یہ کتاب لکھی گئی۔ (دیباچہ میلاد مصطفیٰ ص ۷) (رسالہ نعت ص ۴۲)

میلاد شریف کا معنیٰ و مطلب

جناب محمد بن علوی المالکی حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف کے صفحہ ۶ سطر ۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) ہم میلاد شریف کے متعلق اس امر کے قائل ہیں کہ اس سے ہمارا مقصد حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ بیان کرنے کی سعادت حاصل کرنا، آپ کی بارگاہ اقدس میں صلوٰۃ و سلام پیش کرنا،

حضور کے محامد و اوصاف عالیہ سننا' کھانا کھلانا اور حضور کی امت کے دلوں کو خوش کرنا ہے۔
(۲) دوسری بات یہ ہے کہ ہم اس امر کے قائل نہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد شرف اسی مخصوص رات ہی میں مسنون ہے بلکہ اگر اس طرح کا اعتقاد رکھنے والا گویا دین متین میں نئی چیز ایجاد کرتا ہے۔
کیونکہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک کرنا اور آپ کی ذات اقدس سے تعلق ہر لمحہ اور ہر سیکنڈ رکھنا واجب ہے۔ نیز حضورؐ کے ذکر اور آپ کی ذات سے تعلق سے تمام انسانوں کو معمور ہونا چاہئے۔
ہاں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے ماہ مقدس میں میلاد شریف منعقد کرنے والا لوگوں کو ترغیب محبت مصطفیٰ کی طرف راغب کرنے' میلاد شریف کے مبارک محافل میں جمع کرنے اور ان کے فیاض شعور کو بیدار کرنے کے لحاظ سے قوی و مضبوط تر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس طرح بعض زمانے کے ایک حصے کی کڑیاں دوسرے حصے سے ملاتا ہے' چنانچہ ماہ ربیع الاول شریف میں حضورؐ کے غلام زمانہ حاضر سے ماضی یاد کرتے اور حاضر سے غائب کی طرف منتقل و متوجہ ہوتے ہیں۔

حضورؐ کی میلاد پاک منعقد کرنا تبلیغ دین کا بہترین ذریعہ ہے

تیسری بات یہ کہ میلاد النبیؐ ایسے اجتماعات دعوت الی اللہ کی جانب بہت بڑا اور عظیم وسیلہ و ذریعہ ہیں۔ یہ ایسا سنہری و قیمتی موقع و فرصت ہے جس کو ضائع نہیں ہونا چاہئے' بلکہ دعوت الی اللہ کے داعیوں' علماء پر واجب ہے کہ وہ امت کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق' آداب' احوال اور سیرت طیبہ' معاملات اور عبادت سے روشناس کرائیں نیز یہ کہ داعی اور علماء حضرات انہیں پند و نصیحت کریں اور خیرو فلاح کی طرف راہنمائی کریں اور بلاء' بدعتوں' شرو فتنوں سے ڈرائیں اور ہم ہمیشہ اللہ کے فضل و کرم سے اس کی دعوت دیتے رہیں گے اور اس میں شریک و شامل رہیں گے اور لوگوں کو علانیہ یہ کہتے ہیں۔

لیس المقصود من هذه الاجتماعات مجرد الا جتماعات و المظاهر بل ان هذه وسیله شریفته الی غایته شریفته و هی کذا و کذا' و من لهم یستفد شیاء لدینه فهو محروم من خیرات المولد الشریف

اس قسم کے اجتماعات سے مقصود صرف اجتماعات اور ظاہری نہیں ہوتا بلکہ یہ عظیم ترین مقاصد کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اور وہ فلاں فلاں ہے اور جس شخص نے اپنے دین اور ایمان کی خاطر کسی طرح کا کوئی استفادہ نہ کیا تو وہ میلاد شریف کی برکات اور خیرات سے محروم ہے۔

حضورؐ کی ذات اقدس کی میلاد کی محافل کے انعقاد پر دلائل

دلیل اول

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد شریف کی محفل برپا کرنے کا مطلب حضورؐ کی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوشی و سرور و فرحت حاصل کرنا ہے اس طرح خوشی و مسرت کا اظہار کرنے سے ایک کافر نے فائدہ اٹھایا۔

چنانچہ بخاری شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ ابو لہب سے ہر سوموار کے دن اپنی لونڈی ثویبہ کو میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی میں آزاد کرنے کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ثویبہ نے ابو لہب کو ولادت پاک کی خوشخبری سنائی اس موضوع پر حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی نے کہا ہے۔

اذا کان هذا کافرا جاء ذمه تبت یداه فی الجحیم مخلدا اتی انه فی یوم الاثنین دائما یخفف عنه للسرور باحمدا فما الظن بالعبد الذی کان عمره باحمد مسرورا و مات موحدا

جب یہ کافر ہے اور اس کی مذمت میں تبت یدا نازل ہوئی یہ شخص دوزخ میں ہمیشہ رہے گا تو یہ مستند روایت ہے کہ ابولہب سے ہمیشہ سوموار کے دن حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد کی خوشی منانے سے تخفیف ہو جاتی ہے' ایسے شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو ساری عمر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد سے خوش و مسرور ہوتا رہا اور موحد فوت ہوا۔

دلیل دوم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی میلاد شریف کے دن کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر اسے بہت بڑا اور عظیم واقعہ قرار دیتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے لئے بہت بڑا انعام اور اکرام و نعمت ہے' نیز اس لئے کہ تمام کائنات پر آپ کے وجود مسعود کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ کائنات کی ہر چیز آپ کے وسیلہ عظمیٰ سے خوش بخت و خوش قسمت قرار پائی۔ اس تعظیم و اہمیت کو آپ کے روزے سے تعبیر فرماتے جیسا کہ حضرت قتادہؓ سے مروی حدیث شریف میں آیا ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سئل عن صوم یوم الاثنین؟ فقال فیه ولدت و فیه انزل علی روا ه

الامام مسلم فی الصحیح فی کتاب الصیام

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے سوموار کے روزہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں سوموار کو پیدا ہوا اور سوموار کے دن ہی مجھ پر وحی نازل ہوئی۔

یہ گویا محفل میلاد کے انعقاد کے متعلق صریح اور واضح ہے تاہم اس کی صورت مختلف ہے لیکن معنی موجود ہے۔ خواہ یہ روزہ رکھنے سے ہو یا کھانا کھلانے سے ہو یا ذکر اجتماع سے ہو یا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے سے ہو یا آپ کے شمائل و خصائل شرفہ سننے سے ہو۔

دلیل ثالث

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرامی قدر ذات اقدس سے خوش و مسرور ہونا قرآن مجید فرقان حمید کے حکم سے مطلوب و مقصود ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا

آپ فرمادیجئے اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت پر ہی خوشی و فرحت مناؤ۔

مذکورہ ارشاد ربانی میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے رحمت پر خوش ہونے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

دلیل رابع

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس اہم دینی واقعات کے سابقہ و گذشتہ امور کے زمانے کے ساتھ ارتباط و تعلق کو ملحوظ نظر رکھتے' چنانچہ جب کسی اہم واقعہ کا زمانہ آتا تو یہ ہمارے اذہان میں اس کو تازہ کرنے اس دن کی تعظیم و تکریم اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے اور اس کے زمانہ و وقت کی وجہ سے ہمارے یاد کرنے کی فرصت کا وقت ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس قاعدے کی اساس و بناد رکھی جیسا کہ حدیث پاک میں مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں آپ نے یہودیوں کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے ملاحظہ فرمایا تو آپ نے اس روزہ کا سبب دریافت فرمایا تو آپ کی

خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کہ یہودی عاشورہ کا روزہ اس لئے رکھتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی کو نجات اور دشمن کو غرق کیا چنانچہ اسی خوشی و نعمت کی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی خاطر یہودی عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہمیں سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس کے بارے میں تم سے بدرجہ اولیٰ اس کے حقدار ہیں' چنانچہ اس روز کا روزہ آپ نے خود بھی رکھا اور اس کا حکم بھی ارشاد فرمایا۔

دلیل خامس

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں محفل میلاد نہیں تھی پس اگرچہ یہ بدعت ہے ادلہ شرعیہ اور قواعد کلیہ کے تحت مندرج ہونے کے باعث یہ بدعت حسنہ ہے جس اپنی اجتماعی ہیئت کے اعتبار سے یہ بدعت ہے انفرادی حیثیت سے نہیں کیونکہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محفل میلاد کی انفرادی حیثیت و ہیئت موجود ہے' انشاء اللہ ہم اس کی تطبیق و تشریح آئندہ صفحات میں کریں گے۔

دلیل سادس

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد شریف کی محفل صلوٰۃ و سلام پر برا نگیختہ کرتی ہے اور صلوٰۃ و سلام عین مطلوب ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے فرشتے غیب کی خبریں دینے والے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجو۔

اور جو چیز مطلوب شرعی پر برا نگیختہ کرتی ہے وہ عین مطلوب و مقصود شریعت ہے۔ حضور پر صلوٰۃ و سلام کے فوائد و منافع نیہ **لا تعد و لا تحصیٰ** ہیں' درود سلام سے حضورؐ کی دینی و دنیوی امداد و نصرت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ بیان و تفصیل کے میدان میں ان منافع و امداد کا محاصرہ اور آثار و مظاہر انوار کا احاطہ کرنے کے لئے قلم عاجز و ناکام ہو جاتی ہے۔

دلیل سابع

حضور پرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی میلاد شریف کی محفل آپ کی ولادت با سعادت کے واقعات' معجزات' آپ کی سیرت طیبہ اور آپ کی تعریف و نعت پر مشتمل ہوتی ہے۔ کیا ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معرفت کا حکم نہیں دیا؟ کیا ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ ہم سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اعمال کی تسلی و تشفی حاصل کریں؟ آپ کے معجزات پر ایمان لائیں۔ آپ کی نبوت جملہ نشانیوں کی تصدیق کریں؟ چنانچہ حق یہ ہے کہ میلاد شریف کی کتب اس مطالبہ و مقصد کو کماحقہ پورا کرتی ہیں۔

دلیل ثامن

امت پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حقوق جو ہم پر واجب ہیں اور ہم اس واجب کو آپ کے اوصاف کاملہ اخلاق فاضلہ کے بیان سے چکا سکتے ہیں' یہ واجب اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ ہم محفل میلاد پاک کے ذریعے ان اوصاف و اخلاق کو اجاگر کرنے کی سعی کریں۔

چنانچہ شعراء کرام حضور کی بارگاہ عالی میں آپ کی نعت اور قصائد کے تحائف پیش کرتے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شعراء کرام کے اس فعل کو پسندیدگی اور محبت کی نگاہوں سے دیکھتے بلکہ نعت اور قصائد کہنے والے شعراء کو آپ انتہائی پاکیزہ انعام و اکرام اور دعاؤں کا صلہ بھی عطا فرماتے۔ جب حضورؐ اپنی مدح کرنے والے سے خوش ہوتے ہیں تو آپ اس شخص سے کیوں نہ خوش و مسرور ہوں گے جس نے آپ کے شمائل شریفہ کو مجتمع و یکجا کر دیا۔ چنانچہ (محفل میلاد کے منعقد کرنے میں) حضور پرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت اور آپ کی رضامندی و خوشنودی حاصل کرنے کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

دلیل تاسع

حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شمائل شریف معجزات اور کمالات آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پورا پورا ایمان لانے کے مقتضی ہیں نیز یہ کہ آپ کی ذات اقدس سے زیادہ سے زیادہ محبت کی جائے کیونکہ انسان خلق و خلق، علم و عمل' حال و اعتقاد کے اعتبار سے حب جمیل کی طبیعت رکھتا ہے۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اخلاق و شمائل سے افضل' اکمل اور اجمل کسی شخص کے اخلاق و شمائل نہیں۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے زیادہ سے زیادہ محبت آپ سے کامل ایمان شریعت کا تقاضا اور مطلوب ہے اور جو چیز محبت اور کامل ایمان کی طرف دعوت دے وہ بھی اسی طرح مطلوب و مقصود

ہے۔
سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعظیم و تکریم شروع ہے۔ میلاد شریف کے دن کو خوش ہونے اور سرور کا اظہار کرنے، کھانے کی دعوتوں کا انصرام و انتظام اور ذکر کے لئے جمع ہونا قرار پایا جائے فقراء کی تعظیم و تکریم کی جائے۔ تعظیم و تکریم، خوشی و فرحت اور اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر ادا کیا جائے کہ اس کی ذات اقدس نے ہمیں دین قیم پر گامزن ہونے کی توفیق بخشی اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت فرما کر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم پر احسان عظیم فرمایا ہے۔

گیارہویں دلیل

حضور پرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے ارشاد گرامی سے عیاں ہے جس میں یوم جمعہ کی فضیلت اور خوبیوں و محاسن کو بیان فرمایا گیا ہے۔ یوم جمعہ کو سیدنا حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت با سعادت ہوئی چنانچہ اس میں زمانہ کی بزرگی و برتری اس لئے ہے کہ یہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام میں سے کسی ایک نبی کی میلاد کا دن ہے تو اس روز اور دن کو فضیلت، عظمت، بزرگی و برتری کیوں نہ حاصل ہو گی جس میں افضل النبیین، اشرف المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔
یہ تعظیم و تکریم اس دن کے ساتھ بعینہٖ مخصوص نہیں بلکہ یہ اس دن کی خصوصیت اور اس کی نوع و قسم کے لئے عام ہو گی۔ یوم جمعہ کی فضیلت کی طرح یہ مکرر ہو گا تاکہ نعمت عظمیٰ کا شکر ادا ہو سکے اور نبوت کے لطف و کرم کا اظہار ہو۔ تاریخی اہمیت کے واقعات کو زندہ و تابندہ کیا جا سکے جو تاریخ انسانی میں انتہائی اہم حیثیت کے حامل اور انسانیت کے مصلح ہیں اور زمانہ کی پیشانی کو درست و ٹھیک کرنے کے لئے اپنا ایک مخصوص مقام رکھتے ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی تاریخ کا انتہائی اہم باب ہے بالکل اسی طرح جیسے اس مکان کی تعظیم و تکریم کی جاتی ہے جس میں سیدنا حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشورہ سے حضورؐ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ کیونکہ بیت لحم میں ایک نبی نے جنم لیا۔ پھر سیدنا حضرت جبرئیلؑ نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کونسی عظیم جگہ پر نماز ادا فرمائی؟ آپ نے فرمایا نہیں تو سیدنا حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا آپ نے بیت لحم میں نماز ادا فرمائی ہے۔ جہاں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

بارہویں دلیل

حضور پرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی میلاد شریف کی محافل کے انعقاد کو علماء اور مسلمانوں نے تمام ممالک

میں مستحسن قرار دیا ہے۔ اور ہر گوشہ کنارہ عالم میں یہ محافل برپا ہوئیں۔ چنانچہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی حدیث موقوف کے قاعدے کے مطابق شرعی طور پر مطلوب و مقصود ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔
مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی ہے اور مسلمان جس امر کو قبیح سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی قبیح و ناپسندیدہ ہے۔

تیرہویں دلیل

میلاد شریف کی محفل ذکر کی مجلس، صدقہ، مدح اور تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عبارت ہے، چنانچہ یہ سنت ہے، اس طرح کے امور شرعاً مطلوب و ممدوح ہیں کیونکہ شرعی طور پر مطلوب و ممدوح افعال کی دلیل میں آثار صحیحہ آئے ہیں اور شریعت نے باقاعدہ اس پر ابرا گیختہ کیا ہے۔

چودھویں دلیل

و کلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک
اور ہم تمام رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات آپ کو اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے آپ ثابت قدم رہیں۔
مذکورہ ارشاد سے یہ عیاں ہے کہ قرآن مجید میں رسولان عظام کے واقعات و قصص بیان فرمانے میں حکمت اور راز یہ تھا کہ اس طرح حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر کو قائم رکھا جائے۔ یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ آج ہم اپنے دلوں کو مستقل و ثابت قدم رکھنے کے زیادہ محتاج ہیں اس طرح کہ ہم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخبار و حالات و واقعات سے آگاہ ہوں چنانچہ آپ کی نسبت ہمیں اس امر کی نسبتاً کہیں زیادہ ضرورت و احتیاج ہے۔

پندرھویں دلیل

ہر وہ چیز بدعت نہیں ہے جس کو سلف صالحین نے انجام نہیں دیا اور جو صدر اول میں موجود نہیں تھیں کہ

وہ بدعت ہے اس کا کرنا حرام ہے اور انکار ضروری و لازمی ہے بلکہ اس امر جدید کو شریعت مطہرہ کے دلائل پر پیش کرنا واجب اور لازمی ہے۔ چنانچہ جو امر مصلحت پر مشتمل ہو وہ واجب ہے جو حرام پر منحصر ہو وہ ناجائز ہے' اگر مکروہ پر مشتمل ہو تو مکروہ اگر مباح پر ہو تو وہ امر مباح اور اگر مندوب پر ہو تو ایسا فعل مندوب ہے اور وسائل کا حکم مقاصد کے حکم کے برابر و مساوی ہے۔

نیز علماء کرام نے بدعت کو پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔

بدعت واجبہ : اہل باطل و گمراہوں کی تردید اور علم نحو پڑھنا واجب ہے۔

بدعت مندوبۃ : پلیں بنانا اور مدارس کی تعمیر' منبروں پر اذان دینا احسان کرنا صدر اول میں یہ نہیں تھا۔

بدعت مکروہ : جیسے مساجد کی تزئین و آرائش اور مصاحف شریفہ کی تزئین و آرائش کرنا۔

بدعت مباح : مثلاً چھلنی استعمال کرنا اور کھانے پینے میں وسعت و توسیع کرنا۔

بدعت حرام : بدعت حرام وہ بدعت ہے جو سنت کے مخالف ایجاد کی گئی ہو اور اس پر شریعت کی دلیل مشتمل نہ ہو نیز یہ مصلحت شرعیہ پر مشتمل نہ ہو۔

سولھویں دلیل

ہر بدعت حرام نہیں اگر اس طرح ہوتا تو حضرت ابوبکر' عمرو و زید رضی اللہ عنہم اجمعین قرآن مجید کی تدوین کو حرام قرار دیتے۔ قراً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے وصال شریف کے وقت قرآن مجید متعدد وضاحت میں لکھا ہوا تھا اس کو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں یکجا کیا گیا۔

نعمت البدعۃ ھذہ یہ بہترین بدعت ہے۔

اور اس طرح ہوتا ہے تو تمام نافع علوم میں تصنیف و تالیف جائز ہوتی۔ نیز ہم پر یہ واجب ہوتا کہ ہم کفار کے ساتھ تیر کمانوں سے مقابلہ کرنے کے مکلف ہوتے اس کے برعکس کفار ہم پر گولیاں برساتے' ڈھال استعمال کرتے' ٹینکوں سے حملہ کرتے' غوطہ خور آبدوزوں سے حملہ کرتے' جنگی جہازوں کے بیڑوں سے تباہی مچاتے۔

نیز اگر اس طرح ہوتا تو میناروں پر اذان دینا حرام ہوتی۔ پلیں تعمیر کرنا' مدارس بنانا' شفا خانے' رفاہی ادارے' یتیموں کے لئے گھر بنانا اور جیلیں بنوانا سب ناجائز ہوتا اسی لئے علماء کرام نے اس حدیث پاک کو جس کے مطابق ہر بدعت ضلالت ہے مقید کرتے ہوئے لکھا کہ اس سے مراد بدعت سیئہ ہے۔

اس تقیید سے اکابر صحابہ کرام تابعین عظام سے وقوع پذیر ہونے والے ایسے واقعات کی جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں رونما نہیں ہوئے۔ تفریع و تفصیل ہو جاتی ہے۔

اور آج ہم نے ایسے بہت سے مسائل ایجاد کر لئے ہیں جنہیں سلف صالحین نے سرانجام نہیں دیا۔ مثلاً لوگوں کا صلوٰۃ تراویح کے بعد رات کے آخری حصہ میں ایک امام کی اقتداء میں صلواۃ تہجد ادا کرنا اور اس میں مصحف شریف ختم کرنا۔ نیز ختم قرآن شریف کی دعا کرنا۔ ستائیسوں کی رات کو صلوٰۃ تسبیح میں امام کا خطبہ دینا اور منادی اعلان کرنے والے کا اس طرح منادی و اعلان کرنا اللہ تعالیٰ' تمہیں ثواب دے نماز تراویح ادا کرنے کے لئے آؤ۔ یہ تمام امور ایسے ہیں جنہیں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرانجام نہیں دیا اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی نے یہ امور کئے ہیں۔ تو کیا میلاد شریف کی محفل کا انعقاد جو ہم کرتے ہیں یہی بدعت ہے؟

سترھویں دلیل

سید حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔ ایسا امر جو نیا نیا ایجاد ہو اور وہ کتاب یا سنت یا اجماع یا کسی منقول کے مخالف ہو تو وہ بدعت سیئہ ہے ہر وہ چیز جو بھلائی اور نیکی سے ایجاد کی گئی ہو اور مذکورہ بالا میں سے کسی ایک کے مخالف نہ ہو تو وہ محمود و پسندیدہ ہے۔

ہم نے تقسیم بدعت کے متعلق اور جو کچھ کہا ہے اس سے امام عزبن عبدالسلام' علامہ نووی' اور ابن الاثیر متفق ہیں۔

اٹھارھویں دلیل

وہ امر جو ادلہ شرعیہ پر مشتمل ہو اور اس امر کے ایجاد کرنے سے شریعت کی مخالفت مقصود نہ ہو' نیز وہ امر ناپسندیدہ وہ منکر پر مشتمل نہ ہو تو وہ دین میں سے ہے۔

متعصب کا یہ کہنا کہ یہ ایسا امر ہے جس کو سلف صالحین نے سرانجام نہیں دیا۔ اس کے لئے یہ امر دلیل نہیں بلکہ یہ عدم دلیل ہے جیسا کہ علم اصول کے ماہر شخص پر یہ عیاں اور واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس نے ہدایت کی بدعت کو سنت فرمایا اور اس طرح کے مستحب و مستند و محبوب فعل کو سرانجام دینے والے کے ساتھ اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا اور اس پر بعد میں آنے والے لوگوں نے عمل کیا تو اس کے لئے اتنا اجر و ثواب لکھا جائے گا جس قدر لوگوں نے اس پر عمل کیا اور عمل کرنے والے کے ثواب و اجر

میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ (ص ۱۸)

بیسویں دلیل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد شریف کی محفل کا انعقاد گویا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک کو زندہ کرنا ہے اور یہ ہمارے نزدیک اسلام میں مشروع و محبوب ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ حج کے اکثر اعمال بلاشبہ پیش آنے والے اہم واقعات کی یادگاریں اور تعریف کئے گئے مقامات کی پسندیدہ و محبوب ادائیں ہیں۔
چنانچہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا، جمرے پھینکنا اور جانور کی قربانی کرنا گذشتہ و سابقہ واقعات و حوادث ہیں مسلمان ان کا ذکر فی الواقع ان کی صورت کی تجدید سے کرتے ہیں۔

اکیسویں دلیل

پچھلے صفحات میں محفل میلاد کے شروع ہونے میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا تھا وہ اس محفل میلاد کے شروع ہونے کے متعلق ہے۔ جس میں منکر اور مذموم افعال نہ ہوں جن کا انکار و ناپسندیدگی واجب ہے لیکن اگر محفل میلاد میں کوئی غیر شرعی فعل اور امر پایا جائے جس کا انکار واجب ہے مثلاً مردوں اور عورتوں کا اختلاط، ناجائز و محرمات کا ارتکاب اور ایسے زیادہ خرچ اسراف جس سے صاحب میلاد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوں تو اس کے ناجائز ہونے میں شک اور ممنوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ اس میں ناجائز و ناپسندیدہ افعال ہیں لیکن اس طرح اس کا ناجائز ہونا عارضی ہوگا ذاتی نہیں جیسا کہ تامل کرنے والے پر یہ امر مخفی و پوشیدہ نہیں۔

میلاد مصطفیٰ کے متعلق ابن تیمیہ کی رائے

ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ بعض لوگوں کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد شریف منعقد کرنے پر ثواب ہوتا ہے اور اسی طرح بعض لوگ جیسے اس کے متعلق کہتے ہیں جیسے عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی میلاد شریف کی خوشی و فرحت کرتا رہا۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے محبت کرنا اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم کرنا تو اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں اس محبت

پر ثواب عطا فرماتا ہے اور اجتناب پر بدعتوں پر نہیں بعد ازاں ابن تیمیہ نے کہا۔
اچھی طرح جان لیجئے کہ بعض ایسے اعمال ہیں جن میں سراسر خیر و بھلائی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ بعض مشروعات پر مشتمل ہوتے ہیں اور اس میں بعض اوقات بدعت کا شر وغیرہ ہوتا ہے تو دین سے کلی طور پر اعراض کی وجہ سے ایسا عمل شر ہوتا ہے جیسے منافقین اور فاسقین کا حال۔
اس مرض و گناہ میں آخری زمانہ کے اکثر امتی مبتلا ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں دو آداب کا ملحوظ خاطر رکھنا لازمی ہے۔
پہلا یہ کہ تمہارا اولین شوق و محبت ظاہرہ باطن کے لحاظ سے تمسک بالسنہ ہے (سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مضبوطی و پختگی سے پکڑنا ہو) یہ آپ کے خاصہ آپ کے علاوہ آپ کے مطیع و فرماں بردار کا بھی خاصہ ہونا چاہئے۔ نیز معروف و نیکی کو پہچانئے اور ناپسندیدہ و مکروہ امور کا انکار کیجئے۔
امر دوم' دوسرا امر یہ کہ آپ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب لوگوں کو حسب امکان دعوت دیں۔ جب آپ دیکھیں کہ کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی دوسرا کام (برائی کرتا ہے اور اس کو ترک نہیں کرتا بلکہ اس سے بھی زیادہ مکروہ و زیادہ گناہ کرتا ہے یا آپ اس امر کی دعوت دیں کہ لوگ واجب ترک نہ کریں' یا مستحب و مندوب کیونکہ اس کا ترک کرنا اس مکروہ فعل سے زیادہ نقصان ہے۔
لیکن جب کسی نئے امر میں کوئی اچھی چیز ہو اور اس کے عوض میں حسب الامکان خیر مشروع ہو کیونکہ عموماً" لوگ کسی چیز کے معاوضے کے بغیر کسی چیز کو نہیں چھوڑتے اور کسی شخص کو اگر کوئی بھلائی اور نیکی چھوڑنی چاہئے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کی مثل یا اس سے بہتر نیکی کی طرف راغب ہو۔
پھر آپؒ نے فرمایا۔
حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میلاد کی تعظیم اور سالانہ محفل میلاد کا انعقاد بعض لوگ کرتے ہیں اور ارادے و نیک نیت سے اس محفل کو منعقد کرنے والے کے حسن قصد کی بدولت اس میں اجر عظیم ہوتا ہے نیز اس میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم ہے جیسا کہ میں نے قبل ازیں بھی بیان کیا ہے کہ بعض لوگ اس کو مستحسن قرار دیتے ہیں اور بعض اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔
اسی لئے جناب امام احمد کی خدمت میں کسی امیر کے بارے میں عرض کیا گیا کہ اس امیرو رئیس نے مصحف شریف پر دینار خرچ کئے ہیں وغیرہ تو آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ جانے دیجئے یہ مصحف شریف میں سونا خرچ کرنے سے افضل ہے۔ امام احمدؒ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ اس کے باوجود حضرت امام ابن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ مصاحف شریف پر نقش و نگار مکروہ ہے۔
اصحاب فقہ میں سے ایک صاحب نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے کہ مذکورہ شخص نے مبلغ ایک ہزار روپیہ مصحف شریف کے اوراق مبارکہ کی تجدید اور لکھائی کو نمایاں و واضح کرنے کے لئے کئے تھے تاہم امام احمدؒ

کا مقصود یہ نہیں بلکہ آپ کا مقصد اور ارادہ یہ ہے کہ اس عمل میں مصلحت بھی ہے اور نقص بھی اسی وجہ آپ نے مصحف شریف کے نقش و نگار کو ناپسند فرمایا۔ (اقتضاء الصراط المستقیم)

میلاد مصطفیٰ کا مفہوم

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل شریف کی کوئی خاص و مخصوص کیفیت نہیں چنانچہ لوگوں کے اس کے اہتمام کرانے اور کرنے کا بندوبست لازمی نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو خیر و بھلائی کی طرف دعوت دیتی ہے اور لوگوں کو ہدایت پر مجتمع کرتی ہے انہیں راہ راست کی رہنمائی و ہدایت کرتی ہے۔ اس طرح کی رہنمائی جس میں لوگوں کے دین و دنیا کی منفعت و فائدہ ہے اس سے میلاد کے مقصود و مطلوب کی تحقیق حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی لئے اگر ہم کسی معاملہ پر مجتمع ہوں جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدائح پر مشتمل ہو ان مدائح میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک ہو آپ کی فضیلت' جہاد اور خصائص ہوں اور ہم موجہ قصہ میلاد بیان نہ کریں جس سے لوگوں نے اصطلاح سمجھ کر یہاں تک خیال کیا کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف قصہ میلاد پر ہی مشتمل و منحصر ہے۔

بعد ازاں ہم واعظین کے مواعظ و ارشادات' قاری کی تلاوت قرآن کو غور سے سنیں تو میرا دعویٰ ہے کہ اگر ہم اتنا ہی کر سکیں تو یہ بھی میلاد پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحت مندرج ہے۔ اور میلاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل کے انعقاد کا معنی اس طرح ثابت و متحقق ہو جاتا ہے۔

اور میرا خیال یہ ہے کہ دو آدمیوں کا اس موضوع پر اختلاف نہیں اور نہ ہی دو افراد اس طرح آپس میں جھگڑتے ہیں۔

محفل میلاد شریف میں قیام کرنا

رہا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد شریف کے ذکر کے وقت قیام کرنا اور اس وقت کا ذکر کرتے ہوئے کھڑے ہونا جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا پر نمودار ہوئے تو بعض لوگ باطل اور غلط گمان رکھتے ہیں جہاں تک میرا علم ہے۔ اہل علم کے نزدیک اس کا کوئی اصل نہیں بلکہ محفل میلاد میں حاضر ہونے والے جہلاء اس طرح خیال کرتے ہیں جو محفل میلاد میں حاضر ہوتے ہیں اور کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ ظن سوء اس طرح ہے کہ اس طرح کی محافل میں لوگ اس طرح کا اعتقاد رکھتے ہوئے کھڑے ہو

جاتے ہیں کہ اس لمحہ و لحظہ میں اس محفل میں حضور اپنے جسد اطہر کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔
بعض لوگوں کا سوء ظن اس طرح زیادہ ہوتا ہے کہ وہ میلاد پاک مصطفیٰ کی محفل میں دھونی دینے والی اشیاء اور خوشبو جلاتے ہیں اور وہ پانی جو مجلس کے وسط و درمیان میں رکھا جاتا ہے اس لئے کہ حضور پرنور اس سے نوش فرمائیں گے۔
اس طرح کے تمام ظنون و گمان کسی مسلمان عاقل کے دل میں نہیں کھٹکتے اور ہم اس طرح کی تمام اشیاء سے بری الذمہ ہیں کیونکہ یہ مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جرأت و جسارت ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد شریف پر ایسا حکم ہے جس کے بارے میں کوئی اعتقاد نہیں رکھتا سوائے ملحد و مفتری شخص کے اور امور برزخ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی جانتا ہے۔
حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند و ارفع اکمل و بزرگ ترین ہے کہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے روضہ اقدس سے باہر تشریف لا کر اپنے جسد اطہر کے ساتھ کسی مجلس میں فلاں فلاں مخصوص وقت تشریف لاتے ہیں میرے نزدیک یہ افتراء ہے محض اس میں ایسی جسارت' ڈھٹائی اور قباحت ہے جو فقط بغض و حسد رکھنے اور جاہل شخص سے ہی سے صادر ہو سکتی ہے۔

حضور پرنورؐ کی حیات برزخیہ

ہاں مگر ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکمل حیات برزخیہ حاصل ہے جو آپ کے مقام و مرتبہ کے لائق اور مناسب ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ملکوت میں آپ کی روح مبارکہ گردش و سیر کرنے والی ہے اور اس امر کا امکان ہے کہ آپ کی روح اقدس مجالس خیر اور نور و علم کے مواقع و مقاصد میں تشریف لائے۔ اسی طرح آپ کے مخلص متبعین کی ارواح بھی آ سکتی ہیں۔
امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔
میں نے یہ روایت سنی ہے کہ روح آزاد ہے جہاں چاہتی ہے جا سکتی ہے۔
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔
زمین میں دفن ہو کر مسلمانوں کی روحیں حالت برزخ میں ہیں اور یہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں جا سکتی ہیں۔ (الروح ۱۴۴)
جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو یہ بھی جان لیجئے کہ میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں قیام واجب' سنت بھی نہیں اور نہ ہی ہمیشہ اس طرح کا اعتقاد رکھنا درست ہے۔ چنانچہ قیام میلاد شریف عبادت

ہے اس حرکت سے جو لوگ اپنی فرح و سرور اور خوشی ظاہر کرتے ہیں جب اس بات کا ذکر کیا جائے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تولد شریف ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لا کر اظہر من الشمس ہوئے تو اس لمحہ سننے والا یہ تصور کرتا ہے کہ اس نعمت عظمیٰ کی بدولت تمام کائنات فرح و سرور اور خوشی سے رقص کناں ہے۔ سامع اس فرحت و سرور اور انبساط کے اظہار کی خاطر کھڑا ہو کر اس کی تعبیر کرتا ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ محض عادی ہے دینی نہیں نہ ہی یہ عبادت' شریعت اور سنت ہے فقط لوگوں کی یہ عادت یا طریقہ ہو گیا ہے اور اہل علم میں سے بعض نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔

اس موضوع کی جانب میلاد شریف کے موضوع پر کتاب لکھنے والے جناب برزنجیؒ نے خود اشارہ کیا جبکہ انہوں نے یہ فرمایا۔

اہل بصارت و بصیرت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد شریف کے وقت قیام مستحسن قرار دیا ہے پس وہ شخص قابل رشک و خوش بخت ہے جس کا مقصود اور منزل مراد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہو۔

اور آپ نے اشعار میں اس طرح ارشاد فرمایا۔

و قد سن اہل العلم و الفضل و التقی — قیاما علی الاقدام مع حسن معان

بتشخص ذات المصطفیٰ و ہو حاضر — بای مقام فیہ یذکر بل دان

چنانچہ آپ مذکورہ بالا اشعار میں علامہ برزنجیؒ کو یہ ارشاد فرماتے دیکھ رہے ہیں کہ اہل علم نے اس کو مسنون و مستحب قرار دیا ہے۔

اور آپؒ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسنون قرار دیا ہے یا خلفاء راشدینؓ نے اور نہ ہی آپؒ نے ارشاد فرمایا سنۃ و معتقۃ بلکہ آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ اہل علم حضرات نے مسنون قرار دیا ہے۔

بعد ازاں آپ فرماتے ہیں۔

بتشخص ذات المصطفیٰ

یعنی یہ قیام حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت اور وراثت کے ذہن میں تصور و خیال سے ہے اور یہ تصور نہ صرف محمود و پسندیدہ اور مطلوب ہی ہے بلکہ ایک سچے مسلمان کے ذہن میں یہ تصور و خیال بکثرت اور ہر لمحہ و ہر آن ہونا چاہئے تاکہ اس طرح حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع مکمل ہو اور مسلمان کی محبت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے اور زیادہ بڑھے اور اس کی تمام خواہشات حضورؐ کی شریعت کے تابع ہوں چنانچہ لوگ احترام اور قدر و منزلت شناسی کے پیش نظر اس تصور کے موقعہ پر اٹھتے ہیں جو یہ تصور اور خیال جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت اور ذات

گرامی کے بارے میں ہے ان کے دل میں آتا ہے تو مسلمانوں میں اس مقام کی عظمت و شوکت کا شعور بیدار ہوتا ہے اور عظمت مقام مصطفیٰ اجاگر ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہ امر عادی ہے اسی لئے اگر کوئی شخص کھڑا نہ ہو تو اس پر گناہ نہیں اور شرعی طور پر وہ گنہگار نہ ہو گا ہاں اس کا اس قسم کا ارادہ اور موقف سوء ادب' ذوق کی قلت و کمی یا احساس کے جمود و تعطل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔
جیسے ہر اس شخص کا وصف اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے جو کوئی عادی امر ترک کر دے جو لوگ اور عوام کے ہاں معروف اور جاری ہے۔

"محفل میلاد میں قیام کے مستحسن ہونے کے دلائل"

دلیل اول

قیام میلاد پر تمام ممالک و بلاد و امصار عمل جاری و ساری رہا مشرق و مغرب کے علماء اکرام نے مستحسن قرار دیا ہے اور اس سے مقصود و نیت صاحب میلاد شریف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم ہے اور جس چیز کو مسلمان اچھا و بہتر قرار دیں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات اقدس ہاں بھی مستحسن ہے اور جس امر و شئیہ کو مسلمان قبیح قرار دیں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں بھی قبیح ہے جیسے کہ حدیث شریف میں مذکور ہے۔

دلیل دوم

اہل فضل و عظمت لئے کھڑا ہونا مشروع اور متعدد احادیث و سنت مصطفیٰ کے متعدد دلائل سے ثابت ہے۔ اس موضوع پر امام نووی ؒ نے ایک مستقل جز و تالیف کیا ہے اس کی تائید ابن حجر نے بھی فرمائی' علی ابن حاج نے ایک جزو و حصہ کے قلیل دلائل سے اس کی تردید میں **رفع الملام عن القائل باستحسان القیام من اہل الفضل** رکھا۔

دلیل سوم

بخاری و مسلم شریف کی متفق علیہ حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

قومو لسید کم (ص ۳۰) تم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

اور مذکورہ بالا قیام گویا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس کی تعظیم اور تکریم اور ادب و احترام کے لئے تھا اس لئے نہ تھا کہ سیدنا حضرت سعد رضی اللہ عنہ مریض و علیل تھے وگرنہ آپ یہ ارشاد فرماتے کہ تم اپنے مریض کے لئے کھڑے ہو جاؤ نہ ہی آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تم اپنے سردار کی جانب چل کر جاؤ اور آپ نے تمام صحابہ کرام کو کھڑے ہونے کا حکم ارشاد نہیں فرمایا بلکہ آپ کا یہ مبارک حکم بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے تھا۔

دلیل چہارم

حضور اقدس کی ہدایت اور تعلیم سے یہ امر بھی ہے کہ آپ اپنی خدمت اقدس میں حاضر ہونے والے کے لئے کھڑے ہو جاتے تاکہ آپ اس کی تعظیم و تکریم اور تالیف قلب کریں جیسا کہ آپ اپنی صاحب زادی سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لئے کھڑے ہوے اور آپ نے حضرت فاطمۃ الزہراء کی اس تعظیم و تکریم کا اقرار بھی فرمایا۔

(یعنی آپ کی موجودگی میں یہ فعل سرانجام دیا گیا اس سے آپ نے منع نہ فرمایا یہ حدیث تقریری ہے۔)

اور آپ نے انصار رضی اللہ عنہم کو یہ حکم ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جائیں جو قیام کی مشروعیت پر دلیل ہے تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اس کی تعظیم و تکریم کے بدرجہ اولی مستحق ہے۔

دلیل پنجم

بھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے ساتھ مخصوص ہے نیز یہ اس وقت ہے کہ جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر اور موجود ہوں اور میلاد کی حالت میں آپ تشریف فرما نہیں ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میلاد شریف کا قاری حضور کی ذات اقدس کو آپ کی ذات اطہر کی تشخیص کے ساتھ اپنے ذہن میں حاضر کئے ہوتا ہے۔ میلاد پڑھنے والے کی طرف حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم روحانی عالم جسمانی میں اس وقت سے سے پہلے ولادت شریفہ کے وقت تشریف لاتے ہیں اور تلاوت کرنے والے و پڑھنے والے کے قول کے وقت آپ حاضر ہیں حضور پر نور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم حضور ظلی میں پیدا ہوئے اور حضور ظلی آپ کے حضور اصل سے زیادہ قریب و نزدیک ہے۔
اس تشخیص کے حاضر و ناظر و موجودگی اور حضور روحانی پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے پروردگار کے اخلاق سے متخلق ہونا دلیل ہے چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
"جو شخص میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہم نشین ہوں۔"
ایک اور حدیث پاک میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔
میں ہر ایک شخص کے ساتھ ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کا اپنے پروردگار کے موافق ہونا اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق عالیہ سے متخلق ہونے کی صفت کا تقاضا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر اس شخص کے پاس حاضر و ناظر ہوں جو حضور کا ذکر کرے ہر جگہ آپ کو آپ کے روح اقدس کے ساتھ ذکر کیا جائے اور ذکر کرنے والے کا اس طرح حضور پرنور کی ذات اقدس کو حاضر و ناظر تصور رکھنا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور آداب میں زیادتی کا باعث اور سبب ہے۔

میلاد شریف کے موضوع پر تالیفات و تصنیفات

اس موضوع اور باب پر بہت سی تصنیفات ہیں ان میں سے بعض منظوم ہیں اور بعض دوسری نثر میں لکھی ہوئی ہیں بعض دیگر، مختصر، طول اور درمیانی درجہ کی ہیں ہم اس عجلت سے لکھے مختصر مگر جامع کتابچہ میں ایسی تمام کتب کا احاطہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ یہ موضوع انتہائی وسیع اور کتب بہت زیادہ ہیں اسی طرح ایسی کتب کا ذکر اجمالاً" کرکے ہم اس اختصار اور اجمال پر بھی اکتفا نہیں کرتے، کیونکہ اس موضوع پر یہ کتاب کوئی جدید اور پہلی نہیں ہے۔
اگرچہ یہ امر لازمی اور لابدی ہے کہ ان میں سے بعض دوسری بعض سے افضل و برتر اور اعلیٰ ترین ہیں۔
اسی لئے میں عنقریب یہاں صرف بڑے بڑے علماء امت و حفاظ ائمہ کے ذکر پر اکتفا کروں گا جنہوں نے اس موضوع پر تصنیفات و تالیفات فرمائیں اور علمی دنیا میں وہ مشہور و معروف ہوئے۔
ان علماء کرام رحمتہم اللہ میں سے حافظ محمد بن ابوبکر بن عبداللہ القیسی الشافعی المعروف ابن ناصر الدین الدمشقی جن کی پیدائش ۷۷۷ ہجری اور وصال شریف ۸۴۲ ہجری میں ہوا۔ آپ کی ذات اقدس کے متعلق حافظ بن فہد لحظ الالحاظ ذیل تذکرہ کے صفحہ نمبر ۳۱۹ پر رقم طراز ہیں۔
آپ امام حافظ مفید، فقیہ مورخ بزرگ عالی شان ہیں آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے صاف سالم صحیح، ذہن عطا فرمایا نیز آپ کا خط و لکھائی انتہائی بہترین اور اہل حدیث کی طرز پر بہت خوبصورت تھی۔ نیز آپؒ نے

فرمایا کہ آپ نے بہت زیادہ لکھا تعلیقات و حواشی رقم کئے اور تشریحات و تفصیلات لکھیں اس طرح آپ اپنے تمام اہل زمان پر غالب اور ظاہر ہو کر سبقت و فوقیت لے گئے اور جس شخص نے بھی آپ کی ذات اقدس سے استفادے کا ارادہ کیا اسے آپ نے نفع و فائدہ پہنچایا۔

آپ دمشق کی جامع اشرفیہ کے دار الحکومت کے شیخ الحدیث مقرر و متعین ہوئے علامہ سیوطیؒ نے آپ کی ذات اقدس کے متعلق فرمایا کہ آپ بلاد دمشق کے محدث مقرر ہوئے اور شیخ محمد زاہدؒ نے ذیل الطبقات کے حاشیہ میں فرمایا کہ حافظ جمال الدین عبدالساویؒ نے ریاض الیانعہ میں ابن ناصر الدینؒ مذکور کے حالات زندگی لکھتے ہوئے فرمایا۔

"شیخ ابن تیمیہ آپ کا ازحد احترام اور آپ سے انتہائی محبت رکھتا حتی کہ آپ سے محبت میں مبالغہ کرتا۔"

میں کہتا ہوں کہ مصنف مذکور کے بارے میں ابن فہدؒ ایک تالیف کا ذکر فرمایا ہے جس کا نام ہے **الرد الوافر علی من زعم ان لق سمی ابن تمیتہ شیخ الاسلام کافر**

میں کہتا ہوں کہ امام مذکور نے میلاد شریف کے بارے میں متعدد تصانیف و تالیفات رقم کیں ان میں سے ایک تو وہ تصنیف لطیف ہے جسے صاحب **کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون** نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۱۰ پر ذکر کیا ہے یہ کتاب تین جلدوں میں ہے اس کا نام جامع الاثار فی مولد النبی المختار نیز ایک اور مختصر بھی لکھی ہے اس کا نام **اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق** ہے۔

اور ابن فہدؒ نے فرمایا کہ حافظ محمد بن ابی بکر عبداللہ القیسی الدمشقی شافعی المعروف بالحافظ ابن ناصر الدین الدمشق نے میلاد شریف کے موضوع پر ایک اور کتاب بھی لکھی اس کا نام مورد الصادی فی مولد الہادی ہے۔

ان اجل علماء کرام میں سے حافظ عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمن المصری المعروف بالحافظ عراقی ہیں آپ کی ولادت باسعادت ۷۲۵ ہجری میں اور وفات سنہ ۸۰۸ ہجری میں ہوئی۔

آپ امام کبیر المعروف ابو الفضل زین الدین ہیں آپ اپنے زمانے کے یکتا اور بے نظیر و بے مثال یعنی یکتائے روزگار ہیں، حافظ الاسناد، عمدۃ الانام، علامہ الجہ عالم عظیم نقاد جو اپنے زمانے میں حفظ و اتقان کے لحاظ سے تمام دوسرے لوگوں پر فوقیت لے گئے اور آپؒ اپنے فن میں اپنے ہم عصر ائمہ اور علماء کرام سے سبقت و فوقیت لے گئے۔

علم و معرفت کے میدان میں آپ دیار مصر میں شہرت و عروج کے مقام پر پہنچے میں اتنے بڑے اور عظیم انسان کی مدح و توصیف میں کیا کہہ سکتا ہوں جو بحر ناپیدا کنار ہیں اور سنت کے جید و بے نظیر علماء کرام رحمہم اللہ میں سے ہیں آپ اس دین حنیف کی ناقابل تسخیر چٹان ہیں۔ آپ اس دین حنیف کے ارکان میں سے عظیم و اہم رکن ہیں۔

حدیث' اسناد حدیث' اصطلاحات میں لوگوں کا آپ کی گرامی قدر ذات کی طرف رجوع کرنا ہمارے لئے بطور دلیل و حجت کافی ہے' عراقیؒ نے فرمایا۔
"میں نے موصوف کی عظمت علم پر اعتماد کرتے ہوئے اس باب میں کتاب تالیف کی ہے اور ہر وہ شخص جس کو حدیث پاک سے ادنیٰ سی معرفت اور تعلق ہے وہ آپ کی ذات اقدس کے فضل و علم کا قائل ہے۔
مذکورہ امام نے میلاد شریف پر جلیل القدر اور بے مثال کتاب تصنیف لکھی ہے جس کا نام ہے۔
المورد الهنی فی المولد السنی اس کتاب کو آپ کی مولفات کے ضمن میں کئی حفاظ نے ذکر فرمایا ہے ان میں سے ابن فہد اور سیوطیؒ ہیں جنہوں نے اپنے تذکروں کے ذیل میں آپ کا تذکرہ لکھا۔ (ص ۳۶)
ان علماء کرام رحمہم اللہ میں سے حافظ محمد بن عبدالرحمن بن محمد القاہری المعروف حافظ السخاوی ہیں آپ ۸۳۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ ۹۰۲ ہجری میں وصال فرمایا۔
آپ بہت بڑے مورخ اور معروف حافظ ہیں۔ امام شوکانی نے بدر الطالع میں آپ کا بسیط تذکرہ لکھتے ہوئے کہا ہے کہ آپؒ بڑے ائمہ میں سے ہیں۔
علامہ سخاویؒ کے بارے میں ابن فہد نے کہا ہے کہ میں نے حافظ متاخرین میں آپ کی مثل کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ علامہ حافظ سخاوی کو اسماء الرجال کی معروف راویوں کے حالات' جرح وتعدیل میں مہارت تامہ حاصل ہے۔ اس میں اس امر کی جانب اشارہ ہے حتی کہ بعض علماء نے یہ فرمایا کہ حافظ ذہبیؒ کے بعد ایسا فاضل پیدا نہیں ہوا جس میں سخاوی جیسی عظمت و کمال موجود ہو۔ آپ کے وصال کے ساتھ ہی فن حدیث دفن ہو گیا۔ امام شوکانی آپ کی برتری اور شوکت کے اس حد تک قائل ہیں کہ بالفرض اگر "الضوء اللامع" کے سوا آپ کی کوئی دوسری تصنیف نہ بھی موجود ہوتی تو یہی ایک کتاب آپ کی امامت پر بڑی دلیل ہے۔
میں کہتا ہوں کہ صاحب کشف الظنون نے فرمایا کہ حافظ سخاویؒ نے میلاد شریف کے موضوع پر کتاب لکھی ہے۔ (ص ۳۷)
ان اجل و عظیم علماء کرام میں سے حافظ مجتہد امام ملا علی قاریؒ بن سلطان بن محمد الہروی المتوفی ۱۰۱۴ ہجری صاحب شرح مشکوٰۃ وغیرہ تصنیفات ہیں۔ بدر الطالع میں علامہ شوکانیؒ نے آپ کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:
"علامہ عصامیؒ نے آپ کے وصف اور مدح میں یہ لکھا کہ ملا علی قاریؒ علوم نقلیہ کے جامع اور سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم و جلیل القدر عالم ہیں۔ آپ حفاظ کرام کے مشاہیر اور اصحاب دانش و عقل کے معروف عبقری ہیں۔
بعد ازاں آپ نے فرمایا لیکن ان عالی صفات کے باوجود ملا علی قاری میں ایک نقص یہ تھا کہ انہوں نے

اجل ائمہ کرام خصوصاً" سیدنا حضرت امام شافعیؒ پر اعتراضات کئے۔
عصامیؒ کے اس کلام کو بیان کرنے کے بعد شوکانی نے تکلف سے کام لیتے ہوئے ملا علی قاری کا دفاع اور حمایت کی کوشش کرتے ہوئے لکھا کہ "میرے نزدیک یہ بات ملا علی قاری کی علو منزلت کی دلیل ہے کیونکہ مجتہد کے شایان شان اور اس کی عظمت کی ایک نشانی یہ بھی کہ وہ اس چیز کو واضح و عیاں کرے جو صحیح دلائل کے مخالف ہو اور اس پر اعتراض کرے خواہ مخالفت کرنے والا عظیم ہو یا چھوٹا اور معمولی۔ یہ ایک واضح روشن چراغ ہے۔
میں کہتا ہوں کہ یہ امام محدث مجتہد جن کا ذکر شوکانی نے کیا اور علماء نے انہیں مجتہد و محدث فرمایا انہوں نے (علی قاری) نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد شریف کے موضوع پر کتاب لکھی چنانچہ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا نام "المورد الروی فی المولد النبوی" ہے میں کہتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں مذکورہ کتاب کی تحقیق، تعلیق کرکے اس کو شائع کرکے پہلی دفعہ منظر عام پر لایا ہوں۔
ان عظیم علماء کرام میں سے حافظ امام عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر صاحب التفسیر ہیں۔
ان کے متعلق مختص میں ذہبیؒ نے فرمایا۔
"آپ امام، مفتی، بہترین، ثقہ، صاحب فنون عدیدہ بہترین محدث ہیں۔"
الشہاب احمد بن حجر عسقلانیؒ نے الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ کے صفحہ نمبر ۳۷۴ پر تفصیلی تذکرہ لکھا ہے اس میں ایک اقتباس مندرجہ ذیل ہے۔
ابن کثیر متن و رجال حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہوا اور کہا کہ انہوں نے ابن تیمیہ سے علم حاصل کیا۔ ابن تیمیہ میں محبت کی وجہ سے ابن کثیر کو مختلف شدید تکالیف اور آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ انہیں بہت سے مسائل ازبر اور علم معرفت حاصل تھی ان کی زندگی میں ہی ان کی تصانیف کے چرچے ہوئے اور ۷۷۴ ہجری میں وفات کے بعد بھی لوگ ان کی کتب و تصانیف سے مستفید ہوئے۔ امام ابن کثیر نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد شریف پر ایک تصنیف لکھی ہے جس کا تازہ ترین ایڈیشن ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کی تحقیق کے بعد شائع ہوا ہے۔ (ص ۳۹)
ان عظیم علماء کرام رحمہم اللہ میں سے حافظ وجیہ الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الشیبانی الیمنی الزبیدی الشافعی المعروف ابن دبیع ہیں۔ دبیع کا معنی سوڈانی زبان میں سفید ہے یہ آپ کے جد اعلیٰ ابن یوسف کا لقب ہے آپ کی ولادت باسعادت محرم ۸۶۶ ہجری میں ہوئی اور وصال جمعۃ المبارک کو ۱۲ رجب المرجب ۹۴۴ ہجری میں ہوا۔ آپ اپنے وقت کے ائمہ کرام میں سے ایک ہیں حدیث پاک کا علم آپ پر ختم ہے۔ آپ نے بخاریؒ سے ایک سو زائد مرتبہ حدیث روایت کی اور بخاری شریف کو چھ دنوں میں ایک ہی مرتبہ آپ

سے پڑھا۔
مذکورہ جلیل القدر عالم نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی میلاد پاک کے بارے میں جو کتاب تصنیف فرمائی ہے وہ بہت سے علاقوں میں معروف ہے اس کی تحقیق تعلیق کرنے کے علاوہ ہم نے اللہ کے فضل و کرم سے اس میں مندرج احادیث مبارکہ کی تخریج بھی کی ہے۔ (حول الاحتفال ص ۶)

چند نثر پارے

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی

جب تک چاند گردش کرتا رہے گا اور ربیع الاول کے مہینے کی بارہویں رات کا چاند آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوتا رہے گا کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت با سعادت کی یاد سے معطر ہوتی رہے گی۔ اور روئے زمین کے ہر خطے میں کروڑوں مسلمان آپ کے میلاد کا روح پرور اور ایمان افروز تذکرہ کرتے رہیں گے۔ اس دن مسلمان بشیر و ہادی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں اور آپؐ کے مناقب و صفات کو بیان کرتے ہیں۔ حضورؐ وہ نبی امی ہیں جن کی ذات اقدس میں تمام صفات کریمہ و کاملہ' اخلاق حمیدہ اور شمائل عالیہ نے تکمیل پائی۔ ان صفات اور عادات و اطوار نے اس قدر عروج حاصل کیا کہ وہ ذاتیت سے بلند و بالا ہو گئیں اور ایک اعلیٰ و ارفع نمونہ بن گئیں۔ جیسا کہ خدائے علیم و خبیر نے آپ کی شان اقدس میں فرمایا۔ لا ریب آپ خلق عظیم (کے مقام) پر فائز ہیں۔ (القلم ۴)

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ولادت با سعادت کا بہترین استقبال یہ ہے کہ آپؐ کی سیرۃ مطہرہ کا مطالعہ کیا جائے۔ اس سے نوجوانوں کا رشتہ استوار ہو اور بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت کا خوگر بنایا جائے۔ سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے طیب و طاہر اہل بیت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں کو مشعل راہ بنایا جائے اور ان کی پیروی کی جائے۔

حق تو یہ ہے کہ سال کے مختلف اوقات میں اپنے بچوں کو سیرت نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا خوگر بنانا چاہئے لہذا میں اپیل کرتا ہوں کہ اس عظیم تاریخ کو ان کے قلوب و اذہان میں جاگزیں کیا جائے اور اس کے ساتھ ان کا گہرا تعلق پیدا کیا جائے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ سنت مطہرہ کے ساتھ ان کا رابطہ پیدا کیا جائے اور جہاں تک ان کے ذہن یاد رکھ سکیں' ان کو سنت نبوی کے مطالعہ کا اسی طرح عادی بنایا جائے جس طرح ہم ان کو قرآن کریم کی قرات کا عادی بناتے ہیں اور اس کے ساتھ ان کا ربط جوڑتے ہیں۔ ان

دونوں صورتوں میں ہمارا بہترین عمل سنت کی اتباع اور آپ کی پیروی ہے اور صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کے عمل کی پیروی ہے۔

میری والدہ ماجدہ رحمہا اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتب سیرت کے مطالعے اور مجالس سیرت منعقد کرنے کا عادی بنا دیا۔ میری والدہ پڑھی لکھی تو نہیں تھیں لیکن سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں ازبر یاد تھی۔ وہ اپنے گھر والوں اور ہمسایوں کو تلقین کیا کرتی تھیں کہ وہ سیرت نبویؐ کا علم حاصل کرنے اور اسے پھیلانے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ اسی لئے اگر ہم مختلف وقفوں کے ساتھ اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو صرف اس لئے کہ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم نوجوانوں کا اس کے ساتھ ربط قائم کریں۔ اور انھیں اس کے مطالعہ کی ترغیب دلائیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سید الانبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کو سننے کے لئے اجتماع منعقد کرنا ایک محبوب و پسندیدہ امر ہے اور اسلامی فضا میں اختراعات و انحرافات کے بغیر ان مجالس سیرت کے انعقاد میں بہت سی فضیلتیں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا ذکر ہر وقت ہو رہا ہے اور سیرت طیبہ سننے کے ساتھ لوگوں کا تعلق بڑھ رہا ہے۔ صرف ربیع الاول کا مہینہ ہی اس کے لئے خاص نہیں اگرچہ یہ وہ ماہ مبارک ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنم لیا (آپ کی ولادت کے مقدس مہینے میں ایک دعوت دینے والا' لوگوں کو قریب لانے' ان کو جمع کرنے' ان کی توجہ مبذول کرانے اور ان کے ذہنوں کا زمانے کے ساتھ تعلق جوڑنے کے زیادہ قابل ہوتا ہے۔ چنانچہ لوگ زمانہ حال کے ذریعے ماضی کو یاد کرتے ہیں اور حاضرین مجلس علم کو ان لوگوں تک پہنچتے ہیں جو موجود نہیں ہوتے۔)

حقیقت تو یہی ہے کہ اگرچہ میلاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے ساتھ ربیع الاول کے مہینے میں مسلمانوں کا یہ تعلق قائم ہے' تاہم اہل علم کسی مخصوص رات کو میلاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جشن منانے کو سنت نہیں سمجھتے اور اس فعل کو ایک ایسی بدعت شمار کرتے ہیں جس کا ارتکاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے نہیں کیا۔ مگر میلاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال ہر وقت اور ہر جگہ واجب ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں کیونکہ خدائے عزوجل کا فرمان ہے۔ "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں' اے ایمان والو! اس پر درود اور کثرت سے سلام بھیجو۔" (الاحزاب ۵۶) بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آپ کی سیرت سے فرحت و مسرت حاصل کرنا ایک مسلمان کے لئے بہت سی بھلائیوں کا موجب ہے اس لئے ایک کافر بھی آپ کی ولادت باسعادت سے فیض یاب ہوا تھا۔ وہ کافر ابولہب تھا۔ اس نے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری سنی تو بہت خوش ہوا اور اس خوش خبری پر اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں مرسلاً" روایت ہوئی۔ اس کے متعلق حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی

فرماتے ہیں۔ "یہ ایک کافر تھا' اس کی مذمت میں یہ آیت نازل تبت یدا اس کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے' وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلتا رہے گا۔ روایت میں ہے کہ پیر کو ہمیشہ اس کا عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے کیونکہ محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر اسے اتنی خوشی ہوئی تھی لہٰذا اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے کہ ساری عمر حضرت احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خوش رہا اور ایک موحد کی حیثیت سے اپنے اللہ سے جا ملا۔"

امام بخاری نے صحیح بخاری میں اسے کتاب النکاح میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسے فتح الباری میں نقل کیا ہے' امام عبدالرزاق الصنعانی نے المصنف میں (جلد ۷، ص ۴۷۸) حافظ نے الدلائل میں' ابن کثیر نے السیرۃ النبویہ من البدایۃ میں (جلد ۱ ص ۲۲۴) ابن الدیبع الشیبانی نے حدائق الانوار میں (ج ۱ ص ۱۳۴) حافظ البغوی نے شرح السنۃ میں (ج ۹ ص ۷۶) ابن ہشام اور سہیلی نے الروض الانف میں (ج ۵ ص ۱۹۲) العامری نے بہجۃ المحافل میں (ج ۱ ص ۴۱) روایت کی ہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ یہ روایت جو اگرچہ ایک مرسل روایت ہے' قابل قبول ہے کیونکہ امام بخاری نے اسے نقل کیا ہے اور حافظ جیسے علماء نے اس پر اعتماد کیا ہے' کیونکہ یہ روایت مناقب و فضائل کے بارے میں ہے اور حلال و حرام پر بحث نہیں کرتی۔ مناقب اور احکام میں حدیث سے استدلال کرنے میں جو فرق ہے اس سے سب اچھی طرح واقف ہیں۔ جہاں تک کفار کا اپنے اعمال صالحہ سے فائدہ اٹھانے کا تعلق ہے علماء نے اس پر کلام کیا ہے جس پر تفصیلی گفتگو کا یہ موقع نہیں ہے۔

دوم۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے یوم ولادت کو بڑی اہمیت دیتے تھے اس دن آپ اس نعمت کبریٰ اور وجود مسعود کا شکر بجا لاتے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ اور جس سے ہر شے فیض یاب ہوئی تھی۔ اس تعظیم کا اظہار آپ روزہ رکھ کر فرماتے جیسا کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیر کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس دن میری ولادت ہوئی تھی اور مجھ پر وحی کا نزول ہوا تھا۔" امام مسلم نے صحیح مسلم کی کتاب الصیام میں اس کو روایت کیا ہے۔

آپ کے یوم ولادت منانے کے یہی معنی ہیں۔ لیکن اس کی صورتیں مختلف ہیں۔ مگر اس کا معنی موجود ہے خواہ اس کا مطلب روزہ رکھنا ہو یا کھانا کھلانا' یا آپ کے ذکر خیر کی مجلس منعقد کرنا ہو یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا ہو اور آپ کی عادات و اطوار کے بارے میں سننا ہو۔

سوم۔ آپؐ کی ولادت پر خوشی کا اظہار پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "فرما دیجئے کہ قرآن اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ نازل ہوتا ہے اس پر انہیں خوش ہونا چاہئے۔" (یونس ۵۸) لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہمیں رحمت الٰہی پر خوش ہونے کا حکم دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اور ہم نے تمہیں سب عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء ۱۰۷)

چہارم۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزشتہ دینی واقعات کے ساتھ زمانے کے تعلق کا لحاظ کیا کرتے تھے چنانچہ جب وہ زمانہ آتا جس میں کوئی واقعہ رونما ہوا ہوتا تو آپؐ اس کی یاد اور اس دن' وقت اور مقام کی تعظیم کے لئے موقع حاصل کرتے تھے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس قاعدے کی بنیاد رکھی جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے کہ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے اور آپ نے یہودیوں کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو اس کے متعلق سوال کیا۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ وہ اس روز اس لئے روزہ رکھتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو نجات دلائی تھی اور ان کے دشمنوں کو غرق کیا تھا۔ چنانچہ وہ اس دن اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کے شکریے کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ "ہم تمہاری نسبت موسیٰ (علیہ السلام) کے زیادہ قریب ہیں۔" چنانچہ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

پنجم۔ میرے یوم ولادت پر اللہ کے مقربین و مطلوبین کا درود و سلام مجھ پر بھیجا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اس پر درود اور کثرت سے سلام بھیجو۔" (الاحزاب ۵۶)

اس طرح جب بھی چاند نے گردش کی اور ربیع الاول کا مہینہ طلوع ہوا' میں نے اپنے آپ کو سیرت نبویؐ کی مشہور اور اہم کتابوں کے مطالعہ پر وقف کر دیا حتیٰ کہ سائے مغرب سے مشرق کی طرف ڈھل گئے اور تمام جانور شام کو لوٹ آئے اور تمام واقعات کو دہرایا اور ان کی یاد تازہ کی ہے۔ مثلاً نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور' واقعہ تحکیم' نیکیوں کی تبلیغی و دعوت ہجرت' بت پرستی' شرک اور گمراہی کے خلاف تمام کامیاب تاریخی معرکے' اسلامی ریاست کا قیام' حجۃ الوداع اور اس کا خطبہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال کی وجہ سے سلسلہ وحی کا انقطاع اور آپ کی وفات کے بعد کے واقعات۔

ہاں' میں اس ماہ مبارک میں جسے میلاد شریف کی وجہ سے دوسرے مہینوں پر امتیازی حیثیت حاصل ہے' اس تاریخ کو امہات کتب کے مطالعے میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ اگر دوران سال سیرت کے یہ واقعات آنکھوں سے غائب ہو جاتے ہیں تو وہ ہمیشہ میرے ذہن میں محفوظ ہوتے ہیں۔ میں ان کا تذکرہ کرتا ہوں۔ ان سے استفادہ کرتا ہوں اور ان کا سہارا لیتا ہوں۔ میں ان تمام عبرتوں اور نصیحتوں اور زندگی کے رویوں سے فیضیاب ہوتا ہوں جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کو تعلیم و ارشاد کے طور بتائے ہیں۔

کل میری ایک ہمسائی میرے پاس آئی اور میں اپنے مطالعے میں مستغرق تھا میں جو کچھ پڑھ رہا تھا' اس نے اس پر نظر ڈالی۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم پیدائش کے متعلق ایک باب تھا۔ یہ وہ مقام تھا جب ابن اسحاق جو سیرت نگاروں کے امام ہیں۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام الفیل کے مہینے ربیع الاول کی بارہویں شب کو تولد فرمایا۔

پھر اس نے سوال کیا کہ : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں کیوں ہوئی اور رمضان المبارک میں کسی دن کیوں نہیں ہوئی۔ جس میں قرآن کو نازل کیا گیا اور اس کو لیلتہ القدر کے ساتھ زینت عطا کی گئی یا کسی دوسرے حرمت والے مہینے میں آپؐ پیدا کیوں نہیں ہوئے۔ جسے اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے روز ہی سے حرمت و عزت بخشی' یا پھر آپ کی ولادت ماہ شعبان میں کیوں نہیں ہوئی جس کی پندھرویں شب لیلتہ مبارک کہلاتی ہے۔

میری ہمسائی نے اپنا سوال ختم کیا اور جواب کے انتظار میں میری طرف دیکھا میں نے دوسرے صفحے پر نگاہ ڈالی لیکن مجھے اس سوال کا کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے اس سے غور و فکر کرنے کے لئے کچھ مہلت مانگی۔

میں نے مسلسل اپنے آپ سے پوچھا خالق عظیم نے اس عظیم القدر نونہال کو ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو اس دنیا میں بھیجنے کا فیصلہ کیوں کیا؟ اس میں ضرور اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت بالغہ پائی جاتی ہے لہذا اس پر غور و خوض کرنا ہمارا فرض ہے تاکہ ہم اس کی معرفت کا شرف حاصل کر سکیں اس سے استفادہ کر سکیں۔

میں سیرت کی امہات کتاب کی ورق گردانی کرتا رہا اور اس حکمت بالغہ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے علماء مورخین اور محققین کے اقوال کا مطالعہ کرتا رہا۔ کئی کئی گھنٹوں کی مسلسل بحث کے بعد کتب سیرت نے مجھے اس کا جواب یوں دیا۔

پہلی وجہ

حدیث میں ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے پیر کے روز درخت کو پیدا کیا۔ (مسند احمد جلد ۲ ص ۳۲۷) اس روایت میں ایک بہت بڑی نعمت مضمر ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام وسائل رزق میں میوہ جات اور عمدہ چیزوں کو پیدا کیا ہے جن پر انسانی زندگی کی بنیاد ہے جو ہر درد کی دوا ہیں اور جن کی وجہ سے انسانی دل مسرت محسوس کرتے ہیں تاکہ انہیں خدائے دانا و حکیم کی حکمت کے مطابق ہر اس چیز کو حاصل کرنے میں اطمینان ہو جس پر ان کی بقا کا انحصار ہے۔

چنانچہ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت تمام کائنات کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ (سبل الھدیٰ والرشاد ص ۴۰۳ جلد ۱) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پیر کا دن ایک مبارک دن ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا شرف حاصل ہے۔ پیر کے بارے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ "یہ وہ دن ہے جس میں میں تولید ہوا۔" آپ نے فرمایا۔ "اس روز مجھ پر قرآن نازل ہوا۔" (صحیح مسلم حدیث ۱۹۷)
یعقوب بن سفیان ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے روز پیدا ہوئے، اسی روز منصب نبوت پر فائز ہوئے اور پیر ہی کو حجر اسود رکھا گیا۔

دوسری وجہ

ربیع الاول میں آپؐ کی ولادت شریف میں اس شخص کے لئے ایک واضح اشارہ ہے جو اسے اس ماہ کی کلمہ ربیع کے مصدر کی نسبت کے حوالے سے سمجھتا ہے کیونکہ اس میں امت مسلمہ کے لئے نیک شگونی، بھلائی اور خوشخبری پائی جاتی ہے۔
شیخ الامام ابو عبدالرحمٰن الصقلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ہر آدمی اپنے نام سے ایک حصہ رکھتا ہے۔ اس اصول کا اطلاق اشخاص پر بھی ہوتا ہے اور دوسری چیزوں پر بھی۔ چنانچہ موسم ربیع میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتیں زمین کا سینہ چیر کر باہر نکل آتی ہیں اور رزق کے ذخائر جن پر انسانوں کی زندگی اور معیشت اور ان کے احوال کی بہتری کی بنیاد ہوتی ہے میسر آ جاتے ہیں۔ اس میں بیج اور گٹھلیاں اور انواع و اقسام کے پودے پھوٹ پڑتے ہیں۔ چنانچہ یہ منظر ہر دیکھنے والے کو خوشی بخشتا ہے اور زبان حال سے ان کھیتوں کے پکنے کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں کے آغاز پر مسرت و شادمانی کی طرف ایک بہت بڑا اشارہ مضمر ہے۔
چنانچہ اسی مہینے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کئی اشارے لئے ہوئے ہے جن میں بعض کا ذکر ہو چکا ہے۔ خدائے تبارک و تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم الشان قدر و منزلت کی تعریف و توصیف کی طرف ایک اشارہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کائنات کے لئے ایک خوشخبری ہے اور لوگوں کے لئے دنیا و آخرت کے خطرات کے مقابلے میں ایک رحمت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ آپ نے انسانیت کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور "بے شک تم سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتے ہو۔" (الشوریٰ ۵۲)

تیسری وجہ

یہ آپ کی شریعت مطہرہ میں بھی عمدہ مہینہ ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ فصل ربیع سب سے اچھا اور معتدل موسم ہے۔ اس میں کپکپا دینے والی سردی ہوتی ہے' نہ جھلسا دینے والی گرمی' اس کی نہ رات لمبی ہوتی ہے نہ دن اور یہ موسم خزاں جاڑے اور گرمیوں کے موسموں کی تمام بیماریوں سے پاک ہوتا ہے بلکہ لوگ اس میں نئی زندگی اور جوش ولولہ پاتے ہیں۔ ان کی راتیں یاد الٰہی میں قیام اور ان کے دن روزے کے لئے سازگار ہوتے ہیں۔ یہ فضا رحمت و شفقت کی شریعت کے مطابق ہے۔ جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر تشریف لائے۔

چوتھی وجہ

خدائے حکیم و دانا نے چاہا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے زمان و مکاں کو مشرف فرمائے۔ نہ کہ آپ زمان و مکان کے ذریعے شرف حاصل کریں۔ ایسے زمانے اور مقامات بھی ہیں جن کو براہ راست فضیلت اور عظمت و زینت بخشی گئی ہے۔ وہ زمانے اور مکان اس سے مستثنیٰ ہیں جن کو اس وجہ سے عزت و احترام حاصل ہے کہ اس میں کثرت سے عبادات و اعمال صالحہ کئے جاتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے چنانچہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان یا حرمت والے مہینوں یا شعبان مبارک میں پیدا ہوتے تو بعض ناسمجھ اس سے بے بنیاد وہم کا شکار ہو جاتے کہ آپ کو جو عظمت و شان حاصل ہے وہ ان مہینوں کی فضیلت اور قدر و منزلت کی وجہ سے ہے لیکن خالق حکیم جل جلالہ نے چاہا کہ آپ کی ولادت ماہ ربیع الاول میں ہو تاکہ وہ آپ کے وجود مسعود کی برکت سے شرف و بزرگی حاصل کرے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جشن میلاد نبویؐ کی بدولت خدائے علی و قدیر کی عنایات و نوازشات کا اظہار ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو آپ کی خوشخبری سنائی تو اس کی زیبائش و آرائش کی گئی اور آپ کی بدولت گرد و غبار کستوری کی خوشبو بکھیرنے لگا۔

وہ ایسا دن ہے جس کے صبح زمانے پر فخر کرتی ہے اور جس کی شان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت روشن اور منور ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میلاد منانا' حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد کو زندہ کرنا ہے۔ جب میلاد علم و عظمت کی مجالس میں منایا جاتا ہے اور اسلامی آداب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے تو اہل علم اس کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے ربط پیدا ہوتا ہے۔ اور آپؐ کے معجزات' عادات و اخلاق اور سیرت و کردار کا مطالعہ کیا جاتا

ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی سیرت کی پیروی کرنے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا ہے' کیونکہ آپ ہمارے آقا و سردار ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عادات و خصائل اور آپ کی صفات کی معرفت آپ پر ایمان کو مستحکم بناتی ہے۔

سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مطالعہ دولت و ایمان سے بہرہ ور دلوں میں آپ کی محبت کو اور راسخ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کریم میں فرمایا ہے "ہم تمہیں انبیاء کے قصے سناتے ہیں جن کے ذریعے سے تمہارے دل کو مضبوط بناتے ہیں۔"

اے اللہ! ہمارے دلوں کو اسلام پر قائم رکھ۔ ان میں ایمان کی جڑوں کو گہرا فرما اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت کی دولت عطا فرما۔ (رسالہ نعت)

قاضی عبدالنبی کوکب

ولادت نبوی کی تقریب سعید عام تہواروں اور تقریبوں کی طرح محض ایک رسمی تقریب نہیں بلکہ اگر اس تقریب کے اصل تقاضوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ تقریب عظیم ملت اسلامیہ کی حیات اجتماعی کے مقصدی اور بنیادی اقدار و رجحانات کا اظہار و اعلان کرتی ہے۔ نیز امت کو اس کے مخصوص قومی مزاج کی طرف متوجہ کرکے اس کے مقاصد حیات یاد دلاتی ہے۔ سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ تقریب کے منانے میں مختلف قوموں سے تعلق رکھنے والے اور مختلف ملکوں میں بسنے والے دنیا بھر کے مسلمان شریک ہوتے ہیں۔ یہ شرکت عامہ جس میں مشرقی ہونے یا مغربی ہونے۔ سفید فام ہونے یا سیاہ فام ہونے' مہذب ہونے یا پس ماندہ ہونے کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ اور یہ تقریب ہمہ گیر جس میں عربی بھی شامل ہوتے ہیں اور عجمی بھی' افریقی بھی اور ایشیائی بھی' اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان قوموں اور اقلیتوں کے اختلاف کے باوجود آج تک ہادی اسلام سے مکمل وابستگی رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی نے اپنے لئے کوئی نیا ہادی اختیار نہیں کیا۔ اس طرح یہ تقریب دنیا والوں کے سامنے مسلمانوں کی عدیم النظیر وحدت قومی کی ایک ٹھوس بنیاد واضح کرتی ہے۔ اور دوسری طرف خود مسلمانوں کو احساس دلاتی ہے کہ یہ ہادی اسلام ہی کا تعلق ہے جو رنگ' نسل' زبان اور وطن کی تفریقات میں جکڑے ہوؤں کو ایک رشتہ میں پروتا ہے۔ سب مسلمانوں کے ہدایت کا منبع و مرکز وہ ہادی ہے جس کی یاد آج تک اس امت کو ایک عالمگیر وحدت کی طاقت در کشش اور وابستگی عطا کئے ہے۔

ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی سیرت کی پیروی کرنے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا ہے' کیونکہ آپ ہمارے آقا و سردار ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عادات و خصائل اور آپ کی صفات کی معرفت آپ پر ایمان کو مستحکم بناتی ہے۔

سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مطالعہ دولت و ایمان سے بہرہ ور دلوں میں آپ کی محبت کو اور راسخ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کریم میں فرمایا ہے "ہم تمہیں انبیاء کے قصے سناتے ہیں جن کے ذریعے سے تمہارے دل کو مضبوط بناتے ہیں۔"

اے اللہ ! ہمارے دلوں کو اسلام پر قائم رکھ۔ ان میں ایمان کی جڑوں کو گہرا فرما اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت کی دولت عطا فرما۔ (رسالہ نعت)

قاضی عبدالنبی کوکب

ولادت نبوی کی تقریب سعید عام تہواروں اور تقریبوں کی طرح محض ایک رسمی تقریب نہیں بلکہ اگر اس تقریب کے اصل تقاضوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ تقریب عظیم ملت اسلامیہ کی حیات اجتماعی کے مقصدی اور بنیادی اقدار و رجحانات کا اظہار و اعلان کرتی ہے۔ نیز امت کو اس کے مخصوص قومی مزاج کی طرف متوجہ کرکے اس کے مقاصد حیات یاد دلاتی ہے۔ سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ تقریب کے منانے میں مختلف قوموں سے تعلق رکھنے والے اور مختلف ملکوں میں بسنے والے دنیا بھر کے مسلمان شریک ہوتے ہیں۔ یہ شرکت عامہ جس میں مشرقی ہونے یا مغربی ہونے۔ سفید فام ہونے یا سیاہ فام ہونے' مہذب ہونے یا پس ماندہ ہونے کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ اور یہ تقریب ہمہ گیر جس میں عربی بھی شامل ہوتے ہیں اور عجمی بھی' افریقی بھی اور ایشیائی بھی' اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان قوموں اور اقلیتوں کے اختلاف کے باوجود آج تک ہادی اسلام سے مکمل وابستگی رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی نے اپنے لئے کوئی نیا ہادی اختیار نہیں کیا۔ اس طرح یہ تقریب دنیا والوں کے سامنے مسلمانوں کی عدیم النظیر وحدت قومی کی ایک ٹھوس بنیاد واضح کرتی ہے۔ اور دوسری طرف خود مسلمانوں کو احساس دلاتی ہے کہ یہ ہادی اسلام ہی کا تعلق ہے جو رنگ' نسل' زبان اور وطن کی تفریقات میں جکڑے ہوؤں کو ایک رشتہ میں پروتا ہے۔ سب مسلمانوں کے ہدایت کا منبع و مرکز وہ ہادی ہے جس کی یاد آج تک اس امت کو ایک عالمگیر وحدت کی طاقت در کشش اور وابستگی عطا کئے ہے۔

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم　　　زین سبب بایک دگر پیوستہ ایم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہادی تسلیم کرنے کے بعد اس کا یہ لازمی تقاضہ خودی ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ امت آج بھی اس پیمان کو تسلیم کرتی ہے جو اس نے مدتوں پہلے ہادی اسلام سے باندھا تھا اس ملت نے جو رشتہ تعلق چودہ سو برس پہلے اپنے عظیم رہنما سے قائم کیا تھا اس کا احترام ان کے دلوں میں آج تک موجو دہے اگر آج اس رابطہ سے وجود کا اعتراف مسلمانوں میں نہ ہو تو پھر وہ کونسی طاقت ہے جو ان سے اس یادگار دن منانے کا اس قدر اہتمام کراتی ہے اور وہ کونسا جذبہ ہے جو اس تقریب سعید کے موقع پر ان کے دلوں میں ایک بے مثال مسرت کی لہریں پیدا کرتا ہے۔ اس تقریب کے دو لازمی تقاضوں کا ذکر اوپر ہو چکا۔ پہلی بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانان عالم پیغبر اسلام کو آج بھی اپنا ہادی تسلیم کرتے ہیں اور دوسری بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ اس عہد و پیمان کی حقیقت اور اس کے تقاضے مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو یہی تقریب سعید ہماری غفلت کو بھی دور کرتی ہے۔ اپنے ہادی کی یاد مناتے ہوئے یہ بات قدرتی ہے کہ ان کا عہد و پیمان بھی یاد آ جائے اور اس عہد کے پیش نظر جو نصب العین اس قوم کے سپرد تھا وہ بھی اس پر واضح ہو جائے کیونکہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ یادگار محمد ابن عبداللہ ہونے کی حیثیت سے یا تاریخ کا ایک مشہور انسان ہونے کی سے حیثیت سے نہیں مناتے بلکہ آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی حیثیت سے اور خدا کے بھیجے ہوئے آخری نبی ہونے کی حیثیت سے مناتے ہیں اور رسالت و نبوت کے منصب کی غرض و غایت و نصب العین ہی ہے جو انبیاء علیہم السلام کو ان کے خدائے برتر کی طرف سے سپرد ہوا۔ اس لئے رسول اکرم کی یاد منانے والے ان کے نصب العین کو ان کی یاد سے جدا نہیں کر سکتے اور اس یاد کی عظمتوں کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ اس یاد کے ساتھ نبوت کے نصب العین کا تصور تازہ ہو جاتا ہے لہذا اس موقع پر دو باتوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے ایک یہ چیز بیان کی جائے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نصب العین کیا تھا؟ تاکہ ان کی یاد منانے والے ان کے نصب العین کے تقاضوں کو سمجھ سکیں۔ اور ان کی یاد کو محض رسمی طور پر منا کر نہ رہ جائیں دوسری یہ چیز سمجھائی جائے کہ یہ نصب العین رسول خدا کو کس قدر پیارا تھا تاکہ اس نصب العین کی اہمیت واضح ہو جائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا نصب العین اس نظام حق کو دنیا میں کامیاب کرنا تھا جس کی ہدایت آپ کو خداوند قدوس نے کی اور جس کی روشنی میں پوری زندگی رضائے الہی کے سانچوں میں ڈھل جاتی ہے۔ آپ نے بندگان خدا کے سامنے اس نظام کی تشریح کی۔ اس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے تمام ملکی وسائل اختیار کئے۔ اس کے راستے میں آنے والی تمام صعوبتوں کا استقلال سے مقابلہ کیا۔ اور بالآخر اس نظام حق کو زندگی میں عملاً" نافذ کر کے چھوڑا۔ نیز اپنی امت پر اس کے استحکام و تحفظ کی راہیں خوب واضح

کردیں۔ حضور اس نصب العین کے لئے بعثت کے دن سے لے کر عمر کے آخری لمحے تک کام کرتے رہے۔ چونکہ یہ مشن آپ کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے سونپا گیا تھا لٰہذا یہی مشن آپ کی زندگی کی متاع عزیز ترین تھا۔ آپ اس کو دوست سمجھتے جو اس نظام کو برحق مانتا اور اس سے آپ کے تعلقات کٹ جاتے جو اس نظام حق سے منہ موڑتا۔ اس نصب العین پر آپ پیاری سے پیاری چیز قربان کرتے رہے۔ آپ کی زندگی دکھوں سے بھر دی گئی۔ مصائب و مشکلات کے طوفان اٹھائے گئے۔ بدتمیزی اور دھاندلی کی آندھیاں چلائی گئیں لیکن آپ اپنے موقف سے ہرگز نہ ہٹے۔ وہ دردناک منظر سامنے لایئے جب آپ کے راستوں میں کانٹے بچھائے جاتے تھے۔ گڑھے کھودے جاتے تھے چھتوں سے کوڑا کرکٹ گرا دیا جاتا تھا۔ عبادت کرتے ہوئے کبھی کوئی بدبخت آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر کھینچتا اور کبھی پشت مبارک پر آلودگی ڈالی جاتی۔ نوبت یہاں تک آئی کہ آپ کو اپنے وطن میں جینا مشکل ہوگیا اور قوم والوں نے قتل تک کا فیصلہ صادر کر دیا۔

سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیوں رونما ہوتا تھا؟ یہی قوم آپ کو صادق اور امین کہتی تھی۔ اب ان کے رویے میں یہ یکسر تبدیلی کیوں آگئی؟ اس کا صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ قوم اس نظام حق کو برداشت نہیں کرتی تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش فرماتے تھے۔ اہل باطل کی کوشش یہ تھی کہ تکلیفیں دے کر مصیبتوں میں مبتلا کرکے اور ظلم و ستم ڈھا کر آپ کو اس راستے سے ہٹا دیا جائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس پیارے نصب العین کو کسی قیمت پر بھی ترک نہ کیا۔

آپ کے ذاتی دکھوں کے بعد ایک دوسری ناقابل برداشت چیز یہ تھی کہ حضورؐ کے عزیزوں' غلاموں' دوستوں اور اسلام لانے والے ساتھیوں کی زندگیاں اجیرن بنا دی گئیں۔ حضرت بلالؓ کا ابتلا مشہور ہے۔ حضرت خبابؓ کی کمر میں تلواروں اور بھالوں کے گہرے زخم پڑ گئے۔ بہت سے صحابہ اسی طرح کے دکھ سہتے سہتے جام شہادت نوش کر گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب کچھ دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ اگر میں باطل سے صلح کر لوں تو یہ دور ابتلا ختم ہو سکتا ہے بلکہ اس صورت میں دولت رشتے اور اقتدار آپ کے قدم چومتے لیکن آپ قربانیوں سے برابر گزرتے گئے اور اپنا کام کرتے رہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کی زندگی بھی اس قدر پیاری نہ تھی۔

خواجہ حسن نظامی

"ایک سو ایک ضرب الا اللہ کی سلامی دو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ آنکھیں مژگاں کی سناں اور ابرو کی تیغ سنبھالے' ادب سے پتلیاں جھکائے کھڑی رہیں۔ زبان درود کا بینڈ بجائے' بدن

کی سب رگوں کو حکم دو کہ صلواتی جھنڈ میں یک جان ہو کر سر ملائیں' یہاں تک کہ ہر بن مو سے نعرہ صلو علی محمد نکلنے لگے۔

غریبوں' مظلوموں کے غمگسار' سرکشوں اور ظالموں کے زیر کرنے والے' وہی جن کا نام لینے سے ہمارے خون میں حرارت اور دل میں جوش پیدا ہوتا ہے' ایسے برگزیدہ اور پاکیزہ وجود کے ظاہر ہونے کا وقت ہے کہ آسمان زمین' شجر' حجر کیف میں ہیں' پھر تم اے مسلمانو! یوم ولادت کو قومی تہوار کیوں نہیں بناتے۔"

علامہ راشد الخیری

"رات کا دورہ ختم ہو چکا۔ آسمان نے کروٹ بدلی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے ریگستان عرب کو سرد کر دیا۔ طائران خوش الحان یتیم عبداللہؓ کی تشریف آوری کا مژدہ چہک چہک کر گانے لگے۔ صبح صادق نے رات کی سیاہی دور کی اور نور کی چادر ہر سمت پھیلا دی۔ روشنی اندھیرے پر غالب آئی۔ صبا اٹکھیلیوں میں مصروف ہوئی اور سرسبز درختوں کی ہری بھری شاخیں فرط مسرت سے جھوم جھوم کر آپس میں گلے ملنے لگیں۔ آمنہؓ کے لال (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر زمینی کائنات نثار ہونے کو آگے بڑھی۔ نسیم نے ہزار جان سے قربان ہو کر بساط ارضی کو چوما۔ ہوا نے اس مقدس نام کی تسبیح پڑھی۔ خوش رنگ پھولوں نے مکہ کی خاک اپنی آنکھوں سے ملی اور ملک کا چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ اس مسرت میں لہلہاتی ہوئی کونپلوں کے ہم رنگ ہوا۔ آسمان عرب نے عبدالمطلبؓ کے گھر دار ابن یوسف کے در و دیوار پر روشنی کی بارش کی۔ چمکدار تارے عبداللہؓ کے لخت جگر پر قربان ہوئے اور مخلوق فلکی نے شادمانی کا غلغلہ بلند کیا۔ ہوا معطر ہوئی اور آسمان و زمین مبارک بادوں کے نعروں سے سرگرم ہوئے۔"

سید زاہد حسین رضوی

"چمنستان عالم میں ہر طرف باد سموم کے جھونکے مصروف تباہی تھے۔ ریگزار عرب کے ذرے قتل و غارت گری کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے جھلس رہے تھے۔ پوری کائنات انسانی پر جبر و جور کا اندھیرا مسلط تھا۔ انسانی دنیا میں زندگی و بہیمیت پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں فتنہ و فساد کی قہرناکیاں تھیں اور کہیں حرمان و نامرادی کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ انسان بھیڑیوں اور درندوں کی زندگی بسر کرتے اور وحوش و بہائم کی طرح رہتے تھے۔ عصیان و سرکشی کی آندھیوں نے ہر سمت بربادیاں پھیلا رکھی تھیں۔ جن گردنوں کو آقائے حقیقی کے سامنے جھکنا چاہئے تھا' وہ خود تراشیدہ بتوں کے سامنے خم ہو رہی تھیں۔ ہر طرف فتنہ باریاں تھیں اور ہر سو

قیامت خیزیاں۔ خیال بھی نہ ہوتا تھا' تصور بھی قائم نہ ہوتا تھا کہ کبھی بزم عالم سجائی بھی گئی تھی۔ چرخ نادرہ کار کی کسی گردش نے کبھی اس کرۂ ارض کو بھی نوازا تھا اور چمنستان دہر میں بھی کسی دن روح پرور بہاریں کھیلی تھیں ـــــ کہ یکایک غیرت حق نے کروٹ لی' رحمت الٰہی کے بحر بیکراں میں بندہ نوازیوں کی موجیں بلند ہونی شروع ہوئیں۔ بندوں کی ضلالت و نامرادی کی طرف معبود کا گوشہ چشم و کرم مبذول ہوا ـــــ چمنستان سعادت میں بہاریں کھلنے لگیں اور پرتو قدس سے اخلاق انسانی کا آئینہ چمک اٹھا یعنی وہ تاریخ آگئی جس کے انتظار میں آفتاب عالم تاب نے مدت ہائے دراز تک لیل و نہار کی کروٹیں بدلی تھیں۔ وہ صبح جاں نواز طلوع ہوئی جس کے شوق انتظار میں سیارگان فلک چشم براہ تھے۔ شہنشاہ کونین' تاجدار عرفان' فرمانروائے کائنات' شاہ عرب' سلطان عجم' صلب عبداللہؓ اور پہلوئے آمنہؓ سے پیدا ہوئے۔ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ تھی کہ ولادت نبویؐ کا نور ایک پردۂ ضیا بن کر تمام عالم امکاں میں پھیل گیا۔"

مولانا ظفر علی خان

"جب ابنائے آدم تذلل و تسفل کی انتہائی گہرائیوں میں گر چکے تھے' جب خدا کے بندوں کی گردنیں اصنام و اوثان کے سامنے سجدہ ریزی کے لئے وقف ہو گئی تھیں' جب حریت نفس اور آزادی ضمیر کا خاتمہ ہو چکا تھا' جب خدا کے بندے فسق و فجور میں مبتلا ہو کر خدا کے احکام سے غافل ہو گئے تھے' جب انسانیت کبریٰ پر بہیمیت و نفسانیت پورے طور پر غالب آگئی تھی اور جب اس خطہ غبرا پر جہالت و ضلالت کی تاریکی پوری طور پر غالب ہو چکی تھی' دنیا کا وہ سب سے بڑا آدمی اور خدا کا سب سے برگزیدہ انسان مبعوث ہوا جس کی جبین تابناک سے نور حقیقت کی شعاعیں نکل رہی تھیں جس کے سر منزل شہود پر قدم رکھتے ہی استبعاد و استعمار کی زنجیریں کٹ گئیں ـــــ آج کا دن اسی فضل مجسم کے دنیا میں آنے کا دن ہے جس کی شان رحمۃ للعالمین نے سپید و سیاہ اور اصفر و احمر کو اپنی آغوش میں پناہ دی' جس کی رافت و عطوفت کا ابر گہربار دنیا پر برسا اور جس کے نور ہدایت سے دنیا کا ہر چھوٹا اور بڑا' رہتی دنیا تک فیض یاب ہوتا رہے گا۔"

چودھری غلام احمد پرویز

"جب زمین گرمی کی شدت سے تمتما اٹھتی ہے' تمازت آفتاب اس کی رگ رگ سے نم زندگی چوس لیتی ہے۔ آسمان کی شعلہ ریزیاں ساری فضا کو دھکتا ہوا انگارہ بنا دیتی ہیں' شگوفوں کی گردن کے منکے ٹوٹ جاتے

ہیں' لالہ کا رنگ اڑ جاتا ہے۔ پتیاں سوکھ جاتی ہیں۔ شاخیں پژمردہ ہو جاتی ہیں' سرو و صنوبر تشنہ دار ارضی کے دود کش دکھائی دیتے ہیں' تابندہ چشمے دیدۂ کور کی طرح بے نور ہو جاتے ہیں۔ مرمریں ندیاں خط تقدیر ٹھگوں کے طرح بے آب رہ جاتی ہیں۔ وفور تپش سے سینۂ کائنات میں سانس رکنے لگتی ہے۔ طائر نگاہ تک بھی کاشانۂ چشم میں سمٹ کر رہ جاتا ہے اور بساط کائنات کے کسی کونے میں بھی زندگی کی کوئی تازگی دکھائی نہیں دیتی تو یاس و نا امیدی کے اس انتہائی عالم میں مبداء فیض کی کرم گستری سے سحاب رحمت کسان کی آنکھوں کا نور بن کر فضائے آسمانی پر چھا جاتا ہے اور اپنی جواہر پاشیوں اور گہر ریزیوں سے دامن ارض کو بھر دیتا ہے۔ مرجھائے ہوئے پھولوں میں پھول چٹکتے ہیں' کلیاں مہکتی ہیں' ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے نفیس و لطیف جھونکے سرسبز و شاداب درختوں کی شاخوں میں لچک اور پھولوں میں یوں جنبش پیدا کر دیتے ہیں گویا بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں ------

لیکن ان مادی تشبیہات و استعارات سے ہٹ کر ذرا دنیائے انسانیت کی طرف آیئے اور دیکھئے کہ وہاں بھی یہی اصول فطرت کس طرح عمل پیرا ہے۔ تاریخ کی یاد داشتیں اس پر شاہد ہیں کہ اس وقت عالم انسانیت کی خشک سالی اس سے کہیں زیادہ شدید و مہیب تھی جس کا تشبیہی منظر اوپر پیش کیا جا چکا ہے۔ اس وقت شجر زندگی کی ہر شاخ سے نمی خشک ہو چکی تھی۔ تہذیب و تمدن کے پھول وحشت و بربریت کی باد سموم سے مرجھا چکے تھے۔ حسن عمل کے زندگی بخش چشمے یکسر خشک ہو چکے تھے ------ یہ وقت تھا کہ فطرت کے اس اٹل قانون کے مطابق جس کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے' اس افسردگی و پژمردگی کو پھر سے تازگی و شگفتگی میں بدل دیا جاتا۔ چنانچہ اس کے لئے اس رب ذوالمنن کا سحاب کرم زندہ امیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزار جنتیں اپنے آغوش میں لئے' ربیع الاول کے مقدس مہینے میں فاران چوٹیوں سے جھوم کر آیا اور بلد امین کی مبارک وادیوں میں کھل کھلا کر برسا جس سے انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں ------ بلد امین کی گلیوں کا نصیبہ جاگا ------ صحن گلستان کائنات پر بہار آ گئی' ہر طرف مسرتوں کے چشمے ابلنے لگے۔ فلک تعظیم کے لئے جھکا' زمین نے اپنی خاک آلودہ پیشانی سجدے سے اٹھائی کہ آج اس کی قرن ہا قرن کی دعاؤں کی قبولیت کا وقت آ پہنچا تھا۔ وہ آنے والا کہ جس کے انتظار میں زمانے نے لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں' آیا اور اس شان زیبائی و رعنائی سے آیا کہ زمین و آسمان میں تہنیت کے غلغلے بلند ہوئے۔ فرشتوں نے زمزمہ تبریک گایا۔ سدرۃ المنتہیٰ کی حدود فراموش شاخوں نے جھولا جھلایا۔ ملاء اعلیٰ کی مقدس قندیلوں نے چراغاں کیا۔ کائنات کے ذرے چمک اٹھے۔ فضائے عالم صلوۃ و سلام کی فردوس گوش صداؤں سے گونج اٹھی۔"

سید امیر علی

"آپ کی ولادت پر بہت سے نشانات ظاہر ہوئے جن سے اقوام عالم نے جان لیا کہ دنیا جہان کا نجات دہندہ

آج مبعوث ہوا ہے۔ تاریخ دان مذہبی مناظر کو ان عجیب و غریب نشانات پر بلا دلیل ایمان لاتے ہوئے دیکھ کر ہنستا ہے۔ ایک محقق اور متجسس کے لئے جس کا دل تفکر و تدبر کے قدیم انداز سے ہمدردی رکھتا ہے اور جس کا دماغ ان آیات و نشانات سے جو مسلمانوں کے نزدیک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر رونما ہوئے، کوئی تعصب نہیں رکھتا، تاریخی تجزیہ کا محتاج ہے، ہم جو اس جدید زمانے میں پیدا ہوئے ہیں، افراد اور اقوام کی زندگیوں کے معمولی واقعات میں ایک ناقابل مقابلہ قانون کو جاری و ساری دیکھتے ہیں۔ پھر کیا تعجب ہے، اگر آج سے تیرہ سو سال پہلے، لوگوں نے کسی قوم کے آثار کے مٹنے میں خدا تعالیٰ کے ہاتھ کو کام کرتے ہوئے دیکھا اور اسے اس قوم کے اس انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پایا جو ان کے ظلم اور ناانصافی کی بدولت یقینی طور پر ہونے والا تھا۔" (ترجمہ از منصور احمد)

سوامی لکشمن پرشاد

"——— آخر وہ روز سعید اور مبارک گھڑی آ پہنچی جس کے انتظار میں زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ بے تاب تھا۔ بہار ابھی کمسن تھی۔ باغ و دراغ کے اندر قافلہ گل آ پہنچا۔ حد نظر تک زمین کا دامن پھولوں سے پٹا پڑا تھا، نسیم خوشبو سے مشکی ہوئی تھی کہ حضرت عبداللہؓ کے کاشانہ میں وہ مہتاب طلوع ہو گیا جس کی ضیا پاشیوں سے شب دیجور کی تاریکیاں اس طرح کافور ہو گئیں جس طرح اس کی علمی نور افشانیوں سے آگے چل کر، جہالت کی تاریکیاں دور ہو جانے والی تھیں۔"

(جسٹس) پیر محمد کرم شاہ

"خیابان ہستی اجڑ پڑا تھا۔ خزاں کی چیرہ دستیوں سے گلیوں کی نکہت افشانیوں اور عنادل کی نغمہ ریزیوں کی یاد تک بھی گلدستہ طاق نسیان بن چکی تھی، روشیں ویران تھیں اور آبجوئیں خشک ——— جہاں کبھی سبزۂ نو دمیدہ جنت نگاہ ہوا کرتا تھا وہاں خاک اڑ رہی تھی۔ یاس و قنوط کی ایک ہمہ گیر کیفیت طاری تھی کہ اچانک فاران کی چوٹیوں سے ایک گھنگھور گھٹا اٹھی جس کا ہر قطرہ بہار آفریں اور جس کا ہر چھینٹا فردوس بداماں تھا۔ یہ گھٹا برسی اور خوب دل کھول کر برسی، یہاں تک کہ گلزار عالم میں پھر آثار حیات نمودار ہونے لگے۔ انسانیت کے پژمردہ چہرے پر پھر شباب وقوت کی سرمستیاں ظہور پذیر ہونے لگیں۔ خود داری و عزت

نفس، شجاعت و ایثار کے افسردہ درختوں کی عریاں شاخوں کو از سرِ نو خلعت برگ و بار عطا ہوئی۔ قمریوں نے پھر عفت قلب و نظر کا نغمہ چھیڑا۔ توہمات کی مقدس معطر زلفوں سے پھر دعوت پرواز آنے لگی۔
دنیا والوں نے اس شوخ و شنگ اور خیرات و برکات سے بھرپور گھٹا کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دلنواز نام سے پکارا۔ عالم بالا کے مکینوں نے اسے احمد کہا لیکن حقیقت کی دلفریبیوں سے نقاب اس وقت اٹھا جب اس کے خالق و پروردگار نے اسے اپنی کائنات میں یوں روشناس کیا۔ **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین**"

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

"عالم انسانی اندھیروں میں ڈوب چکا تھا۔ کاروانِ زندگی اپنی راہ زندگی کو گم کر کے بھول بھلیوں میں سرگرداں تھا۔ چونکہ جرم و گناہ تاریکی ہی میں نشوونما پاتے اور کھل کھیلتے ہیں' اس لئے حیات انسانی مجرموں' ظالموں اور استحصالی قوتوں کی محکوم و غلام تھی۔ کوئی فریاد رس و غم خوار نہ تھا۔ رہنما خود گم کردہ راہ تھے۔ تشتت و افتراق اور تضاد و تخالف کی وجہ سے ہر گوشہ حیات میں فساد برپا تھا۔ حیات انسانی کا وجود شرک و بت پرستی سے پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ خوف و حزن کے موت افگن سائے پھیل کر کل حیات انسانی کو محیط ہو چکے تھے۔
روح انسانی بلکہ روح کائنات ہی مضطرب و پریشان اور آتش خوف و حزن میں جل رہی تھی۔ اسے اس نجات دہندہ ہستی کا انتظار تھا جس نے رحمتہ للعالمین بن کر ظہور کرنا تھا۔ وہ عظیم ہستی جو مظہر حیات و زمانہ تھی۔ انسانیت ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام عوالم کے لئے رحمت تمام' وہ ختم الرسل اور خاتم النبیین تھی اور اسے دنیا میں ایک عالمگیر و ہمہ گیر حسین و منور اور مثالی و لاثانی انقلاب لانا اور حسین و منور مثالی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کرنا تھی جس سے تمام بنی نوع انسان نے بالخصوص ابد تک کے لئے مستفید ہونا تھا۔"

صفدر سلیمی

"کسی ایک رہنما اور زعیم کے متعلق یہ دعوی نہیں کیا جاتا ---- اور نہ کیا جا سکے گا ---- کہ اس نے پوری نوع انسانی کی نفع مندی اور سربلندی کے لئے کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام دیا ہو۔ عالم انسانی کی فلاح و کشاد کا کوئی اجتماعی ضابطہ اور پروگرام تجویز کیا ہو۔ کوئی ایسا معرکہ بروئے کار لایا ہو جس کی بدولت

اس کا اپنا ملک یا قوم نہیں بلکہ اولاد آدم کے ہمہ گیر نشو و ارتقاء کا سامان پیدا ہوا ہو۔

لیکن ریگ زار عرب کے جس در یتیم کا جشن میلاد آج دنیا میں منایا جا رہا ہے۔ جس داعی انقلاب کی بارگاہ عظمت میں ہم آج خلوص و نیاز کی نذریں پیش کر رہے ہیں، اس کی داستان حیات اور فکر و قربانیاں کسی خاص خطۂ زمین اور نسل سے وابستہ نہیں۔ بلکہ اس کی دعوت انقلاب میں پوری نوع انسانی کی سربلندیوں اور نیک مندیوں کا سامان موجود تھا۔ اس کے فکر حیات نے فاران کی چوٹیوں سے بلند ہو کر فضاؤں میں جو ارتعاش پیدا کیا وہ پورے کاروان انسانیت کے لئے بانگ رحیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے اولاد آدم کو جس مقصد حیات کی طرف بلایا وہ عربوں کے لئے ہی ابدی خوشگواریوں کی نوید جانفزا ثابت نہیں ہوا بلکہ عجم کے شبستان بھی اس کی جلوہ باریوں سے برابر جگمگا اٹھے۔ اس کے مقدس ہاتھوں نے عربوں ہی کی زنجیریں نہیں توڑیں بلکہ ایران و عراق اور روم و شام کی ملوکیت کے بندھنوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے عطا فرمودہ تصور زندگی نے نوع انسانی کی حقیقی زندگی کو ہی حسن و جمال سے آراستہ نہیں کیا بلکہ طبعی زندگی کی گہرائیوں میں محو خواب لازوال صلاحیتوں کو بھی وہ اٹھان عطا کی کہ آدم اپنی فردوس گم گشتہ کو پانے اور اس زندگی کے بعد ابدی خوشحالیوں سے مالا مال ہونے کے قابل ہو گیا۔"

کوثر نیازی

"ربیع الاول کا مہینہ پوری تاریخ انسانی میں ایک غیر فانی اہمیت کا حامل مہینہ ہے۔ اس مہینے میں وہ ذات بابرکات پہلوئے آمنہ میں ہویدا ہوئی جس نے تاریخ انسانی کے دھارے کا رخ پلٹ دیا جس نے انسانیت کو پستی سے نکال کر عظمت و رفعت کے آسمان پر پہنچایا۔ جس نے دکھی دنیا کو پیغام امن و راحت دیا۔ اسے دکھوں اور آلام کا مداوا بخشا۔ اس کی ان بیڑیوں کو کاٹا جس میں وہ صدیوں سے جکڑی چلی آ رہی تھی۔ اس کی پشت پر سے وہ بوجھ اترے جس کے نیچے وہ قرن ہا قرن سے دبی جا رہی تھی اور اسے ایک ایسا اخلاقی نظام حیات دیا جس کو اپنا کر وہ امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے، اور جس میں رنگ و نسل، وطن اور قوم اور امارت و افلاس کی بنیاد پر کوئی تفریق اور امتیاز نہیں ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ ابی و امی) جس وقت پیدا ہوئے، ساری دنیا ضلالت و گمراہی ہی میں سرگرداں تھی، خدائے واحد سے منہ موڑ کر انسان ہر جگہ ذلیل و خوار ہو رہا تھا۔ ہر انسانی معاشرہ مختلف طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ اوپر کا طبقہ زیر دست طبقے کا خدا بنا ہوا تھا۔ اخلاقی اور اجتماعی امراض پوری طرح گھر کر چکے تھے۔ ہر طرف جنگل کا قانون رائج تھا اور دھرتی انسان کے خون سے انسان کے ہاتھوں لالہ زار ہو رہی تھی۔ ایسے عالم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔

سید المرسلین کا عالم انسانیت پر بلا شبہ یہ احسان عظیم تھا اور یقیناً وہ دن بڑا ہی اہم تھا جب یہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس عالم آب و گل میں تشریف لائے۔

بہ نظر غائر دیکھا جائے تو عید میلاد النبیؐ ہی تمام عیدوں کا مبداء ہے۔ آنحضورؐ کا ظہور پر نور تو خلق خدا کو خدائے تبارک و تعالیٰ کی ہستی کا شعور حاصل ہوا۔ توحید کا ادراک وحدانیت کا اقرار احکام خداوندی کی تعلیم' عبادات کی تفہیم سب آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات مقدس کی مرہون منت ہیں۔ رمضان شریف اور اس کی فضیلتیں آنحضورؐ کی وجہ سے ہم پر ظاہر ہوئیں اور انہیں فضیلتوں سے متمتع ہونے کے بعد ہم عید الفطر کی مسرتوں کے مستحق ہوئے۔ اسی طرح آنحضورؐ نے ہی ہمیں حج اور قربانی کے طریقے سکھائے جن کی بنا پر ہمیں عید الاضحیٰ کی خوشیاں نصیب ہوئیں۔ پس جو یوم مبارک عیدین سعیدین کی تقریبات کا مبداء ہے وہ تو کہیں زیادہ مسرت و ابتہاج کا دن ہے جسے ہم سب سے بڑی عید کا دن کہہ سکتے ہیں۔"

عبدالکریم ثمر

ابتدائے آفرینش سے لیل و نہار کی ہر گردش نظام فطرت کے مطابق اپنے فطری افعال سرانجام دے رہی ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ اپنے محور پر گھوم رہا ہے۔ آسمان پر ستارے چمک رہے ہیں' رات کی زلفیں ظلمات بکھیر رہی ہیں' سورج حرارت پیدا کر رہا ہے' دریاؤں کا پانی نشیب کی جانب بہہ رہا ہے۔ نسیم خوشگوار کے جھونکے فضائے بسیط میں زندگی کی نزہتیں بکھیر رہے ہیں۔ روش روش پر گلستان ہستی بہار آفریں ہے اور تمام ارضی و سماوی عناصر اپنے نشو و ارتقاء کے اصول طے کر رہے ہیں کہ وادی ام القریٰ کو تمام دلفریبیوں اور جاذبیتوں کا مرکز بنا دیا جاتا ہے۔ رحمت خداوندی جوش میں آتی ہے۔ جناب عبداللہ کی موت کے چار ماہ بعد عروس کائنات کے دلفریب چہرے پر بہار جاوداں کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ شگفتہ پھولوں کی پنکھڑیاں شاداب و فرحاں ہیں۔ ستاروں کی خمار آلود آنکھیں از سر نو روشن ہو رہی ہیں۔ آفتاب و مہتاب نو افشاں اور تابناک ہیں۔ افق کا دست حنائی زلف حیات کی مشاطگی کے لئے آمادہ ہے۔ فضائیں جھوم جھوم کر تزئین میں محو ہیں۔ شبنم دامان صبح پر دل آویز موتی بکھیر رہی ہے۔ نسیم خوشگوار اپنے دامن میں خوشبو کے معطر قرابے لئے وادی ام القریٰ کا طواف کر رہی ہے۔ ریگزاروں کی ریت نکھر کر چمک رہی ہے۔ قرمزی شفق اور نیلگوں آسمان پر گہرا سکوت طاری ہے۔ ساری کائنات کسی نیر عالمتاب کے استقبال کے لئے آنکھیں فرش راہ کئے منتظر ہے۔ ارض و سما کے ساز ہائے سرمدی نغمہ بلب ہیں اور فطرت ہمہ تن گوش ہے کہ یکایک عالم کون و مکاں میں امید کی ایک کرن پھوٹتی ہے۔ قسام ازل کی کرشمہ سازیاں کہ حجاز

مقدس کی بے آب و گیاہ وادی کو قیامت تک کے لئے مرجع خلائق اور سجدہ گاہ قدسیاں بنا دیا جاتا ہے۔ حجاز کی خاک پاک شاید قرنوں سے خالق کل کے حضور جھولیاں پھیلائے دعائیں کر رہی تھیں۔ آج اس کا دامن ایک رتن سے بھر دیا جاتا ہے۔ شب گیتی میں صبح کے آثار نمودار ہوئے تو نغمہ "آسمان سے ملا کر" کا دورود شروع ہو گیا۔"

محمد میاں صدیقی

"جب کائنات کی تر دامنی خشک ہونے لگتی ہے، زمین کا چپہ چپہ پانی کے ایک ایک قطرہ کے لئے ترس جاتا ہے، معصوم اور بے زبان پرندے اپنے گھونسلوں میں پیاس کی شدت سے پھڑپھڑانے لگتے ہیں۔ درختوں اور پودوں کی بے زبانی زبان حال سے گرمی و خشک سالی کا ماتم کرنے لگتی ہے۔ کائنات ارضی کی تمام تر رعنائیاں مضمحل ہونے لگتی ہیں، اس وقت اس عالم کا ایک ایک ذرہ امید و بیم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ آسمان کی گرم و خشک فضا کی طرف نظریں اٹھاتا ہے۔ پروردگار عالم رافت و رحمت کے نقاب میں آتا ہے اور اپنی کائنات کو مایوسی و ناامیدی کے بعد امید کا اور موت کے بعد زندگی کا پیغام دیتا ہے۔
جو پروردگار زمین کی پکار سن کر اسے پانی دیتا ہے، جسم کی بھوک دیکھ کر اسے غذا بخشتا ہے ------ وہ یقیناً روحوں کی تشنگی اور دلوں کی بھوک کے لئے بھی سب کچھ کر سکتا ہے، جب اس کی شان ربوبیت درختوں، پتوں اور پھولوں کی پژمردگی نہیں دیکھ سکتی تو بھلا اپنی پیدا کردہ اشرف المخلوق کی روحانی ہلاکت و بربادی کو کیسے دیکھ سکتی ہے ------ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا دن دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا، سب سے مبارک اور سب سے اہم دن ہے۔ اس دن کو اس وقت تک فراموش نہیں کیا جا سکتا جب تک دنیا کو نیکی اور سچائی کی ضرورت ہے اور جب تک دنیا کو سیدھے راستے کی طلب ہے، اس وقت تک اس دن کی یاد ضرور منائی جائے گی۔"

نادر جاجوی

"حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کے سبب تمام عالم تجسیم ہوئے، حضورؐ نے جہاں جہاں قدم رکھا، محبت کی بارگاہیں معطر ہو گئیں۔ جن اشیاء کو چھو لیا، ان کو عظمت بے پناہ نصیب ہوئی۔ آپؐ کے تخیل نے جن چیزوں کو سمو لیا، وہ اوج مقدر پر جلوہ افروز ہوئیں۔ اور جدھر جدھر چشم رحمت اٹھی، ادھر ادھر عطائے الٰہی کے دفتر کھل گئے۔ انتخاب خداوندی کن کن مراحل سے گزر کے ایک نقطے پر

مرکوز ہوا ہو گا۔ کتنے الفاظ نے طہارت کا سہارا لیا ہو گا' کتنے فلسفے دم بخود رہ گئے ہوں گے' کتنی تشبیہات نے دم توڑ دیا ہو گا' کتنے لطیف احساسات مجسم ہوتے ہوتے رہ گئے ہوں گے' انکسار نے کیا کچھ ہاتھ پاؤں نہ مارے ہوں گے' سرور و کیف نے کیا کیا کروٹیں نہ بدلی ہوں گی ۔۔۔۔۔۔ دلوں کو وجد نصیب ہو رہا ہو گا' آنکھوں کو ٹھنڈک مل رہی ہو گی۔ جسم و جاں لطف حیات کے امتحان سے گزر رہے ہوں گے۔ شوق مچل رہا ہو گا' ذوق وجد کیفیات کے پل صراط پر رقص کناں ہو گا' جناب رسول خدا محبوب ہر دو سرا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب دنیا میں تشریف لا رہے ہوں گے' وہ وقت کتنا سہانا' پیارا' روح افزا' و گلشا' نزہت افروز اور درود آگیں ہو گا۔ وہ وقت جس کی ساعتوں کو سعادت مندی کی لامتناہی خوشبو عطا کی گئی۔"

شبلی نعمانی

"چمنستان دہر میں بار بار روح پرور بہاریں آچکی ہیں' چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں ہیں۔ لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے۔ سیارگان فلک اسی دن کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنان قضا و قدر کی بزم آرائیاں' عناصر کی جدت طرازیاں' ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں' ابر و باد کی تردستیاں' عالم قدس کے انفاس پاک' توحید ابراہیمؑ' جمال یوسفؑ' معجز طرازی موسیٰؑ جاں نوازی مسیحؑ ۔۔۔۔۔۔ اسی لئے تھے کہ یہ متاع گراں ارز' شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہ صبح جاں نواز' وہی ساعت ہمایوں' وہی دور فرخ فال ہے' ارباب سیر اپنے محدود پیرایہ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے' آتش کدہ فارس بجھ گیا۔ دریائے ساوہ خشک ہو گیا۔ لیکن یہ سچ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شان عجم' شوکت روم' اوج چین کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش فارس نہیں بلکہ جحیم شر' آتش کدہ کفر' آزر کدہ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ بت کدے خاک میں مل گئے۔ شیرازہ مجوسیت بکھر گیا۔ نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے ۔۔۔۔۔۔ توحید کا غلغلہ اٹھا' چمنستان سعادت میں بہار آگئی۔ آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں۔ اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا ۔۔۔۔۔۔ یعنی یتیم عبداللہ' جگر گوشہ آمنہ' شاہ حرم' حکمران عرب' فرماں روائے عالم' شہنشاہ کونین"

شہ نہ مسند ہفت اختراں ختم رسل" خاتم پیغمبراں"
احمد مرسل کہ خرد خاک اوست ہر دو جہاں بستہ فتراک اوست

ای دو گویا بہ زبان فصیح از الف آدمؑ و میم مسیح
رسم ترجیح است کہ در روزگار پیش دہد میوہ، پس آرد بہار

عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔"

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

"جب سورج کی روشنی ذرہ پر پڑتی ہے تو وہ چمکنے لگتا ہے لیکن اس کی چمک کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سورج بھی اتنا ہی روشن ہے جتنا یہ ذرہ۔ یہ تحریر حضورؐ کی خوبیاں اتنی ہی دکھلائے گی، جتنی ذرہ سورج کی روشنی کو دکھلایا کرتا ہے ——— بہار کا موسم تھا، صبح صادق کی روشنی پھیل چکی تھی۔ سورج ابھی نکلا نہیں تھا کہ ماہ ربیع الاول کی ۹ تاریخ کو سرور کائناتؐ پیدا ہوئے۔ دن دو شنبہ کا تھا۔ حضورؐ کے باپ کا نام عبداللہ ہے عبودیت حضورؐ کے خون میں شامل تھی۔ حضورؐ کی والدہ مکرمہ کا نام آمنہ خاتون ہے امن کے شکم میں حضورؐ نے پرورش پائی، حضورؐ کی دایہ کا نام حلیمہ ہے حلم اور بردباری کا دودھ حضورؐ نے پیا ——— آفتاب کی سفید و صاف روشنی کائنات میں نور و حرارت پیدا کرنے والی ہے۔ علماء نے اس روشنی میں سات مستقل رنگ معلوم کیے ہیں اور جب ان ساتوں نے بحکم وحدت بیضا و نقیہ بن کر عالم افروزی کی تب اس کا نام ضیائے آفتاب ہوا، قرآن مجید نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سراج منیر کہا ہے اور یہ بتلا دیا ہے کہ حضورؐ کی ذات گرامی میں ہفت اقلیم عالم کی رہبری کے رنگ جمع ہیں اور جامعیت کا یہ نور ہر ایک نزدیک و دور کا باصرہ افروز بصیرت افزا ہے۔"

حفظ الرحمان سیوہاروی

"خدایا، وہ صبح کیسی سعادت افروز تھی جس نے کائنات ارضی کو رشد و ہدایت کے طلوع کا مژدہ جاں فزا سنایا تھا۔ وہ ساعت کیسی مبارک و محمود تھی جو معمورۂ عالم کے لئے پیغام بشارت بنی۔ عالم کا ذرہ ذرہ زبان حال سے نغمے گا رہا تھا کہ وقت آ پہنچا کہ اب دنیائے ہست و بود کی شقاوت دور اور سعادت بجسم ہے عالم معمور، ظلمت شرک و کفر کا پردہ چاک اور آفتاب ہدایت روشن اور تابناک ہو۔ مظاہر پرستی باطل ٹھہرے اور خدائے واحد کی توحید، حیات قرار پائے ——— خدا کے قانون ہدایت و ضلالت نے پھر ماضی کی تاریخ کو دہرایا اور غیرت حق نے فطرت کے قانون رد عمل کو حرکت دی یعنی آفتاب ہدایت، برج سعادت سے نمودار ہوا اور چہار جانب چھائی ہوئی شرک و جہالت اور رسم و رواج کی تاریکیوں کو فنا کر کے عالم ہست و

بود کو علم و یقین کی روشنی سے منور کر دیا۔"

سید مناظر احسن گیلانی

"یوں تو آنے کو سب ہی آئے' سب میں آئے' سب جگہ آئے (سلام ہو ان پر) کہ بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کے لئے آیا۔ پر ایک اور صرف ایک جو آیا وہ آنے ہی کے لئے آیا' وہی جو اگنے کے بعد پھر کبھی نہ ڈوبا۔ چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے سب جانتے ہیں اور سبھوں کو جاننا چاہئے کہ جنہیں کتاب دی گئی اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کئے گئے برگزیداں کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق وہ صرف اسی کو ہے اور اس کے سوا کس کو ہو سکتا ہے جو پچھلوں میں بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا دور والے بھی اس کو ٹھیک اسی طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے۔ جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا' جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جائے گا جس طرح کل پہچانا گیا تھا کہ اسی کے اور اسی کے دن کے لئے رات نہیں' ایک اسی کا چراغ ہے جس کی روشنی بے داغ ہے۔"

ابو الکلام آزاد

"جس طرح جسم کی غذا اور زمین کی مادی حیات و نمو کے لئے آسمانوں پر بدلیاں پھیلتی' چمکتیں اور موسلا دھار پانی برستا ہے' ٹھیک اسی طرح روح و قلب کی فضا میں بھی تغیرات ہوتے ہیں۔ یہاں اگر زمین کی مٹی پانی کے لئے ترستی ہے تو وہاں بھی انسانیت کی محرومی ہدایت کے لئے تڑپنے لگتی ہے۔ یہاں پتے جھڑتے ہیں' ٹہنیاں سوکھنے لگتی ہیں اور پھولوں کے رنگین ورق بکھر جاتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ آسمان کو رحم کرنا چاہئے۔ وہاں بھی جب سچائی کا درخت مرجھا جاتا ہے نیکی کی کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں۔ عدالت کا باغ ویران ہو جاتا ہے اور خدا کے کلمہ حق و صدق کا شجرۂ طیبہ دنیا کے ہر گوشہ اور ہر حصہ میں بے برگ و بار نظر آنے لگتا ہے تو اس وقت روح انسانیت چیختی ہے کہ خدا کو رحم کرنا چاہئے۔ یہاں زمین پر رات طاری ہوتی ہے تو خدا کی بارش اسے زندگی بخشتی ہے' وہاں انسانیت ہلاک ہو جاتی ہے تو خدا کی ہدایت پھر اسے اٹھا کر بٹھا دیتی ہے۔

عالم انسانیت کی فضا روحانی کا ایک ایسا ہی انقلاب عظیم تھا جو چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں ظاہر ہوا۔ وہ رحمت الہی کی بدلیوں کی ایک عالمگیر نمود تھی جس کے فیض عام نے تمام کائنات ہستی کو سرسبز و شادابی ی

بشارت سنائی اور زمین کی خشک سالیوں اور محرومیوں کی بدحالی کا دور ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔
یہ ہدایت الٰہی کی تکمیل تھی۔ یہ شریعت ربانی کے ارتقاء کا مرتبہ آخری تھا۔ یہ سلسلہ ترسیل و نزول صحف کا اختتام تھا۔ یہ سعادت بشری کا آخری پیام تھا۔ یہ وراثت ارضی کی آخری بخشش تھی' یہ امت مسلمہ کے ظہور کا پہلا دن تھا اور اس لئے یہ حضرت ختم المرسلین و رحمتہ للعالمین محمدؐ بن عبداللہ کی ولادت باسعادت تھی۔"

سید عطاء اللہ شاہ بخاری

"میں حیران ہوتا ہوں کہ خدا نے جس قوم کو آمنہ کا لعل دیا ہو' جسے امام انبیاء' سید الرسل' باعث کل' پیغمبر آخرالزماں" ملا ہو اسے اور کیا چاہئے۔
پورا قرآن' اسلام' احادیث' ائمہ کی محنت' یہ سجادے' یہ تصوف' حضور ہی حضور ہیں۔ بیچ میں اگر ختم نبوت پر بال آئے گا تو پوری عمارت نیچے آگرے گی۔ خدا خدا نہیں رہے گا' لوگ اور ہی بتائیں گے۔

توحید را کہ نقطہ پرکار دین ماست　　　دانی؟ کہ نکتہ ززبان محمدؐ است

بلاواسطہ کچھ نہیں ملے گا۔ کعبہ میں جو صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی درسگاہ تھا۔ اس میں تین سو ساٹھ پتھر لا رکھے۔ پھر آمنہ بی بی کے ہاں لال آیا اور عبداللہ کا چاند طلوع ہوا تو ان کا گھر صاف ہوا۔ محور ہی انؐ کی ذات ہے مجھے کچھ اور سوجھ نہیں سکتا۔

در پر بیٹھے ہیں تیرے بے زنجیر　　　ہائے کس طرح کی پابندی ہے

وہ ماں ہی مرگئی جو نبی جنے' مشاطہ ازل نے تیریؐ زلفوں میں کنگھی ہی توڑ دی۔ اب کنڈل تو باقی رہیں گے لیکن کسی کنگھی کی ضرورت نہیں رہے گی۔ دیوانے بن جاؤ۔ عقل کو جواب دو۔ ختم نبوت کی حفاظت عقل کا نہیں' عشق کا مسئلہ ہے۔ صحابہ کرام صحیح معنوں میں دیوانگان محمدؐ تھے۔" بس

خرابا تیاں مے پرستی کنند　　　محمدؐ بگویند و مستی کنند

چوہدری افضل حق

"نیکی نفس کی طغیانیوں میں گھری ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی وہ راہ سے بھٹکی ہوئی آس اور یاس کی حالت میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ کہیں سے روشنی کی کرن پھوٹے وہ کفر کے اندھیرے میں ڈرتے ڈرتے قدم اٹھا رہی تھی۔ دیکھو وہ چند قدم چل کر رک گئی' سر راہ دو زانو ہو کر عالم یاس میں سینے پر ہاتھ باندھے'

گردن جھکائے' معروف دعا ہو گئی اور نہایت عجز و الحاح سے بولی "اے نور و ظلمت کے پروردگار! میں غریب اس پرہول اندھیرے میں کب تک بھٹکتی پھروں؟ اے آقا! اپنے کرم سے اس نور کا ظہور کر جو ظلمت کدۂ دہر کو منور کر دے' وہ نور پیدا کر جو بے بصر کو طاقت دید دے دے۔" اس نے آمین آمین کہ کر سر جھکایا۔ یک بیک اس کے دل میں خوشی کی لہر اٹھی اور اس کے رخسار' نوشگفتہ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح شاداب نظر آنے لگے۔ کیونکہ اسے قبولیت دعا کا القا ہو رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ ستاروں سے زیادہ روشن آنکھیں اٹھائیں۔ کفر کی گھٹائیں چھٹ رہی تھیں' افق مشرق پر محبت کی کہانی سے زیادہ دلکش پو پھٹ رہی تھی۔ آفتاب ہدایت کے طلوع کی تیاریاں ہو رہی تھیں ------- ۲۰ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۹ ربیع الاول دو شنبہ کی مبارک صبح کو قدسی آسمان پر جگہ جگہ سرگوشیوں میں معروف تھے کہ آج دعائے خلیل اور نوید مسیحا بن کر دنیا میں ظاہر ہو گی۔ حوریں جنت میں تزئین حسن کے لئے بیٹھی تھیں کہ آج صبح کائنات کا غازہ نمودار ہو گا جس کے عالم وجود میں آتے ہی شرک اور کفر کی ظلمت کافور ہو جائے گی۔"

آغا شورش کاشمیری

"سلام پہنچے' آمنہ کے اس لال' کو جس نے ہمیں اپنی رحمۃ للعالمینی میں پناہ دی' ہمارے بازوؤں کو کشور کشائی کی طاقت بخشی' ہمارے دلوں کو اپنی خندہ جبینی سے آفتاب و ماہتاب کی طرح جگمگایا' ہمیں ایمان کی لافانی دولت سے مالا مال کیا' جس پر قرآن کریم ایسی لازوال کتاب نازل ہوئی۔ جو مسکرایا تو چمنستان کونین کے پھولوں نے ہنسنا سیکھا۔ جو اٹھا تو پہاڑوں نے سربلندی پائی۔ جس کے خرام ناز سے صبا نے ٹہلنا سیکھا' جس نے کائنات کو نورانی کیا ------ جو نور میں سب سے پہلے ------ اور ------ ظہور میں سب سے آخر تھا ------ جس کی توانائیوں نے ہمیں کائنات کی تسخیر پر قادر کیا۔ جس نے عرب کے بدوؤں اور حجاز کے ساربانوں کو شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنا سکھایا۔ جس نے عرب و عجم کی تمیز مٹا دی۔ جس نے انسانوں پر انسانوں کی فوقیت کو ختم کیا۔ اور تقویٰ' دیانت' فراست کو انسانی شرف و مجد کی دلیل ٹھہرایا ------!

سلام پہنچے ------ اس محسن' کائنات کو جو کائنات کی تخلیق کا باعث ہے جس کا عشق ہمارا قبلہ مراد اور کعبہ ذوق ہے ------ جو تمام نبیوں میں آخری نبیؐ ہے جسؐ کی ختم المرسلینی پر ساڑھے تیرہ سو سال میں کئی رہزنوں نے دست درازی کرنا چاہی لیکن وقت کی غیرت نے انہیں نقش آب کی طرح محو کر دیا ------ جو بظاہر گنبد خضریٰ میں سو رہا ہے لیکن جس کی چشم نگراں ارض و سما کی وسعتوں اور پہنائیوں سے باخبر ہے ہم حقیروں میں اتنی ہمت کہاں کہ حضورؐ کی ثناء کر سکیں۔ یہاں قلم عاجز اور زبانیں گنگ ہو جاتی

ہیں۔"

نذرانہ عقیدت

مولانا نعیم الدین مراد آبادی

"دائرہ کائنات کا مرکز' مجموعہ مخلوقات کا حرف اولین' گلزار خلائق کا سب سے نفیس پھول' آسمان وجود کا نیر اعظم' وہ تاباں و درخشاں نور عالم افروز ہے جس کے ظہور نے اپنے پرتو جمال کے فیضان سے کائنات کو مالا مال کر دیا۔

اس ہستی مقدس کا کوئی نظیر ہے نہ مثیل' نہ ہمتا نہ عدیل' لاثانی نے لاثانی بنایا ہے' بے نظیر نے بے مثال پیدا کیا ہے' اس روح مصور' جان مجسم پر بے شمار درود جس کے وجود نے وجود بے کیف کا پتہ دیا اور جس کے حسن ملیح نے محبوب حقیقی کے حسن کا خطبہ پڑھا جو آنکھ میں نہ آ سکتا تھا' وہ دل میں سمایا۔ جس کا پتہ نہ تھا وہ رہنما ہوا۔

کائنات میں کسی ہستی کا ظہور' کسی نئے نقش کی نمود کسی وجود کا نہاں خانہ عدم سے قدم نکالنا بڑی پر لطف بات ہے' اس کے لئے خوشیاں منائی جاتی ہیں' انتظار کیے جاتے ہیں' آنکھیں شوق دیدار کے لئے وا ہوتی ہیں' دلوں کو سرور کی لذت حاصل ہوتی ہے' حتیٰ کہ انسانی مصنوعات جو اپنے ہی جیسے افراد کی عقل و تدبیر کا نتیجہ ہیں' ان پر کس قدر خوشیاں کی جاتی ہیں' ریل جب ایجاد ہوئی' اس کی تعریف سے ہر زبان نے استلذاذ کیا' ہوائی جہازوں کی خبریں کس شوق کے ساتھ سنی جاتی ہیں' جب ادنیٰ درجے کی موجودات اور اپنے وہم و خیال کی بنیادوں پر تعمیر کی ہوئی عمارت تک کا عالم ہستی میں نمودار ہونا ایک وقعت رکھتا ہے اور فرح و انبساط کا موجب ہوتا ہے ــــــ تو کسی اعلیٰ مخلوق کا پیکر وجود میں ظاہر ہونا اور صانع عالم کی قدرت کے کرشمے اور بدیع نگاری کے مرقع کا رونما ہونا کتنی شان و شوکت' کیسی عظمت و جلالت' کس قدر فرح و طرب کے لوازم اپنے ساتھ رکھتا ہو گا اور دنیا میں اس کے ظہور سے کیسی تجلی اور روشنی اور کیسی دھوم دھام ہو گی۔

ہر طرف کفر و ضلالت کی گھنگھور گھٹائیں چھائیں ہوئی تھیں۔ کعبہ معظمہ اور بیت المقدس کے در و دیوار اس غم میں خون در دل تھے۔ حرم شریف فریاد کر رہا تھا' بیت اللہ ہمہ تن آنکھ بن کر اس مقدس آنے والے کی راہ تک رہا تھا جس کے قدوم پاک کے ساتھ اس کی عزت و عظمت' حق کا ظہور اور خلق کی اصلاح و درستی وابستہ تھی۔ صفا و مروہ گردنیں اٹھائے ہوئے اس ہادی اعظم کا راستہ دیکھ رہے تھے جس کی

تشریف آوری کا مژدہ مسیحؑ و خلیلؑ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاءؑ دیتے تھے۔ سرزمین حجاز کا ذرہ ذرہ محبوب حق کے قدموں سے پامال ہونے کی تمنا میں دل پر ارمان بنا ہوا تھا۔ زمزم کا دل ایک بحر جود و کرم کی یاد میں پانی پانی ہو رہا تھا۔ بیت المقدس کی آنکھیں اس مقتدائے عالم کا انتظار کر رہی تھیں جس کے ورود سے اس کی دوبارہ آبادی متوقع تھی۔ اور جو اس گروہ انبیاءؑ کی امامت فرمانے والا تھا۔ بطحاء کا ہر سنگریزہ اس عالم نواز ربانی نور کی قدم بوسی کا تمنائی تھا جس کی جلوہ افروزی کا غلغلہ ابتدائے عالم سے تمام دنیا میں مچا ہوا تھا

کارساز قدرت نے اس وجود اقدس کو نرالے انداز کے ساتھ عجب شان و شوکت سے ظاہر فرمایا۔ میں تبدیلیاں ہوئیں۔ قحط سالی رفع ہوئی' خشک اور چٹیل میدان سرسبز و شاداب ہوئے۔ سوکھے د چل لائے' دبلے جانور فربہ ہو گئے' عالم کا نقشہ بدل گیا' دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ نظام قدرت کے عظیم الشان تبدل نے ایک سر الٰہی کے ظہور کا پتا دیا۔ بت خانوں میں ہل چل مچی' بت سر بخاک ہوئے۔ جھوٹی خدائی کی جھوٹی شوکت خاک میں ملی۔ باطل معبودوں کی رسوائی و خواری نے ان کے بطلان کی شہادت دی۔ آتش خانوں کی صدہا سالہ آگ سرد ہوئی۔ عزت و جبروت والے بادشاہوں کے قصر و ایوان زلزلے میں آئے۔ فلک رفعت قلعوں کی کوہ ساماں کی دیواریں شق ہوئیں۔ کنگرے سر بسجود ہوئے۔ شیاطین کے تخت الٹ گئے۔ ربانی انوار خطہ خاک کی طرف متوجہ ہوئے۔ آرزو مندان جمال کی چشم تمنا وا ہوئی۔ نرگس منتظر کا فرش بچھا۔ رحمت الٰہی کا شامیانہ تنا۔ گلشن تمنا میں باد مراد چلی۔ بام کعبہ پر علم سبز نصب ہوا۔ کونین کے تاجدار کی آمد آمد کا غلغلہ ہوا۔ جہان' نور سے معمور ہوا۔ فرح و طرب نے عالم پر قبضہ کیا۔ شب غم نے بستر اٹھایا' صبح امید نے چہرہ دکھایا۔ ۱۲ ربیع الاول کو صبح صادق کے وقت صبح صادق نے طلوع فرمایا۔"

قاضی عبدالدائم دائم

"بہار کی ایک ایک ادائے دلنواز پر شاعروں نے کئی کئی غزلیں کہہ ڈالیں' ادیبوں نے شہ پارے تخلیق کر ڈالے مگر افسوس کہ حسن و جمال کے خزانے لٹانے والی یہ بہار عارضی ہوتی ہے' فانی ہوتی ہے ------ خزاں کے بے رحم ہاتھ جب مصروف تاخت و تاراج ہوتے ہیں تو یہ سب رعنائیاں چند ہی دنوں میں دم توڑ دیتی ہیں ------ آیئے! اس بہار کی بات کریں جس کی ہر مسرت لافانی ہے' ہر خوشی لازوال ہے اور ہر فرحت جاوداں ہے۔ اس بہار کا آغاز ۲۲ اپریل ۵۷۱ء ہجری سے ہوا۔

اس بہار میں دست قدرت کا وہ شہکار غنچہ چٹکا جس کی نکہت و شادابی اور رنگ و روپ دیکھ کر چشم نظارہ میں ورطہ حیرت میں ڈوب گئی۔ وہ گل رعنا کھلا جس کی بوئے دلآویز سے چمنستان دہر کا ہر طائر مست و بے

خود ہو گیا۔ وہ نسیم سحر چلی جس کے ہر جھونکے میں گلزار اول کی مہک رچی تھی۔ وہ صبا محو خرام ہوئی جس کی اٹھکیلیوں سے باغ ابد کی ہر کلی مسکرا اٹھی' ہر شگوفہ کھل اٹھا۔ وہ باد بہاری چلی جس کی راحت بخش تھپکیوں سے بیقراران عالم کو قرار آ گیا۔ وہ ابر نیساں برسا جس کا ہر قطرہ منت کش صدف ہوئے در نصیر شہوار بن گیا۔ وہ شبنم پڑی جس کا نم گلستان حیات کے پتے پتے کے لیے آب حیات ثابت ہوا۔ وہ دلکش موسم شروع ہوا جس کا خوشگوار اعتدال' گرمی کی حدت سے ہانپتی اور سردی کی شدت سے کانپتی دنیا کو موسمی تغیرات سے تحفظ کی ضمانت دے گیا۔

یہ ربیع الاول کی بارھویں تاریخ تھی اور سوموار کی رات۔

اس رات کو وہ سراج منیر روشن ہوا جس کی ضیا پاشی کے سامنے بزم امکاں کی ہر روشنی ماند پڑ گئی' ہر چراغ بے نور ہو گیا۔ وہ شمع ابد فروزاں ہوئی جس پر نثار ہونے والا ہر پروانہ امین حیات دوام ہو گیا۔ وہ نجم درخشاں طلوع ہوا جسے دیکھ کر دشت ضلالت میں گم گشتہ کائنات کو رہ منزل کا سراغ مل گیا۔ وہ ماہ تمام ضوفشاں ہوا جس کی چاندنی نے زیست کے تپتے صحرا کے اک اک مسافر کو ٹھنڈک' راحت اور سکون کی لذتوں سے سرشار کر دیا۔ وہ بجلی کا کوندا لپکا جس کی لبرلبر روشن' طوفان نیم شب میں گھرے کار وانوں کی رہنما بن گئی۔ وہ سپیدہ سحر نمودار ہوا جس کی نمود دکھی انسانیت کو' رنج و غم اور درد و الم کی طویل رات کٹ جانے کی نوید سنا گئی۔ وہ صبح سیمیں ہویدا ہوئی جس کے اجالے سے شبستان ہستی کی ہولناک تاریکیاں سیماب پا ہو گئیں۔ وہ مہر تاباں نور بار ہوا جس کی رو پہلی کرنوں سے کائنات کا ذرہ ذرہ روشنی میں نہا گیا۔

و اشرقت الارض بنور ربها اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھی۔

نسیم حجازی

دنیا نزع کے عالم میں تھی' ظلم کی آندھی اور بہری قوتوں کے سامنے انسانی ضمیر کے سارے حصار منہدم ہو چکے تھے۔ مظلوموں اور بے بسوں کے لیے اپنے مقدر کی تاریکیوں کے ہجوم سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ زیردستوں میں فریاد کی سکت نہ تھی اور بالادستوں کو یوم حساب کا خوف نہ تھا۔ یہ دنیا ایک رزم گاہ تھی جہاں افراد قبائل اور اقوام ایک دوسرے کا گوشت نوچ رہے تھے۔ امن' عدل اور انصاف کے متلاشیوں کی چیخیں گمراہی' جہالت اور استبداد کی آہنی دیواروں سے ٹکرانے کے بعد خاموش ہو چکی تھیں۔ روم و ایران کے تاجداروں کی قبائیں اپنے محکوموں کے خون میں ڈوبی ہوئی تھیں اور صحرائے عرب کے باشندوں کی قبائلی عصبیتیں اپنے فرزندوں سے تازہ آنسوؤں کی طلبگار تھیں۔

پھر یکایک مکہ کی برہنہ چٹانوں اور بے آب و گیاہ وادیوں پر پروردگار عالم کی ساری رحمتوں کے دریچے کھل

گئے اور فرزندان آدم کی مایوس اور تھکی ہوئی نگاہیں عرب و عجم کے ظلمت کدوں میں ایک نئی صبح کے آثار دیکھنے لگیں۔

انسانی تاریخ کا سب سے مبارک لمحہ وہ تھا جب حضرت آمنہؓ خالق ارض و سما کی ساری نعمتوں اور کائنات کی تمام مسرتوں' اور سعادتوں کو اپنے آغوش میں دیکھ رہی تھیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے مجروح اور ستم رسیدہ انسانیت کو یہ مژدہ سنا رہے تھے کہ عبدالمطلب کا پوتا اور عبداللہ کا بیٹا ان دعاؤں کا جواب ہے جو خانہ کعبہ کی بنیاد اٹھاتے وقت حضرت ابراہیمؑ کی زبان پر آئے۔ یہ وہی ہادی اکبر ہے جس کی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔ یہ خدا کے ان برگزیدہ بندوں کے سپنوں کی تعبیر ہے جو ماضی کی ہولناک تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو پکارتے تھے۔

اے زمانے کے مظلوم اور مقہور انسانو! یہ تمہارا نجات دہندہ ہے۔ قیصر و کسریٰ کے استبداد کی چکی میں پسنے والے غلامو! تمہارے آلام و مصائب کا دور ختم ہو چکا ہے۔ جہالت اور گمراہی کی تاریکی میں بھٹکنے والو' یہ تمہیں سلامتی کا راستہ دکھائے گا۔ عدل و انصاف کے متلاشیو! اس کے ہاتھ ظلم کے پرچم سرنگوں کر دیں گے۔ یتیموں' بیواؤں اور زمانے کے ٹھکرائے ہوئے انسانو! یہ تمہارا سب سے بڑا وسیلہ ہے"

محمد حسین آسی

"ربیع الاول وہ ماہ مبارک ہے جس کی ہر ساعت آنکھ کو ٹھنڈک اور ہر لمحہ دل کو سکون کی لازوال دولت عطا کرتا ہے۔ ہلال کے نمودار ہوتے ہی یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے قدرت نے عرصہ گیتی پر تسکین پرور تابشیں بکھیر دی ہیں۔ ظلمتوں کے دبیز پردے چاک ہو رہے ہیں اور انوار و تجلیات کی پیہم بارشیں ہو رہی ہیں۔ عالم قدس کی لطافتوں نے فضاؤں میں کیف بھر دیے ہیں اور جنت النعیم کے دریچوں سے بھینی بھینی ٹھنڈی ٹھنڈی مشک بیز ہوائیں آ کر مشام جاں کو معطر کر رہی ہیں۔ اضطراب یاس کی گھٹائیں چھٹ رہی ہیں! رحمت و مرحمت کے بادل چھا رہے ہیں۔ چمن دہر ہی نہیں' چمن انسانیت میں بھی بہار آ رہی ہے۔ صحن گلستان کے غنچے ہی نہیں' دلوں کی لب بستہ کلیاں بھی تبسم آشنا ہو رہی ہیں۔ لالہ و گل ہی نہیں حیات کے مرجھائے ہوئے چہرے پر بھی نکھار آ رہا ہے۔

ہاں ہاں! خود زندگی ایک وجد آور کیف میں کھوئی جا رہی ہے۔ ضمیر کو نور اور دل کو سرور بہم پہنچایا جا رہا ہے' روح کو بالیدگی عطا ہو رہی ہے۔ احساسات کی جان بیدار ہو رہی ہے اور فطرت عجیب سرمستی کے عالم میں محو ترنم ہے۔ بلاشبہ اس انقلاب آفرین بہار کی جاں نواز کیفیتوں کو الفاظ کا جامہ پہنانا تکلیف محض اور فطرت کے ان دل نشیں نغموں کی تحسین کے لیے قلم و قرطاس کا سارا ایک رسم کے سوا کچھ نہیں۔ دیدہ

دل میں بینائی کی کوئی رمق موجود ہو تو خود بخود اس بارش انوار کو دیکھا جا سکتا ہے اور گوش حق نیوش میں پنبہ وسواس نہ ہو تو فطرت کے ان نغموں کی آواز صاف صاف سنی جا سکتی ہے۔ کیا یہ بہار موسموں کے کسی جغرافیائی تغیر و تبدل کا نتیجہ ہے؟ نہیں' ہرگز نہیں۔ یہ تو اس سید مولا صفات کی ملکوتی شخصیت کی تشریف آوری کا قدرتی نتیجہ ہے جسے بجا طور پر خلاصہ موجودات کہا جاتا ہے اور جس کے دم قدم سے گل و گلزار اور بہاریں قائم ہیں۔ کیا ان مہکتے ہوئے انوار کا شمس و قمر کی شعاع ریزیوں سے کوئی تعلق ہے۔ نہیں بلکہ ان کا ربط تو اس صبح سعید سے ہے جب خالق کائنات کا چمکتا ہوا آفتاب بطحا کی وادی میں طلوع ہوا تھا۔ کیا فضا کے اس کیف و سرور کا ماخذ نسیم و شمیم کے جھونکے ہیں؟ نہیں! بلکہ اس کا منبع تو وہ سعادت افروز گھڑی ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمتہ للعالمین نے پیکر امن و امان بن کر سیدہ آمنہؓ کی آغوش عاطفت میں تجلی فرمائی تھی"۔

حاجی فضل احمد

"عرش والے کروڑوں سال سے منتظر' فرش والے ابتدائے آدم سے چشم براہ۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اسی انتظار میں کہ وہ صبح نور کب نمودار ہو گی جب حبیب کبریا محمد مصطفیٰ اپنے ظہور قدسی سے زمین و فلک کی آنکھ میں جلوہ طور کا سماں پیدا کریں گے۔ رحمت ازلی جوش میں آئی' مخلوق کی بے نوائی کو نواہائے بے بہائے بے بہا سے بدلنے کے ارادہ ازلی کو حرکت ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس کے لیے خلت کا خلعت پایا' حضرت یوسف علیہ السلام نے جس کے لیے جمال جہاں آراء دکھایا' حضرت موسیٰؑ کا شوق دید جس کے صحیفہ محبت کی تمہید بنی اور حضرت عیسیٰؑ کا دم جس کی مسیحائی کی نوید بنا' وہی نور مجسم' محبوب دو عالم' عرش کا تارا' اللہ کا پیارا' ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن صبح صادق کے وقت بزم آرائے عالم امکان ہوا (صلی اللہ علیہ وسلم)

ہدایت کا آفتاب چمکا' رحمت کا بادل برسا' آدمیت نے اپنے بھولے ہوئے سبق یاد کیے۔ ہدایت کی راہیں کھل گئیں۔ معرفت الٰہی کا دربار لگ گیا۔ محبت الٰہی سے دولت لٹنے لگی۔ سارے عالم کے زیاں کار بھی جب اس بازار میں آئے تو صاحب اعتبار ہو گئے یہ اسی نور مبین کی برکت ہے کہ آج بھی اس دور ظلمت میں ہدایت کے آفتاب کی شعاعیں گھر گھر پہنچ رہی ہیں۔ یہ اسی ظہور قدسی کے طفیل ہے کہ نگاہیں آج بھی آسمان کے اس پار پہنچ جاتی ہیں جبکہ عصیاں کوشی اور خدا فراموشی کے اندھیرے' دل کی آنکھوں کو اندھا کر چکے ہیں۔ حیات ابدی کا متلاشی اور صراط مستقیم کا طالب اگر اس طوفان دریائے ضلالت میں نجات کا کنارا چاہے تو دین محمدؐ رسول اللہ کے بغیر اسے کوئی کشتی سلامت مل نہیں سکتی"۔

مولانا سید محمد متین ہاشمی

"ماہ ربیع الاول جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، دنیائے روحانیت کے لیے موسم بہار ہے۔ یہ بہار صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے بلکہ پورے عالم کون و مکاں اور کارگہ حیات کے لیے ہے۔ اس لیے کہ اسی ماہ مبارک کی ۱۲ تاریخ کو جبکہ انسانیت بربرت و بہیمت کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں بھٹک رہی تھی، جبکہ انسان انسان کے خون کا پیاسا تھا، جبکہ شرف بشریت پتھروں کے خود تراشیدہ اصنام کی چوکھٹوں پر سجدہ ریز تھا جبکہ **ظھر الفساد فی البر و البحر** کی کیفیت طاری تھی، جبکہ غریبوں، کمزوروں، یتیموں، بیواؤں غلاموں اور مجبوروں کو کوئی سہارا دینے والا نہ تھا، استحصال اور جبریت کیخلاف کوئی آواز اٹھانے والا نہ تھا، کوئی ایسا نہ تھا جو انسانیت کو اس کی عظمت سے آشنا کرتا اور کوئی شخصیت ایسی نہ تھی جو نوع آدمیت کو صراط مستقیم کی طرف لے جاتی۔ ذات پات کی خلیجیں انسانوں کے درمیان تفریق کا پہاڑ بن کر کھڑی تھیں۔ یونان کے فلسفے کے سوتے خشک ہو گئے تھے۔ مصر کے تمدن کی عمارت منہدم ہو چکی تھی، ایران کی عوام فلاکت و افلاس کی چکی میں پس رہے تھے، ہندوستان بتوں اور بت پرستوں کا مرکز بن چکا تھا، چینی حکمت دم توڑ چکی تھی، عراق میں خاک اڑ رہی تھی، سرزمین حجاز بانجھ بنی ہوئی تھی کہ رحمت خداوندی کو جوش آیا اور وہ رحمتہ العالمین کے ابر کرم کی شکل اختیار کر کے ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ایسا جھوم جھوم کر برسی کہ ساری کائنات سیراب و مالا مال ہو گئی"۔

بدر القادری (بھارت)

"ربیع الاول۔ نور و نکہت کا ایسا موسم جس نے چشم زدن میں زمانے کے خزاں رسیدہ ماحول کو رشک ارم بنا دیا۔ اسی ماہ منور کی بارہویں تاریخ کو خدا کے محبوب" دو عالم کے ممدوح سرزمین مکہ پر آیت نور کی تفسیر بن کر جلوہ گر ہوئے۔ انسانیت کے محسن، صداقت کے پیامی، امن و اخلاق کے داعی، جو دو سخا کے پیکر عفت و حیا کے دلدادہ، حلم و مروت کے خوگر، سراپا رحمت۔ الغرض جملہ کمالات و حسنات سے مزین ہو کر تشریف لائے۔ سارے عالم کو دنیا کے تمام باطل آستانوں سے ہٹا کر صرف وحدہ لا شریک کی بارگاہ میں جھکانے کے لیے

خاتم الانبیاء خاتم الرسل بن کر ظلمت کدہ ہستی میں
وہ آئے جن کے آنے کی زمانے کو ضرورت تھی

جن و ملک نے جن کی بعثت کے ترانے گائے، بحر و بر نے جن کی حمد کے گیت گائے۔ عرش تا فرش جن کے قدوم میمنت لزوم کے اعزاز میں بقعہ نور بنا"۔

ابو السرور منظور احمد نوری

"یہ کون آیا جس کے آنے سے فارس کا آتشکدہ ٹھنڈا ہوا' شاہان زمانہ لرزہ براندام ہوئے' شاہی محلات میں زلزلہ آگیا' دنیا کا ہر بت سرنگوں ہوا' سمندر ساوہ سراب میں بدل گا' طاغوتی طاقتوں کا شیرازہ بکھرنے لگا' ابلیس سر پیٹنے لگا' ادھر اس کے نور سے سب جہاں جگمگانے لگا' ادھر کعبہ معظمہ بہ تعظیم ان کی طرف جھکا جانے لگا۔ آسمانی مخلوق میں ایک مسرت زا شور سا برپا ہوا۔ روح الامیں اپنے علوی لشکر سمیت سلامی کے لیے آ رہا ہے' خلد کی بہار و زیبائش کو دو بالا کیا جا رہا ہے حور و غلماں کو وجد آ رہا ہے' عرش بریں پر کوئی ترانہ سا گایا جا رہا ہے۔ باطل و گمراہی کی تاریکیوں پر نور حق چھا رہا ہے۔ عجیب تر یہ کہ وحوش و طیور کے سینے فرحت و سرور سے مچل رہے ہیں' انعام و بہائم کے چہرے عشق و مستی سے دمک رہے ہیں۔ آسمان جھک رہا ہے' ماہ و انجم نچھاور ہو رہے ہیں گویا کائنات ارضی کی رگ رگ میں ایک نئی جان جنم لے رہی ہے۔ ہاں ہاں'

آگیا وہ نور والا جس کا سارا نور ہے

قمر یزدانی

"چمن زار فصل میں بہار آتی ہے تو دلفریب رعنائیوں اور کیف زار لطافتوں' روح پرور نزہتوں اور دلکش رنگینیوں کو اپنے جلو میں لے کر۔ جب اس شان و وقار سے بہار کا ورود ہوتا ہے تو گلشن میں گلہائے رنگا رنگ کھلتے ہیں' غنچے مہکتے ہیں' کلیاں مسکراتی ہیں۔ عندلیب زار بہاروں کی اس بو قلمونی پر نثار ہوتی ہے اور اپنے کیف آفریں اور دلنشیں نغمات حسن چمن پر نچھاور کرتی ہے۔ تمام کائنات قدرت کے ان روح پرور مظاہر اور حسن ازل کی دلفریبیوں کی داد دیتی ہے۔ اس کے ساتھ دلاویز بہاروں کا خالق بھی اپنی مخلوق کو مسکراتا دیکھ کر اپنے اس حسن تخلیق پر ناز کرتا ہے اور کائنات کے لیے رحمت و عطا کے دروازے کھول دیتا ہے۔

چنانچہ خالق کائنات کے اس نظام فطرت گلستان ہستی پر بہار جاوداں کا ورود ہونے والا ہے۔ نسیم رحمت کی شمیم جانفزا کے دلنواز جھونکے مشام ہستی کو معطر کرنے والے ہیں۔ گویا گلستان حیات میں فصل بہاری کا اہتمام ہو چکا ہے۔ ذرہ ذرہ اس کے خیر مقدم کے لیے بیقرار ہے۔ مشاطہ قدرت نے زلف گیتی کی تزئین

میں معروف ہے اور عروس کائنات کے چہرہ گلگوں پر فرحت و انبساط کے آثار نمایاں ہیں۔ رحمت الٰہی کی نسیم خوشگوار رحمتوں اور لطافتوں کو اپنے جلو میں لیے ریگزار عرب کے خطہ مقدس کا طواف کر رہی ہے۔ اور عالم لاہوت میں حوران و ملائک حیات سرمدی سے کائنات کو مسحور کر رہے ہیں"۔

راجا رشید محمود

"انسانیت کی نیا قلزم عصیان و کفر کے ہچکولوں کے حوالے تھی کہ محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے اس کی ناخدائی کا بیڑہ اٹھایا۔ دنیا غلبہ نفس کا شکار تھی زبردست کی شہنشاہی اور کمزور کی تباہی کے دن تھے۔ خالق و مالک خدائے لم یزل کے بجائے بے جان بتوں کو معبود بنا لیا تھا' خواہشوں کو پوجا جاتا تھا۔ عالم انسانیت وحشت و بربریت کا مرقع بن چکا تھا۔ حقوق العباد غصب کرنا "عظمت کردار" کی دلیل بن گیا تھا۔ جہالت کی تاریکیاں اذہان و قلب پر چھا چکی تھیں۔ صداقت و ہدایت نے ایک بے مثال ہستی کو دنیائے آب و گل میں بھیجا۔ وہ ہستی جسے اس نے سب سے پہلے پیدا کیا تھا' جس کے لیے سب کچھ تخلیق کیا گیا۔ اگر سرکارؐ نہ ہوتے تو فرد کی تخلیق نہ ہوتی' معاشرہ نہ بنتا' ملک وجود میں نہ آتے' زمین و آسمان کا تصور معدوم ہوتا' کائنات معرض وجود میں نہ آتی' اونٹ کی خلقت اور آسمان کی رفعت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا' پہاڑ کیسے نصب ہوتے اور زمین کس طرح مسطوح ہوتی۔ خدا کا نام لیوا کون ہوتا' اس کی تسبیح و تحمید کون کرتا۔ یہ سب کچھ تو سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فیض سے ہے' ان کے وسیلے اور واسطے سے ہے۔ فخر موجودات سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نہ ہوتے تو رب کریم اپنی الوہیت کو ظاہر نہ کرتا' کائنات کو پیدا نہ کرتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدس رحمت کی وہ گھٹا ہے جو خشک اور بنجر ریگستانوں پر برسی تو کلفت و ضلالت کے گرد و باد ختم ہو گئے۔ بے ہودگیوں اور بد عقیدگیوں کی دھول بیٹھ گئی' ظلم و استبداد کی حدت کی مروت و محبت کی خنکی میں تبدیل ہو گئی اور بد اخلاقی و بے حیائی کے جھکڑ دم توڑ گئے۔ رحمۃ للعالمینؐ کی باران فیضان و کرم سے انسانیت کو کفر کے تپ سے نجات مل گئی۔ خیر و برکت کے سبزہ و گل کی افزائش ہوئی اور ظلم و عدوان کے بے برگ و بار ماحول میں لالہ و نسترن کھل گئے"۔

درد کاکوروی

"بہار کا موسم ہے' نہ سردی کی شدت' نہ گرمی کی تیزی۔ خشک زمین کو باران رحمت نے سیراب کر دیا ہے۔

بلبل چہچہا رہی ہے' غنچے مسکرا رہے ہیں۔ کلیاں چٹک چٹک کر یا مصوّر کہہ رہی ہیں۔ پھول مہک مہک کر دماغ کو معطر کر رہے ہیں۔ چمن میں کیوڑہ اور گلاب کا چھڑکاؤ ہو رہا ہے۔ قبل اس کے کہ سحر ہو' شبنم نے پھولوں کی پنکھڑیوں پر ننھے ننھے خوبصورت موتی جڑ دیے ہیں۔ سارا گلشن خوشبو سے مہک رہا ہے۔ ڈالیاں وجد کر رہی ہیں۔ رات کی سیاہی دور ہو چلی۔ مغرب کا شاہسوار روشنی کی فوجیں ساتھ لے کر آنے والا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم چل رہی ہے۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے۔ صحرا سے آسمان سے' بلبل کے چہچہانے سے' غنچوں کے مسکرانے سے غرض ہر طرف سے یہ صدا آ رہی ہے کہ آج نبیؐ آخر الزمان کا ظہور ہونے والا ہے"۔ (رسالہ نعت ص ۸۵)

سید محمد سلطان شاہ

عالم انسانیت کے فلک پر کفر و ظلمت کے بادل چھا چکے تھے۔ جہالت و گمراہی کا دور دورہ تھا۔ مے خواری عام تھی' اہل عرب قمار بازی کے خوگر بن چکے تھے۔ فحاشی و عریانی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا تھا۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے برسرِپیکار تھا۔ ہر علاقہ دوسرے علاقے سے جنگ آزما تھا۔ بات بات پر تلواریں نیاموں سے باہر نکل آتیں۔ ایک بار جنگ کی آگ سلگ پڑتی تو صدیوں تک اس کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ غیرت انسانی مردہ ہو چکی تھی۔ کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ دختر کشی کی بہیمانہ رسم جاری تھی۔ اشرف المخلوقات نے متاع ہوش یوں لٹا دی تھی کہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے سنگ و گل کے بتوں کو اپنا معبود تسلیم کر چکا تھا۔ مسجود ملائکہ ساجد اصنام بن چکا تھا۔ بت پرستی کا یہ عالم تھا کہ ہر گھر بت خانہ تھا۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ جو سرچشمہ توحید اور منبع ہدایت تھا' اب شرک کا محور بن چکا تھا۔ آخر عرب کے اجڑے چمن میں بہار آئی۔ ابراہیمی گلشن میں شجر قریش کی شاخ ہاشمی پر ایک ایسا پھول کھلا جس کی خوشبو سے دنیا کا ہر گوشہ معطر ہو گیا۔ مکہ میں ایسا آفتاب رسالت طلوع ہوا جس کے نور سے سارا عالم جگمگا اٹھا' وہ نجم ہدایت درخشاں ہوا جسے دیکھ کر دشت ضلالت میں گم گشتہ کائنات کو راہ منزل کا سراغ مل گیا اور وہ ماہ نبوت ضوفشاں ہوا جس کی چاندنی نے بنی نوع انسان کی آنکھوں سے دلوں تک کو ٹھنڈک اور راحت بخشی۔ حضرت عبداللہ کے گھر سیدہ آمنہ کے بطن اطہر سے ۱۲ ربیع الاول کو اس ہستی کی ولادت با سعادت ہوئی۔ جو خلاصہ موجودات اور دیباچہ کائنات ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پھر کیا ہوا؟ خشک اور بے آب و گیاہ زمین سرسبز و شاداب ہو گئی۔ دھرتی اپنے مقدر پر ناز کرنے لگی کہ مجھ پر سرکار عرش تشریف لائے۔ آسمان نے حسرت بھری نگاہوں سے زمین کی طرف دیکھا اور اس کے نصیب پر رشک کرنے لگا کہ محبوب خالق و مالک نے وہاں نزول اجلال فرمایا۔ سوکھے درختوں کی پژمردہ

شامیں ہری ہو گئیں اور ساکنان بطحا جو اس سے پہلے خشک سالی کی وجہ سے بدحال تھے اس سال کی برکت سے خوشحال ہو گئے۔ سرکارؐ کی آمد سے غلامی کی زنجیریں ٹوٹ گئیں۔ رنگ و نسل کے بت منہ کے بل گر کر پاش پاش ہو گئے۔ شہنشاہ فارس کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے' آتشکدہ فارس بجھ گیا اور بحیرہ طبریہ خشک ہو گیا۔ ہر عالم کی ہر مخلوق درود و سلام کے ترانے گانے لگی۔ اَحسَنتَ کے نعرے اور مدحت کے ترانے بلند ہوئے۔ قدسیان عرش کی زبان پر نغمہ تقدیس جاری ہو گیا کہ آج والی کون و مکاں تشریف لائے ہیں۔
(نعت)

رضاعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابولہب کی آزاد کی ہوئی لونڈی ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے جس وقت ثوبیہ نے آپ کی ولادت کی بشارت ابولہب کو دی تھی ابولہب نے اس خوشی میں ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا۔ ابولہب کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اس سے پوچھا تیرا کیا حال ہے۔ حضرت عباسؓ نے ابولہب کو خواب میں دیکھا۔ یہ خواب جنگ بدر کے بعد واقع ہوا۔ ابولہب سے پوچھا تیرا کیا حال ہے اس نے کہا دوزخ میں ہوں مگر دوشنبہ کی ہر رات کو مجھ سے عذاب کی تخفیف کر دی جاتی ہے اور میں اپنی دو انگلیوں کی گھڑی کی مقدار سے پانی پیتا ہوں (دو انگلیوں ایک سبابہ دوسری ابہام جب ان کو کشادہ کیا جائے تو ان کے درمیان ایک گڑھا پیدا ہوتا وہ مقدار مراد ہے) اور ابولہب نے اپنی انگلی کے سرے سے اس گڑھے کی طرف اشارہ کر کے مقدار بتائی اور کہا کہ اتنا پانی اس لیے پلایا جاتا ہے کہ ثوبیا نے آنحضرت صلعم کی ولادت کی مجھ کو بشارت دی تھی میں نے آپکی ولادت کی خوشی میں ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا اور اس وجہ سے مجھ کو اتنا پانی پلایا جاتا ہے کہ ثوبیہ نے آپ کو دودھ پلایا ہے۔

ابن جزری نے کہا ہے کہ یہ ابولہب وہ کافر تھا جس کی مذمت میں قرآن شریف نازل ہوا ہے آپ کی ولادت سے ولادت کی رات میں اس کو فرحت حاصل ہوئی تھی جس وقت اس کو دوزخ میں اس فرحت کی جزا دی گئی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے جو شخص کہ مسلم ہے اور توحید پر قائم ہو اور آپ کی ولادت سے وہ مسرور ہوتا ہے اور جس شے پر اس کی قدرت پہنچتی ہے آپ کی محبت میں وہ اس کو خرچ کرتا ہے اس کا کیا حال ہوتا مجھ کو میری جان کی قسم ہے کہ اللہ تعالےٰ کریم کی جانب سے اس کی جزا نہ ہوگی مگر یہ کہ اللہ تعالےٰ اپنے عمیم فضل کے ساتھ جنات النعیم میں اس کو داخل کرے گا۔

اہل اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے مہینہ میں ہمیشہ محفلیں کرتے ہیں اور اہتمام کرتے ہیں اور کھانے کھلاتے ہیں اور انواع صدقات ولادت کی راتوں میں صدقہ کرتے ہیں اور اظہار سرور

کرتے ہیں اور میرات میں زیادتی کرتے ہیں اور آپ کے مولد کریم کے قصہ کے پڑھنے میں توجہ کرتے ہیں اور ان مسلمانوں پر آپ کے اس مولد شریف کے برکات سے ہر ایک فضل عمیم ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کے مولد شریف کے خواص سے جو چیزیں کہ آزمائی گئی ہیں ان میں سے یہ ہے کہ جس سال مولد شریف ہو جاتا ہے تو وہ مولد مسلمانوں کے لیے آفات زمانی سے امان ہوتا ہے اور مطلوب اور دلی خواہشوں کے پانے میں وہ مولد شریف عاجل بشارت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم کرے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے مبارک مہینہ راتوں کو عیدین اختیار کیا ہے تاکہ اس کا یہ اختیار کرنا ان لوگوں پر سخت تر بیماری ہو جن کے دلوں میں سخت مرض ہے اور عاجز کرنے والی لادوا بیماری آپ کے مولد شریف کے سبب ہے۔ مولد شریف کرنے کے وقت قومیں نے بدعتوں اور ہوائے نفسانی اور آلات محرمہ جیسے طنبور اور عود ہے ان کے ساتھ گانے اور بجانے میں جو امور نئے پیدا کیے ہیں ابن الحاج نے اپنی کتاب (المدخل) میں کلام کو طول دیا ہے اللہ تعالیٰ ابن الحاج کو ان کے قصد جمیل پر ثواب عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو راہ سنت پر چلائے اللہ تعالےٰ ہم کو کافی ہے اور اچھا وکیل ہے۔

صوفیہ کرام اور دیگر علماء نے ذکر کیا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے دنیا کے آسمانوں فرشتوں نے ندا کی کہ یہ وہ در یتیمہ ہے جس کے مثل کی قیمت نہیں پائی جاتی ہے اس کی رضاعت اور پرورش کا کون کفیل ہوتا ہے طیور نے کہا ہم اس کے کفیل ہوتے ہیں اور اس کی خدمت کو ہم غنیمت جانتے ہیں صحرا کے وحشی جانوروں نے طیور سے کہا کہ اس خدمت کے ساتھ ہم اولیٰ ہیں آپ کے شرف اور تعظیم کو ہم پائیں گے وحش و طیر کی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ زبان قدرت نے یہ ندا کی اے جمیع مخلوقات تحقیق اللہ تعالےٰ نے اپنی سابق حکمت قدیمہ میں یہ لکھ دیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا نبی کریم علیہ ؑ کا شیر خوار ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شیر خوارگی کا بیان

ان حدیثوں میں جن کو ابن اسحٰق اور ابن راہویہ اور ابو یعلی اور طبرانی اور بیہقی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے حلیمہ نے کہا ہے کہ مکہ شریفہ میں ان عورتوں میں آئی جو بنی سعد بن بکر سے تھیں ہم کل عورتیں قحط سالی کے زمانہ میں شیر خوار بچوں کو ڈھونڈ رہی تھیں میں اپنی گدھی پر آئی اور میرے ساتھ میرا ایک لڑکا تھا اور ہماری ایک اونٹنی تھی واللہ وہ ایک قطرہ دودھ نہیں دیتی تھی اور ہم اس لڑکے کے ساتھ تمام رات بھوک کی شدت سے نہیں سوتے تھے وہ لڑکا میری پستان میں اتنا دودھ نہیں پاتا تھا کہ بھوک سے اس کو بے نیاز

کرے اور نہ ہماری اونٹنی میں اتنا دودھ تھا جو اس کے لیے غذا ہوتا یا اتنا دودھ نہ تھا جس کو وہ پی کر میرا دودھ چھوڑ دیتا ایسے حال میں ہم لوگ مکہ شریف میں آئے واللہ ہم عورتوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش کیے جاتے تھے ہر ایک عورت سے جس وقت یہ کہا جاتا کہ آپ کے والد ماجد نے وفات پائی ہے آپ یتیم ہیں جب اس کو یہ علم ہو جاتا تو وہ عورت آپ کو دودھ پلانے سے انکار کرتی تھی قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ میری ہمراہی کی عورتوں میں سے سوا میرے کوئی عورت باقی نہ رہی مگر اس نے ایک شیر خوار بچہ لے لیا میں نے اپنے شوہر سے کہا واللہ میں اس امر کو مکروہ سمجھتی ہوں کہ میں اپنی ساتھی عورتوں کے درمیان ایسے حال میں پلٹ کے جاؤں کہ میرے ساتھ کوئی شیر خوار بچہ نہ ہو ہم اس یتیم کے پاس ضرور جائیں گے۔ اور ہم ضرور اس کو لیں گے۔ میں گئی یکایک میں نے آپ کو ایسے حال میں پایا کہ آپ ایسے صوف کے پارچہ میں لپٹے ہوئے تھے جو دودھ سے زیادہ سپید تھا آپ سے مشک کی بو آ رہی تھی اور آپ کے نیچے سبز حریر بچھا ہوا تھا آپ اپنی پشت مبارک پر سو رہے تھے اور سونے میں خراٹے لے رہے تھے آپ کے حسن و جمال کے سبب آپ کو بیدار کرنے سے میں ڈری۔ آہستہ آپ کے قریب گئی پھر میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سینہ مبارک پر رکھا آپ نے اس طور پر تبسم فرمایا کہ ہنس رہے تھے اور آپ نے اپنی دونوں آنکھیں کھول دیں تاکہ میری طرف دیکھیں اس وقت آپ کی دونوں آنکھوں سے ایک نور نکلا یہاں تک کہ وہ نور آسمان میں داخل ہوا اس وقت میں اس نور کو دیکھ رہی تھی میں نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور میں نے آپ کو اپنی دہنی چھاتی دے دی آپ نے جتنا دودھ چاہا میری چھاتی سے اتر آیا پھر میں نے آپ کو بائیں چھاتی کی طرف پھیرا آپ نے دوسری چھاتی کا دودھ پینے سے انکار کیا اور اب تک آپ کی وہی صفت ہے (کہ دوسری چھاتی کا دودھ نہیں پیتے ہیں) اہل علم نے کہا ہے کہ آپ نے دوسری چھاتی کا دودھ نہیں پیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ علم دیا تھا کہ دودھ میں آپ کا شریک ہے پس اللہ تعالیٰ نے آپکو عدل الہام فرمایا۔ حلیمہ نے کہا ہے آپ اور آپ کا دودھ شریک بھائی سیراب ہو گئے پھر میں نے آپ کو مع آپ کے ان کپڑوں کے جن میں لپٹے ہوئے تھے لے لیا اور میں آپ کو اپنے ٹھہرنے کی جگہ میں لائی اور آپ کے سامنے میری چھاتی اتنا دودھ اتار لائی جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ نے دودھ پی لیا اور آپ سیراب ہو گئے اور آپ کا رضاعی بھائی بھی سیراب ہو گیا۔ میرا شوہر ہماری اس اونٹنی کے پاس گیا جو ایک قطرہ دودھ نہیں دیتی تھی یکایک اس نے تھن دودھ سے بھرے پائے میرے شوہر نے اتنا دودھ دوہا کہ اس نے پیا اور میں نے پیا اور ہم دونوں سیراب ہو گئے اور ہم نے اچھی رات میں شب باشی کی میرے شوہر نے مجھ سے کہا واللہ اے حلیمہ میں یہ اعتقاد کرتا ہوں کہ تو نے مبارک ذات کو لیا ہے کیا وہ خیر اور برکت جس کے ساتھ ہم نے رات بسر کی ہے تو نے نہیں دیکھی جس وقت سے ہم نے اس مولود کو لیا ہے۔ حلیمہ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کے سبب ہمیشہ ہم کو خیر و برکت کی زیادتی کرتا رہا۔

حلیمہ نے اس روایت میں کہا ہے جس کو ظفر بیگ نے اپنی کتاب (المنطق المفہوم) میں ذکر کیا ہے کہ میرے شوہر نے اس خیر و برکت کو دیکھا جو آپ کے سبب ہوئی اس نے مجھ سے کہا اس کے بیان کرنے سے تو سکوت کر اور لوگوں سے اپنے امر کو چھپا کہ (تجھ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد نہ کریں اس لیے کہ جس رات سے یہ لڑکا پیدا ہوا ہے علمائے یہود کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہیں ان کو دن کا عیش گوارا نہیں ہوتا ہے نہ رات کا خواب لذت دیتا ہے۔ حلیمہ نے کہا (میں مکہ میں تین دن ٹھہری' پھر بعض عورتوں نے بعض عورتوں کو رخصت کیا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو وداع کیا پھر میں اپنی گدھی پر سوار ہوئی اور محمد صلعم کو میں نے اپنے آگے لیا حلیمہ نے کہا میں نے اپنی گدھی کو دیکھا (جس پر میں سوار تھی اور میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار تھے) گدھی نے کعبہ کی طرف تین سجدے کیے اور اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا پھر وہ راستہ چلنے لگی یہاں تک کہ آدمیوں کے چوپائیوں سے آگے بڑھ گئی جو میرے ساتھ تھے اس حالت کو دیکھ کر آدمی مجھ سے تعجب کرنے لگے وہ عورتیں جو میرے پیچھے تھیں مجھ سے کہنے لگیں اے بنت ابی ذویب کیا تیری یہ وہی گدھی ہے جس پر تو سوار تھی اور تو ہمارے ساتھ آ رہی تھی کبھی لاغری سے تجھ کو اونچا کرتی تھی اور کبھی نیچا میں ان سے کہتی تھی اللہ تعالیٰ کی قسم ہے یہ وہ گدھی ہے وہ عورتیں اس گدھی سے تعجب کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ البتہ اس گدھی کی کوئی شان ہے۔ حلیمہ نے کہا میں اپنی گدھی سے سنتی تھی وہ گویا ہوتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ تحقیق میری البتہ بڑی شان ہے پھر میری بڑی شان ہے میرے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پھر زندہ کیا ہے (مجھ کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت دی ہے کہ جس کے سبب دوڑنے پر قدرت رکھتی ہوں اس کے بعد کہ ضعف کی وجہ سے مردہ کے مثل تھی) اور اللہ تعالیٰ نے میری لاغری کے بعد میری فربہی بھی دی اے بنی سعد کی عورتو تم غفلت میں ہو اور تم نہیں جانتی ہو کہ میری پیٹھ پر کون شخص سوار ہے میری پیٹھ پر خیر الانبیا اور سید المرسلین اور خیر الاولین و الاخرین اور حبیب رب العالمین سوار ہیں۔

جن حدیثوں کو ابن اسحٰق وغیرہ علما نے ذکر کیا ہے ان میں حلیمہ نے کہا ہے کہ پھر ہم بنی سعد کے منازل میں آئے مجھ کو کسی زمین کا علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمینوں سے بنی سعد کی زمین زیادہ قحط ناک ہو جس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر آئے میری بکریاں شام کو ایسی حالت میں پلٹ آتی تھیں کہ وہ دودھ سے بھری ہوتی تھیں ہم ان کا دودھ نچوڑتے اور پیتے تھے اور کوئی انسان دودھ کا ایک قطرہ نہیں نچوڑتا تھا اور کسی تھن میں دودھ کا کوئی قطرہ نہیں پاتا تھا یہاں تک کہ جو لوگ ہماری قوم کے (پانی پر ٹھہرے ہوئے تھے) اپنے چرواہوں سے یہ کہتے تھے جس جگہ بنت ابو ذویب کا چرواہا چراتا ہے تم بھی وہیں چراؤ اپنے لوگوں کی بکریاں شام کو ایسے حال میں پلٹ کے آتی تھیں کہ بھوکی ہوتی تھیں اور دودھ کا ایک

قطرہ نہیں دیتی تھیں اور میری بکریاں شام کو ایسے حال میں پلٹ کے آتی تھیں کہ ان کا پیٹ بھرا ہوتا اور ان میں کثیر دودھ ہوتا تھا اللہ تعالےٰ نے جو برکت حلیمہ کے واسطے پیدا کی تھی اس برکت کی نیکی اللہ تعالےٰ کے واسطے ہے جس کے سبب حلیمہ کے اونٹ اور بکریاں اور دوسرے جانور کثیر ہو گئے اور ان کو نمو ہوا اور آپ کے سبب حلیمہ کی قدر رفیع ہو گئی اور ان کو اپنی قوم میں علو ہوا حلیمہ آپ کے سبب خیر اور برکت کو ہمیشہ پہنچاتی تھیں اور آپ کے سبب فیروزی اور انجام نیک اور زیادتی خیر کو پہنچتی تھی۔

لقد بلغت بالهاشمی حلیمة مقاما علا فی ذروة العز والمجد

تحقیق حلیمہ ہاشمی کے سبب لینے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب ایسے مقام پر پہنچ گئیں کہ وہ اعلیٰ عزت اور بزرگی میں بلند ہوا ہے خلاصہ حلیمہ نے آپ کے سبب نہایت اعلیٰ عزت اور بزرگی کا پایا ہے۔

وزادت مواشیها وخصب ربعها وقد عم هذا السعد کل بنی سعد

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب حلیمہ کے اونٹ اور بکریاں زیادہ ہو گئیں اور ان کی جگہ لینے قوم سرسبز ہو گئی اور کل بنی سعد کو یہ سعادت عام ہو گئی حلیمہ نے کہا ہے جبکہ میں نے آپکو اپنے مکان میں داخل کیا بنی سعد کا کوئی مکان باقی نہ رہا مگر ہم نے اس مکان سے مشک کی بو سونگھی اور آپ کی ایسی محبت آدمیوں کے دلوں میں ڈالی گئی اور یہ نوبت پہنچی کہ بنی سعد میں سے اگر کسی کے جسم میں کوئی بیماری پیدا ہوتی تو وہ شخص آپ کا دست مبارک لے کر اپنی بیماری کی جگہ رکھتا اللہ تعالےٰ کے حکم سے اس کو جلد شفا ہو جاتی اور ایسے ہی اگر ان کا کوئی اونٹ یا بکری بیمار ہو جاتی یا بنی سعد کے غیر کا اونٹ یا بکری بیمار ہو جاتی تو آپ کے دست مبارک سے اس کو شفا ہو جاتی ابن الطراح نے کہا ہے کہ عبداللہ محمد بن المعلی الازدی کی کتاب (الترقیص) میں حلیمہ کے وہ اشعار جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رقص کراتی تھیں (یعنے جیسے عورتیں بچوں کو بہلاتی ہیں اور نشاط میں لاتی ہیں حلیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر پڑھ پڑھ کر بہلاتی اور کھلاتی تھیں حلیمہ کے اشعار سے یہ شعر ہے۔

یارب اذا اعطیته فابقه واعله الی العلی وارقه

اے میرے رب جس وقت تو نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم کو دیا ہے تو آپ کو باقی رکھ یعنی زندگی دے اور عمر کو پہنچا اور آپ کو علو کی طرف بلندی دے اور آپ کو علو پر چڑھا یعنی آپ کے مراتب اعلیٰ کر۔

وادحض اباطیل العدا بحقه

اور آپ کے حق میں دشمن لوگ جو باطل باتیں یا باطل خیال کریں ان کو تو دفع کر۔

اور غیر ابن الطراح کی نقل کے یہ ہے کہ آپ کی رضاعی بہن شیما آپ کو گود میں لیتیں اور آپ کو رقص کراتی تھیں اور یہ اشعار پڑھتی تھیں۔

هذا اخ لی لم تلده امی ولیس من نسل ابی وعمی

یہ میرا بھائی ہے لیکن میری ماں نے اس کو نہیں جنا ہے اور یہ میرا بھائی میرے باپ کی نسل سے نہیں ہے اور نہ میرے چچا کی نسل سے ہے اس بیان سے اخوت مجازی ثابت کی ہے اور اخوت نسبی سے مطلق ظاہر کرتا ہے۔ نددیتہ من مخول معمی فانمہ اللھم فیما تنمی

عرب لوگ کہتے ہیں رجل معم مخول یعنے اس مرد کے چچا اور ماموں مکرم اور معظم ہیں۔

میرے اس مجازی بھائی کے چچے اور ماموں مکرم اور معظم ہیں اس کی عظمت اور بزرگی سے اپنے آپ کو اس پر فدا کرتی ہوں اے میرے اللہ تعالے! جن لوگوں کو تو نے قوت دی ہے ان میں تو اس کو قوی کر اور رفعت دے یا بحذف مضاف یوں کہا جائے جن لوگوں کی ذریتوں کو تو نے بڑھایا ہے اس کی ذریت کو تو بڑھا اور اس کی پیروی کرنے والوں کی تو کثرت کر بیہقی نے اور صابونی نے (کتاب المائتین) میں اور خطیب اور ابن عساکر دونوں نے اپنی تاریخوں میں اور ابن ظفر بیگ سیاف نے (کتاب النطق المفہوم) میں حضرت عباس ابن عبدالمطلب سے روایت کی ہے کہا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے دین میں داخل ہونے کے واسطے آپ کی نبوت کی علامت نے مجھ کو بلایا آپ کو میں نے مہد میں دیکھا کہ آپ چاند سے باتیں کرتے تھے اور اپنی انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ کرتے تھے جس طرف آپ چاند کو اشارہ فرماتے وہ اس طرف جھک جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں چاند سے باتیں کرتا تھا اور چاند مجھ سے باتیں کرتا تھا اور مجھ کو رونے نہیں دیتا تھا اور جس وقت چاند عرش کے نیچے اللہ تعالے کو سجدہ کرتا تھا تو میں اس کے گرنے کی آواز سنتا تھا بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے ساتھ احمد ابن ابراہیم الحبلی منفرد ہے وہ مجہول محض ہے اور صابونی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اسناد اور متن میں غریب ہے اور معجزات میں یہ حدیث حسن اور فتح الباری میں سیرۃ الواقدی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوائل ولادت میں کلام کیا ہے اور ابن سبع نے خصائص میں یہ ذکر کیا ہے کہ آپ کا گہوارہ ملائک کے ہلانے سے ہلتا تھا (یعنے فرشتہ آپ کو جھولا جھلاتے تھے) اور بیہقی اور ابن عساکر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہا ہے کہ حلیمہ باتیں کرتی تھیں کہ میں نے آپ کا دودھ چھڑائی کی آپ نے اول جو کلام کیا تو یہ کہا **اللہ اکبر کبیرا والحمدللہ کثیرا سبحان اللہ بکرۃ واصیلا** جب کہ آپ نے مکان سے باہر نکلنے اور لڑکوں کے ساتھ اختلاط کی قوت پائی آپ مکان سے باہر تشریف لے جاتے اور لڑکوں کو کھیلتا دیکھتے آپ ان سے بچ جاتے تھے۔

اور ابن سعد اور ابو نعیم اور ابن عساکر نے ابن عباس سے روایت کی کہ حلیمہ آنحضرت صلعم کو نہیں چھوڑتی تھیں کہ آپ دور جگہ نہ چلے جائیں۔ حلیمہ آپ سے غافل ہو گئیں آپ اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ اول وقت زوال شمس کے جانوروں کی طرف چلے گئے۔ حلیمہ کو جب معلوم ہوا تو ڈھونڈنے کے واسطے گھر سے نکلیں تاکہ آپ کو آپ کی بہن کے ساتھ پائیں۔ حلیمہ نے آپ کو آپ کی بہن شیما کے ساتھ پالیا

اور آپ کی بہن سے کہا کہ ایسی حرارت میں آپ کو لائی ہے۔ شیما نے کہا اے ماں میرے بھائی نے حرارت نہیں پائی۔ میں نے ابر کو دیکھا کہ وہ آپ پر سایہ کیے ہوئے تھا جس وقت آپ کسی جگہ ٹھہر جاتے وہ ابر ٹھہر جاتا اور جس وقت راستہ چلتے تو وہ ابر آپ کے ساتھ چلتا تھا آپ اس شان سے یہاں تک آ پہنچے۔ الحدیث۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شباب سے اس طور پر بڑھتے اور جوان ہوتے تھے کہ لڑکوں کے شباب سے آپ کا شباب مشابہ نہیں ہوتا تھا حلیمہ نے کہا جبکہ میں نے آپ کا دودھ چھڑایا ہم لوگ آپ کو لے کر آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس آئے اور ہم اس امر پر زیادہ حریص تھے کہ آپ ہمارے ہی پاس ٹھہرے رہیں اس وجہ سے کہ ہم لوگ آپ کی برکت دیکھتے تھے ہم نے آپ کی والدہ ماجدہ سے گفتگو کی اور کہا کاش آپ ان کو ہمارے پاس چھوڑ دیتیں تاکہ آپ جسم پکڑتے اور قوی ہو جاتے ہم نے کہا یہ ہم اس لیے کہتے ہیں کہ مکہ کی وبا ہم کو آپ پر خوف ہوتا ہے ہم تو آپ کی والدہ ماجدہ کے ساتھ تکلف کرتے اور یہی کہتے رہے آخر آپ کی والدہ ماجدہ نے ہمارے ساتھ آپ کو پھر بھیج دیا ہم لوگ آپ کو اپنے ساتھ لے کر اپنے ملک کو پلٹ آئے۔

حضور اکرمؐ کی گمشدگی

حلیمہ نے کہا کہ میں آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لا رہی تھی باب مکہ میں ہم سے آپ چھوٹ گئے اور گم ہو گئے سبب یہ ہوا کہ میں قضائے حاجت کے واسطے گئی تھی۔ اس کی اطلاع میں نے عبدالمطلب سے کی انہوں نے ایک ہفتہ بیت اللہ کا طواف کیا اور اللہ تعالیٰ سے آپ کے پھیر دینے کے واسطے دعا کی۔ عبدالمطلب نے سنا کہ ایک ندا کرنے والا ندا کر رہا ہے اے آدمیوں کے گروہ تم اندیشہ نہ کرو اس لیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ رب ہے کہ آپ کو ضائع نہ کرے گا اور آپ کو خوار نہ چھوڑے گا۔ عبدالمطلب نے کہا اے ہاتف نبی محمد صلعم کے پاس ہم کو کون لے جائے گا اور وہ کہاں ہیں کہ ہم ان کو پائیں۔ ہاتف نے کہا آپ تہامہ کے جنگل میں ہیں عبدالمطلب یہ سن کر ایسے حال میں سوار ہوئے کہ مسلح تھے۔ بعض راستہ پر پہنچے ورقہ بن نوفل سے ملے پھر سب مل کر گئے اور آپ کو ایک درخت کے نیچے پایا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس درمیان کو ابو مسعود الثقفی اور عمرو بن نوفل اپنے اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ یکایک ان دونوں نے آپ کو ایسے حال میں موجود پایا کہ آپ موز کے ایک درخت کے پاس کھڑے ہیں اور اس کے پتے لے رہے ہیں عمرو آپ کے سامنے ایسے حال میں آئے کہ آپ کو نہیں پہچانتے تھے۔ عمرو نے آپ سے پوچھا کہ آپ کون شخص ہیں آپ نے فرمایا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہوں یہ سن کر عمرو نے اپنے آگے آپ کو سوار کر لیا اور آپ کو عبدالمطلب کے پاس لائے اور ابن عباس سے روایت ہے کہ جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عبدالمطلب کی طرف پھیر دیا تو عبدالمطلب نے بڑے کوہان کے ہزار ناقے اور ایک رطل سونا آپ پر تصدق کیا اور حلیمہ کے واسطے افضل سامان سفر کا مہیا کیا۔ ایسا ہی تاریخ خمیس میں ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے حلیمہ سے پوچھا کون سی شے تم دونوں کو اس فرزند کے ساتھ پھیر لے لائی ہے تم دونوں کو یہ حرص تھی کہ آپ ہمارے پاس ٹھہریں ہم نے آپ کی والدہ ماجدہ سے کہا کہ ہم لوگ آپ پر آپ کے اتلاف کا خوف کرتے تھے (یعنے ان اسباب کا خوف ہوا جو عارض ہو کے اتلاف کے مقتضی ہوتے ہیں یا یہ کہ ہم کو یہ خوف ہوا کہ آپ مرض سے تلف نہ ہو جائیں) یہ سن کر آپ کی والدہ ماجدہ نے ہم دونوں سے فرمایا جو بات کہتے ہو کہ آپ کے تلف ہونے یا آپ کے بیمار ہو جانے کے خوف سے ہم آپ کو پھیر لائے ہیں یہ بات نہیں ہے تم دونوں اپنا سچا احوال مجھ سے بیان کرو کہ کس سبب سے آپ کو پھیر لائے ہو آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا واقعہ بیان کرنے سے ہم کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ ہم نے آپ کی خبر سے آپ کی والدہ ماجدہ کو خبر کی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے سن کر فرمایا کیا تم نے ان پر شیطان کا خوف کیا ہے (حلیمہ نے کہا بیشک یہ خوف کیا ہے) آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کہ شیطان سے آپ کو ضرر پہنچے واللہ شیطان کو آپ پر راستہ نہیں ہے۔ میرے اس بیٹے کا ضرور ایک عظیم امر ہونے والا ہے اس امر نے اس کو تمہارے پاس بلایا ہے۔ (یہ اس لیے فرمایا کہ زمانہ حمل اور وقت ولادت میں آپ کی والدہ ماجدہ نے انواع اسرار کا مشاہدہ فرمایا تھا)۔

طبقات ابن سعد

برہ بنت تجزاۃ کہتی ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے پہل ثوبیہ نے اپنے ایک لڑکے کے ساتھ دودھ پلایا جسے مسروح کہتے تھے' یہ واقعہ حلیمہ کی آمد سے قبل کا ہے ثوبیہ نے اس سے پہلے حمزہ بن عبدالمطلب کو دودھ پلایا تھا' اور اس کے بعد ابو سلمہ بن عبدالاسد المخزومی کو دودھ پلایا ابن عباس کہتے ہیں۔

ثوبیہ نے کہ ابو لہب کی لونڈی تھیں' حلیمہ کی آمد سے پیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چند روز

دودھ پلایا تھا اور آپ ہی کے ساتھ ابو سلمہ بن عبدالاسد کو بھی دودھ پلاتی تھیں لہٰذا ابو سلمہ آپ کے دودھ شریک بھائی تھے"۔

عروۃ بن الزبیرؓ سے روایت ہے کہ ثوبیہ کو ابولہب نے آزاد کر دیا تھا اور اسی وجہ سے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ ابولہب کے مرنے پر بعض لوگوں نے اس کو بدترین حالت میں خواب میں دیکھا تو پوچھا"۔

کہو کیا گزری؟

ابولہب نے کہا۔

تمہارے بعد ہمیں کوئی آسائش نہ ملی' البتہ میں ثوبیہ کو آزاد کرنے کے باعث اس میں سیراب ہوا۔ ابولہب نے اس میں کہا' تو انگوٹھے اور اس کے بعد انگلیوں کے پوروں کے درمیان اشارہ کیا تھا"۔

محمد بن عمر کئی اہل علم سے روایت کرتے ہیں جو کہتے تھے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں ثوبیہ کی خبر گیری فرماتے تھے' خدیجہ بھی ثوبیہ کی بزرگ داشت کرتیں ثوبیہ ان دنوں آزاد نہ تھیں' ان کی آزادی کی غرض سے خدیجہؓ نے ابولہب سے درخواست کی کہ ان کے ہاتھ فروخت کر دیں کہ آزاد کر دی جائیں۔ مگر ابولہب نے انکار کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مدینہ میں ہجرت کی تو ابولہب نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے بھی ثوبیہ کو صلے بھجواتے اور کپڑے دیتے تاآنکہ غزوہ خیبر سے واپس آتے وقت سنہ ۷ھ میں خبر ملی کہ ثوبیہ انتقال کر گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔

ثوبیہ کے بیٹے مسروح نے کیا کیا؟

کہا گیا"۔

وہ تو ثوبیہ سے پہلے ہی مر چکے تھے' ان کی قرابت میں بھی کوئی باقی نہیں"۔

قاسم بن عباس الاسلمی کہتے ہیں

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثوبیہ کا حال دریافت فرمایا کرتے اور ان کے لیے صلے اور کپڑے بھیجا کرتے تھے حتیٰ کہ ان کی وفات کی خبر آئی تو استفسار فرمایا۔

ان کی قرابت میں کون باقی ہے لوگوں نے کہا کوئی نہیں۔

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"۔

حمزہؓ بن عبدالمطلب میرے رضاعی بھائی ہیں"۔

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں"۔

حمزہؓ بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دودھ شریک بھائی تھے۔ آنحضرت کو بھی اور انہیں بھی ایک عربیہ نے دودھ پلایا تھا۔ قبیلہ بنی بکر کے لوگوں میں حمزہ کے دودھ پلانے کا انتظام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اپنی دودھ پلانے والی ماں حلیمہ کے پاس تھے کہ حمزہؓ کی والدہ نے آنحضرتؐ کو اپنا دودھ پلایا تھا"۔

ام سلمیٰؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی یا رسول اللہؐ آپ حمزہؓ کی لڑکی کی جانب سے کہاں (بھولے ہوئے ہیں)؟ یا آپ سے یہ کہا گیا حمزہؓ کی لڑکی کو آپ کیوں نہیں پیغام دیتے"۔

آنحضرتؐ نے فرمایا"۔

رضاعت کی حیثیت سے حمزہ میرے بھائی ہیں۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حمزہؓ کی بیٹی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی گئی تو فرمایا۔

وہ مجھ پر حلال نہیں وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے جو نسبت سے حرام و رضاعت سے بھی حرام ہے"۔

علی بن ابی طالب علیہ السلام کہتے ہیں کہ حمزہؓ کی لڑکی کی نسبت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی اور ان کے حسن و جمال کا بھی تذکرہ کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

ازروئے رضاعت وہ میرے بھائی کی لڑکی ہے"۔ کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جو نسبت سے حرام کیا ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہے"۔

محمد بن عبیداللہ کہتے کہ میں نے ابو صالح کو علیؓ (ابن ابی طالب) سے روایت کرتے سنا کہ وہ کہتے تھے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حمزہؓ کی لڑکی کے لیے تذکرہ کیا تو فرمایا وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے"۔

عراک بن مالک سے روایت ہے کہ زینب بنت ابی سلمہ نے ان کو خبر دی کہ ام حبیبہؓ (ام المومنین) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی۔

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ درۃ بنت ابی سلمہ سے نکاح کرنے والے ہیں"۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا:

أعلیٰ ام سلمۃ (کیا ام سلمہ پر!) پھر فرمایا۔

ام سلمہ سے نکاح نہ بھی کیے ہوتا تو بھی درۃ ابی سلمہ میرے واسطے حلال نہ ہوتی ازروئے رضاعت اس کا باپ تو میرا بھائی ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ا ص ۱۵۲ سطر ۱۰)

معارج النبوت

مجاہد نے کہا میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ پرندوں۔ جنات اور سحاب وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دودھ پلانے میں جھگڑا کیا؟ انہوں نے کہا ہاں تمام مخلوق الہی نے انسانوں کے سوا نزاع کیا کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متولد ہوئے۔ منادی نے آسمان سے ندا کی کہ اے گروہ خلائق محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عنایت الہی جل وعلا سے دنیا میں پرتو ڈالا ہے اور اس نور عرش نے خاکی فرش کو منور کیا۔ مبارک ہے وہ پستان جو اسے دودھ پلائے اور کیا کہنا ہے اس بندے کا جو اسے اٹھالے۔ مبارک ہے وہ جگہ جو اس کی مسکن ہے لامحالا مخلوق کا اس خالق کے برگزیدہ کو دودھ پلانے میں نزاع اسی وجہ سے تھا خطاب ہوا کہ جھگڑا مت کرو کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی مرضعہ کو انسانوں کی جنس سے منتخب فرمایا ہے اور یہ خلعت ان کے قد پر راست آیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا ہے۔ معارف النبوت جلد ۲ ص ۱۱۰ سطر ۱

ثویبہؓ دودھ پلاتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثویبہؓ کا دودھ پلانا ہے جمہور صحاب سیرت و تاریخ رحمہم اللہ اس امر پر متفق ہیں۔ نقل ہے کہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا وہ ابولہب کی کنیز ثویبہ تھی۔ اس نے اپنے بیٹے مسروح نامی کے ساتھ دودھ پلایا۔ سید الشہداء مسروح حمزہ۔ ابوسلمہ۔ مخزومی۔ عبداللہ بن جحش۔ اسدی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اخوت رضاعیہ اس وجہ سے تھی کہ تمام نے ثویبہ کے پستان سے دودھ پیا تھا اور اصحاب سیرت اس طرف گئے ہیں کہ پہلے سات روز اپنی والدہ کا دودھ پیا پھر سات روز ثویبہ کا اور بعض روایات میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو روز کے ہو گئے تو ثویبہ کو دودھ پلانے کا شرف حاصل ہوا اور اس مبارک عمل کو حلیمہ سعدیہؓ کے دودھ پلانے تک سرانجام دیتی رہی۔ واللہ اعلم۔
معارج النبوۃ جلد ۵۲ ص ۴۰ سطر ۱۰ تاریخ ابن خلدون جلد ۱ ص ۳۳ سطر ۱۰

نقل ہے کہ اس ثویبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب ولادت ولادت کی خبر خوشخبری کے طور پر ابولہب کو پہنچائی۔ ابولہب نے اسے آزاد کر دیا۔ اس آزاد کرنے کی وجہ سے ہر دو شنبہ کی رات جب کہ ثویبہ کو آزادی حاصل ہوئی۔ ابولہب کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ ابولہب کی وفات کے بعد میں نے اسے خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا تیرا کیا حال ہے اس نے کہا جس روز سے میری کشتی حیات گرداب ممات میں پھنسی ہے۔ عذات و عتاب کی موجوں کے طلاطم میں گرفتار ہوں لیکن ہر دو شنبہ کی رات جس میں ثویبہ آزاد ہوئی تھی۔ میرے عذاب میں تخفیف ہو

جاتی ہے۔ میری دونوں انگلیوں سبابہ اور وسطیٰ سے پانی کا قطرہ مل جاتا ہے۔ اس باب میں دوبیتیں کو سنیئے۔ ایک متمرد کافر جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تہنیت میں اپنے غلام کو آزاد کر دیتا ہے کفر و ضلالت کے باوجود عذاب میں تخفیف دیکھتا ہے۔ مومن موحد جو ہر روز صدق و صفا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثناء کرتا اور آپؐ پر درود بھیجتا ہے اور دل و جان سے سنت سید انس و جاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و ملازمت میں کمربستہ رہتا ہے اور تواہم پر دوسرا کی غلامی سے محفوظ ہوتا ہے اگر کل قیامت کو عذاب دوزخ سے آزاد ہو اور دونوں جہانوں کی مراد و مقصود کے حصول سے دل شاد ہو تو کیا عجب ثوبیہ کی وفات اور اسلام مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ نقل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد ثوبیہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئی تو وہ اس کی تعظیم و احترام کرتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے ساتھ شفقت و رعایت فرماتے اور ہجرت کے بعد ہدایا اور تحائف بھیجتے اور اسے مختلف تحائف سے نوازتے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی مہربانیوں سے نوازتیں۔ ۷ھ میں خیبر سے مراجعت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی وفات کی خبر پہنچی غمگین ہوئے اور پوچھا کہ اس کے قریبی رشتہ داروں سے کون زندہ ہے تاکہ اس کی خدمتگاری اور حق گذاری ختم نہ ہو۔ عرض کیا گیا کہ کوئی شخص نہیں ہے ثوبیہ کا ایمان لانا مختلف فیہ ہے۔ معارج النبوت جلد ۲ ص ۱۰ سطر ۱۰

حضورؐ کی رضاعت کے ابتدائی حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثوبیہ کے چند مرتبہ دودھ پلانے کے بعد حلیمہ بنت عبداللہ بن ابی ذویب بن الحارث بن جابر بن زرام بن ناضرۃ سعد بن بکر اس دولت سے سرفراز ہوئی اس واقعہ کی کیفیت یوں ہوئی کہ اہل مکہ اور سرداران قریش کی عادت تھی کہ بعض اپنی فضیلت اور عظمت و شوکت کی وجہ سے بعض مکہ کی ہوا کے شدید گرم ہونے کی وجہ سے مکہ کی وباء کے توہم اور بعض اس وجہ سے کہ ازواج کے تمام اوقات انکی خدمت میں صرف نہ ہوں اپنے بچوں کو دائیوں کے سپرد کر کے اطراف قبائل میں بھیج دیتے تھے تاکہ شیریں پانی اور لطیف ہوا میں پرورش پائیں اور ہر سال دو مرتبہ موسم ربیع اور موسم خریف میں واپس آتیں چونکہ اشراف و اغنیاء مکہ سے مستحقین کو بیشمار فوائد اور دولت ملتی تھی اطراف و حوالی مکہ سے بہت سے عورتیں حرم میں آتیں اور اشراف و اکابر عرب کے بچوں کو حضانت اور ارضاع کے لیے اپنے گھروں کو لے جاتی تھیں۔ معارج النبوت جلد ۲ ص ۱۱ سطر ۲۶

بنی سعد کی عورتیں مکہ میں: کہتے ہیں کہ اس قبیلہ میں عظیم قحط رونما ہوا تھا چنانچہ پستانوں میں دودھ جنگل میں گھاس اور باغوں میں درخت خشک ہو گئے تھے چوپائے لاغر اور لوگ بیقرار ہو گئے تھے حلیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہے کہ اس سال ہم جنگلوں میں گھومتے اور گھاس کی جڑیں کھاتے تھے اور خدا کا شکر بجالاتے

کبھی تین روز اور کبھی اس سے بھی زیادہ فاقہ سے گذر جاتے۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ تین دن رات ہم نے کچھ نہیں کھایا اور بھوک سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اتفاقاً اس انتہائی گرسنگی میں مجھے وضع حمل کا واقعہ پیش آگیا اور درد زہ بھوک کے ساتھ جمع ہو گیا میں روتی تھی لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ درد زہ سے روتی ہوں یا شدت بھوک سے۔ کبھی اس حد تک میرے ہوش و حواس گم ہو جاتے کہ زمین و آسمان میں فرق نہیں کر سکتی تھی اور دن اور رات میں تمیز نہیں ہو سکتی تھی۔ اس رات میں صحرا میں تھی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے نیند آگئی میں نے دیکھا کہ ایک شخص آیا اور مجھے اٹھا کر ایسے پانی میں جو دودھ کی مانند سفید ہے غوطہ دیتا تھا اور کہتا تھا۔ اس سے خوب پانی پی لے تاکہ تجھ میں کافی دودھ ہو جائے کیونکہ عزت سرمدی اور دولت ابدی تیری طرف مبذول ہو گی۔ میں جس قدر پیتی تھی وہ اور زیادہ مبالغہ کرتا تھا اور اس کے پینے پر برا انگیختہ کرتا تھا۔ وہ پانی شہد سے زیادہ شیریں اور دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ آخر اس مرد نے مجھے کہا۔ مجھے پہچانتی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا میں تیری وہ حمد و شکر ہوں جسے تو محنت و مشقت کی حالت میں کہتی تھی۔ اے حلیمہؓ تو وہاں بطحاء مکہ کی طرف رزق میں وسعت پائے گی۔ اور روشنی و نور اور نور و ضیاء وہاں سے اپنے ہمراہ لائے گی۔ اس نے مجھے اس واقعہ کے پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کی۔ میرے پیٹ پر اس نے ہاتھ مارا اور کہا زاد اللہ لک الرزق و اجر اللبن خدا تعالیٰ تیرے دودھ کو زیادہ کرے اور تجھے کشادہ روزی عنایت فرمائے۔ میں جب بیدار ہوئی اپنے پستانوں کو دودھ سے بھرا ہوا دیکھا اور بھوک اور گرسنگی کی تمام علت مجھ سے جاتی رہی۔ تمام قبیلہ بڑی تنگی اور طعام کی کمی کے دن گزارتا تھا۔ سوکھ کر حرف نون کی مانند ٹیڑھے ہو گئے سرداروں کی پشت پیٹ سے جا لگی تھی۔ بے استطاعت بھوکوں کی فریاد آسمانوں کو پہنچی تھی۔ طعام کے فقدان کی وجہ سے ان کا دن جزع و فزع سے شام کرتا تھا القصہ اس خواب کی برکت سے میری حالت بالکل تبدیل ہو گئی۔ چنانچہ دوسرے روز میرے قبیلہ سے مجھے جو بھی دیکھتا تعجب کرتا اور کہتا اے حلیمہؓ کیا بات ہے کل تو ضعیف اور کمزوری کی حالت میں تھی اور آج ملوک و سلاطین کی دلہنوں کی مانند معلوم ہوتی ہے چونکہ مجھے خواب کو پوشیدہ رکھنے کا حکم تھا۔ میں اسے ظاہر نہیں کرتی تھی اسی اثنا میں میرے قبیلہ کے لوگوں نے مکہ کا قصد کیا تاکہ گزارے کے لیے ہر شخص قریش کی اولاد سے حضانت کے طور پر کوئی لڑکا اختیار کرے میں بھی اپنے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ بن ملاں بن ناضرہ بن سعد بن بکر اپنے دونوں فرزندوں عبداللہ و انیسہ اور اپنی ہمشیرہ جس کا شیما نام تھا ہم تمام ان کے ساتھ تھے۔ شیما جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمشیرہ تھی اسے میں نے ہاتھ پر رکھا ہوا تھا۔ میرے پستان میں اتنا دودھ نہیں تھا کہ میں اسے رونے سے چپ کرا سکوں اور اس کے رونے کی وجہ سے نہ سو سکی القصہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ ہم نے بھی راہ مکہ میں موافقت اختیار کی۔ قیام اور کوچ کے وقت غیب سے آواز سنی تھی ہانف کہتا تھا اس سال خدا تعالیٰ نے اس فرخندہ مقدم مولود کی

برکت سے جو قریش میں پیدا ہوا ہے عورتوں پر حرام کر دیا ہے کہ ان کے ہاں لڑکی پیدا ہو اور کیا کہنے اس پستان کا جو اسے دودھ پلائے۔ اے بنی سعد کی عورتو! بھاگو تاکہ اس دولت سے مشرف ہو سکو۔ جب اس قبیلہ کی عورتوں نے یہ ندا سنی۔ بڑی جدوجہد اور کوشش سے حرم مکہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ہمارے پاس ایک گدھا تھا بہت لاغر جس کی ہڈیاں نکلی ہوئی تھیں ایک مدت سے اس نے گھاس اور چارا نہیں چکھا تھا۔ بھوک اور گرسنگی سے اس کی ہڈیاں ہی باقی رہ گئی تھیں اور ضعف و ناتوانی کی وجہ سے قدم نہیں اٹھا سکتا تھا اور قدم سے قدم جدا نہیں کر سکتا تھا۔ ایک اونٹنی بھی انتہائی کمزور اور لاغر ہمارے ہمراہ تھی۔ کسی بھی تدبیر و حیلہ سے دودھ کا ایک قطرہ بھی اس سے حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ القصہ گرتے پڑتے قافلے کے پیچھے چلے جاتے تھے ہم ہر چند کوشش کرتے لیکن ان تک نہ پہنچ سکتے تھے میرا خاوند کہتا کوشش کر اور ان سے آگے نکل جا کیونکہ قبیلہ کی ہر عورت جلیل القدر اولاد کو حاصل کر لے گی اور تو مایوس ہو جائے گی۔ میں ہر چند کوشش کرتی اور گدھے کو ذرا دھکا کر چلاتی مگر ان تک نہیں پہنچ سکتی تھی لیکن دائیں بائیں سے یہ آواز سنتی تھی جو غیب سے مجھے کہتے تھے **ھنیئا لک یا حلیمہ** اور ہم جس چیز کے پاس سے گزرتے وہ کہتی۔ اے حلیمہ! تیرا پستان خوش قسمت ہے کہ وہ نور تاباں اس سے دودھ پیئے گا۔ اچانک پہاڑ کے شگاف سے کھجور کے بلند و بالا درخت کی مانند بلند و بالا شخص مجھ پر ظاہر ہوا اس کے ہاتھ میں نور کا حربہ تھا۔ اس نے میرے گدھے کے پیٹ پر ہاتھ مارا اور کہا اے حلیمہؓ خدا تعالیٰ نے مجھے تجھے خوشخبری دینے کے لیے بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ سرکش شیطانوں کو تجھ سے دور کروں میں نے اپنے خاوند سے کہا کیا جو کچھ میں دیکھتی ہوں تو دیکھتا ہے یا جو میں سنتی ہوں تو سنتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے کہ میں تجھے خوفزدہ دیکھتا ہوں ہم نے چلنے میں جلدی کی یہاں تک کہ مکہ سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر ہم نے قیام کیا۔ اس جگہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے سرہانے سرسبز و شاداب اور بہت سی ٹہنیوں والا درخت سایہ کیے ہوئے ہے وہ گوناگوں تر کھجوروں سے بھرا ہوا ہے اور بنی سعد کی تمام عورتیں میرے گرد جمع ہو گئی تھیں اور کہتی تھیں۔ اے حلیمہؓ تو ہماری ملکہ ہے۔ اس درخت سے ایک کھجور میری جھولی میں آ پڑی۔ میں نے اسے اٹھا کر کھا لیا۔ وہ کھجور شہد سے بھی زیادہ میٹھی تھی۔ میری طبیعت سے اس کی حلاوت کا مزہ نہیں گیا۔ حتیٰ کہ جس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے جدا کر دیے گئے تو یہ حلاوت بھی جاتی رہی۔ میں نے اس خواب کا کسی کے سامنے ذکر نہیں کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز منظور ہو گی تو سامنے آ جائے گی۔

پیر کا دن تھا میں مکہ میں پہنچی۔ میرے قبیلے کی دوسری عورتیں پہلے ہی مکہ میں پہنچ چکی تھیں اور قریش کے مالدار گھرانوں میں پہنچ کر اپنے لیے بچوں کی بات کر چکی تھیں۔ بنی مخدوم وغیرہ قبیلے کے بچے انہوں نے اپنے لیے مخصوص کر لیے تھے۔ میرا اپنا بچہ بھی سفر کی تکان سے اس دن بیمار تھا دودھ نہیں پیتا تھا اور یتیم

بے ہوش سا نظر آتا تھا گویا مردہ ہے ناگاہ میں نے دیکھا کہ بچے نے حرکت کی۔ آنکھیں کھولیں اور مسکرایا میں اس کی اس ادا پر بڑی متعجب ہوئی چنانچہ اسے گھر چھوڑ کر میں شہر کی طرف نکل کھڑی ہوئی میں ادھر ادھر مختلف گھروں میں مارے مارے پھرتی رہی تاکہ مجھے کوئی بچہ مل جائے لیکن میری ساری کوششیں بیکار گئیں۔ بنی سعد کی عورتیں اپنی مرضی کے مطابق بچوں کو لے چکی تھیں انہیں بڑے بڑے امراء اور اغنیاء کے بچے مل گئے تھے۔ میں اس صورت حال سے بڑی مغموم اور آزردہ خاطر تھی۔ میں اس سفر پر لعن طعن کر رہی تھی اور دل ہی دل میں اپنی قسمت کو کوس رہی تھی۔ ناگاہ مجھے ایک ایسا شخص نظر آیا جو عظمت و حشمت کے آثار پیشانی پر لیے ہوا تھا۔ نور کرامت اور رعب شہامت اس کی شخصیت سے ٹپک رہا تھا۔ وہ زور سے آواز دے رہا تھا کہ بنی سعد کی عورتوں میں سے کوئی ہے جس نے ابھی تک بچہ نہ لیا ہو۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے مجھے بتایا گیا کہ مکہ کے ایک بزرگ بنو ہاشم سے عبدالمطلب ہیں۔ میں آپ کے پاس گئی سلام عرض کیا اور کہا میں سعد کی ایک عورت ہوں۔ آپ نے نام پوچھا تو میں نے بتایا حلیمہ۔ مسکراتے ہوئے فرمانے لگے۔ **بخ بخ خصلتان حسنتان سعد و حلم فیھما عز الدھر و عز الابد** (واہ واہ۔ تم میں دو چیزیں خوبصورت اور اچھی یکجا پائی جاتی ہیں۔ سعادت اور حلیمی۔ یہ دونوں عادات دنیا و آخرت میں پسندیدہ ہیں) پھر کہنے لگے۔ حلیمہ میرا ایک بچہ ہے یتیم اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے۔ میں نے بنی سعد کی ساری عورتوں کو دکھایا مگر کسی نے قبول نہیں کیا تمام نے کہا جس کا باپ نہیں اس سے کیا فائدہ ہو گا۔ مجھے امید ہے تم یتیم بچے کو لے کر فائدہ اٹھاؤ گی۔ میں نے کہا آپ مجھے اجازت دیں میں اپنے شوہر سے بات کر لوں۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا ہاں اس میں کوئی قباحت نہیں۔ میں اپنے شوہر کے پاس آئی۔ ساری بات بیان کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں فرحت اور سرور پیدا کیا مجھے کہنے لگا۔ جاؤ اور اس بچے کو فوراً قبول کر لو ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسری عورت لے جائے لیکن میری ہمشیرہ کے لڑکے نے کہا "افسوس بنی سعد کی عورتوں نے اشراف اور مالداروں کے بچے لے کر جمعیت اور بزرگی حاصل کر لی اور تم یتیم بچے کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہو جس کی کفالت محنت و مشقت کی زیادتی کا موجب ہے۔ حلیمہؓ کہتی ہیں کہ اس بات سے میرے عزم میں تزلزل پیدا ہوا۔ اسی وقت میرے دل میں الہام ہوا کہ اگر تو نے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو چھوڑ دیا تو ہرگز فلاح نہیں پائے گی۔ میں نے بھانجے کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی میں نے کہا قوم کی تمام عورتیں دودھ پلانے کے لیے بچے لے جائیں اور میں کوئی فرزند ساتھ نہ لے جاؤں! خدا کی قسم میں اسے ہی لوں گی اگرچہ اس کا باپ نہیں ہے لیکن اس کا دادا عبدالمطلب ہے۔ میں اسے یتیم ہونے کی وجہ سے رد نہیں کروں گی۔ اگر اس در یتیم کا مرتبہ کوئی اور نہیں پہچانتا تو میں پہچانوں گی۔

زاں دلبر یگانہ ہر کس خبر ندارد ؎ ہر شناس داند در یتیم مارا

مجھے امید ہے کہ جو خواب میں نے دیکھا ہے وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ وہ میری مدد کرے گا۔ میں واپس چلی اور عبدالمطلب کے پاس گئی میں نے کہا وہ فرزند ارجمند کہاں ہے؟ لائیے تاکہ میں اسے دیکھوں' اس بات سے ان کا چہرہ چمک اٹھا اور بے پناہ خوشی و مسرت سے کہا۔ حلیمہؓ کیا تو نے میرے فرزند کو دودھ پلانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں نے کہا ہاں عبدالمطلب سجدہ شکر بجالائے پھر سر اٹھایا اور آسمان کی طرف رخ کر کے کہا۔ الہی! حلیمہؓ کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سعادت افروز فرما' پھر مجھے آمنہؓ کے گھر لے گئے۔ میں نے ایک عورت دیکھی جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ عبدالمطلب نے میرا نام اور حال بیان کیا۔ اس نے کہا **اہلاً وسہلاً یا حلیمہؓ** پھر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اس مکان میں لے گئی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ آپ کو سفید صوف کے کپڑے میں لپٹا ہوا تھا' کستوری کی مانند خوشبو آ رہی تھی ان کے نیچے ریشم کا سبز ٹکڑا پڑا ہوا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو رہے تھے' جب میں نے آپ کا چہرہ کھولا تو بچہ دیکھا جس کا چہرہ مبارک خورشید کی مانند چمک رہا تھا اور انوار حسن و جمال ذوالجلال اس کی ذات باکمال کے آئینہ سے تاباں تھے میں نے اپنے آپ سے کہا

برآمد اختر دولت بطالع مسعود ۔۔۔ زمطلع شرف ایں ماہ من چو رد ے نمود

مباش منکر او ضایع روزگار ایاز ۔۔۔ کہ ہست عاقبت کار عاشقاں محمود

حلیمہؓ کہتی ہیں کہ جب میری نظر مبارک فرزند دلبند کے جمال پر پڑی میں ہزار جاں اس پر فریفتہ ہو گئی۔

مرو ماں درمن و بے ہوشی من حیرانند ۔۔۔ من دراں کس کہ ترا بیند و حیراں نشود

دفعتاً میں نے دیکھا کہ میرے جسم کی تمام رگوں سے دودھ نے پستان کی طرف جوش مارا اور اس کی محبت میرے روح کی گہرائی میں اس قدر جاگزیں ہو گئی کہ میں نے اپنے ہاتھ کو اور ایک روایت میں اپنے پستان کو آپ کے سینے پر رکھا یہاں تک کہ میں نے انہیں خواب سے بیدار کیا۔ آپ نے اپنی آنکھیں کھول دیں میری طرف دیکھا اور تبسم فرمایا میں نے ان کے تبسم میں وہ ملاحت دیکھی جو کسی حسین کی مسکراہٹ میں بھی نہیں دیکھی۔ میں نے ایک نور دیکھا جو ان کی دونوں آنکھوں سے منعکس ہوا جس کی شعاعیں آسمان کو پہنچیں' میں نے اسی وقت ان کا منہ چوم لیا۔ میں اپنی اس حالت کو آمنہؓ سے چھپاتی تھی ایسا نہ ہو کہ اسے اس حال کی خبر ہو جائے۔ اس کے بعد میں نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا اور دایاں پستان ان کے منہ میں دیا۔ انہوں نے دودھ پینا شروع کیا۔ جب میں نے بایاں پستان ان کی طرف کیا تو وہ رک گئے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اسی وقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انصاف کی توفیق دی گئی کہ ایک پستان کو اپنے دودھ شریک بھائی کے لئے چھوڑ دیا۔ حلیمہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنا دایاں پستان ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے محفوظ رکھتی اور بایاں اپنے فرزند ضمرہ کو دیتی تھی۔ میرا فرزند دائیں پستان سے ہرگز دودھ نہیں چوستا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بائیں پستان سے دودھ نہیں پیتے تھے۔

پھر اسی طرح دودھ پیتے تھے' دودھ پینے کے بعد جب میں منہ صاف کرنا چاہتی تو غیب سے مجھ پر سبقت لے جاتے۔ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ پینے سے فارغ نہیں ہو جاتے تھے میرا فرزند پستان منہ میں نہیں لیتا تھا۔ (معارج النبوت رکن ۲ ص ۳۲ سطر ۴)

بھلی ساعت آئی دولت ایمان ہاتھوں میں

حلیمہؓ کہتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری گود میں تھے اور دودھ پی رہے تھے۔ میں آپ کی خواب آلود آنکھوں کی طرف دیکھ رہی تھی اور خوشی مجھ سے ضبط نہیں ہو رہی تھی میں چاہتی تھی کہ جلد از جلد انہیں اپنے گھر لے جاؤں تاکہ میرا خاوند بھی ان کے دیدار سے سعادت افروز ہو۔ عبدالمطلب نے کہا' حلیمہ! تجھے بشارت ہو کہ کوئی عورت بھی اپنے قبیلہ کی طرف سے اس طرح واپس نہیں جائے گی جیسا کہ تو جا رہی ہے جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا کر گھر لے جا رہی تھی تو آمنہ نے کہا' اے حلیمہؓ! مجھ سے ملے بغیر مکہ سے باہر نہ جانا کیونکہ اس فرزند کے متعلق میں نے عجیب واقعات مشاہدہ کئے ہیں۔ اس کے متعلق مجھے تجھ سے کچھ وصیتیں کرنی ہیں ان سے بعض واقعات کو بیان کیا اور بعض کو رخصت کے وقت موقوف رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان واقعات سے جو مجھے آمنہؓ نے بتائے پہلا یہ تھا کہ تین دن رات پہلے مجھے خواب میں کہا گیا کہ اپنے فرزند کو قبیلہ بنی سعد میں اس کے سپرد کرنا جو ابی ذویب سے نسبت رکھتا ہو' میں نے کہا اے آمنہؓ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں بنی سعد سے ہوں اور میرے خاوند اور باپ کی کنیت ابی ذویب ہے اور یہ حسن اتفاق ہے کہ تیرے خواب کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔ آمنہؓ نے اس کے علاوہ اور بہت سے واقعات غریبہ جو اس ارجمند سعادتمند کوکب کے طلوع کے وقت مطلع سعادت سے ظہور پذیر ہوئے تھے مجھے بتائے اور مجھے وصیتیں کیں' میں فرزند کو اٹھا کر اپنے گھر لے آئی۔ جب میرے خاوند کی نظر اس فرزند پر پڑی اور جمال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اپنے احوال پر ضبط نہ کر سکا' فی الفور اٹھا اور سجدۂ شکر بجا لایا' اور کہا' اے حلیمہؓ! میں نے جن و انس میں اس سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔ حلیمہؓ کہتی ہیں کہ اس وقت سے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر لائی بہت زیادہ برکت اور سکون پایا اور امور غریبہ اور واقعات عجیبہ مشاہدہ کئے۔ اس فرزند کے وجود کی برکت کے تمام آثار جو ہمارے خاندان میں نہیں تھے پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ ہماری کمزور اونٹنی جو کسی بھی تدبیر اور حیلہ سے ایک قطرہ دودھ نہیں دیتی تھی اس نے اس رات اس قدر دودھ دیا کہ تمام برتن بھر گئے' میرے خاوند نے کہا' اے حلیمہؓ! ہمارے خاندان میں برکت آ گئی' حق تعالیٰ کی ہم پر نظر کرم تھی کہ اس سعادت مند فرزند کے دیدار سے ہم

مشرف ہو سکا۔
دوسرا واقعہ یہ کہ اسی رات میں خواب سے بیدار ہوئی دیکھا کہ اس کے گرد ایک نور پھیلا ہوا ہے۔ اور ایک سبز پوش کوئی اس کے سرہانے کھڑا ہے۔ میں نے اپنے خاوند کو نیند سے بیدار کیا اس نے بھی اس صورت کو ملاحظہ کیا اور بڑا تعجب کیا اور کہا خبردار ان واقعات کو ظاہر نہ کرنا اور ان اسرار کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنا کیونکہ جب سے یہ فرزند پیدا ہوا ہے علماء یہود اور علمائے نصاریٰ کو نہ دن کو چین ہے نہ رات کو قرار' ہم ابدی تونگری کے ساتھ گھر کو لوٹیں گے' کہتے ہیں کہ حلیمہؓ مکہ میں تین روز اور ایک روایت کے مطابق سات روز قیام کیا اور ہر روز آمنہؓ کے پاس جاتی وہ ان عجائبات کو جو مدت حمل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تولد کے وقت دیکھے تھے اس سے بیان کرتی اور وصیت کرتی تھی اور اپنے فرزند کی حفاظت کی انتہائی کوشش کرتی تھی۔ حلیمہ کہتی ہے کہ آخری بار جب میں نے آمنہؓ کو الوداع کہا تو مجھے اس نے بہت سی عنایتوں سے نوازا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بہت سی وصیتیں کیں' میں انہیں قبول کرکے اپنے قبیلہ بنی سعد کی طرف متوجہ ہوئی' راستہ میں اپنے گدھے پر سوار ہوئی۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے آگے بٹھا رکھا تھا۔ میرا گدھا بہت چست و چالاک ہو گیا اور اپنی گردن کو اوپر اٹھا لیا گویا وہ رقص کرتے ہوئے ہاتھ پاؤں زمین پر مارتا ہے اور فخر سے سر اونچا کرتا تھا۔
(معارج النبوت جلد ۲ ص ۱۸ سطر)

حلیمہؓ اپنے گھر کو روانہ ہوتی ہیں

دوران سفر میں نے دیکھا کہ میرا گدھا بڑی خوشی سے کعبہ کی طرف متوجہ ہوا اور تین مرتبہ اپنا سر زمین پر رکھا اور واپس آگیا' قافلہ کی تمام سواریوں سے آگے بڑھ جاتا' بنی سعد کی عورتیں متعجب ہو کر کہتی تھیں' حلیمہ! اپنی سواری کی باگ کھینچ کر رکھو تاکہ ہم تیرا ساتھ دے سکیں' یہ وہی گدھا نہیں ہے جو مکہ جاتے وقت کمزوری سے چل بھی نہیں سکتا تھا؟ اور تمام جانوروں سے پیچھے رہ جاتا تھا۔ میں نے کہا ہاں' انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی راز ہے اور اس کی بڑی شان ہے۔
میں نے سنا ہے کہ میرا گدھا فصیح زبان میں کہتا تھا "خدا کی قسم میری بڑی شان ہے کہ میں زندہ ہو گیا اور طاقت پائی اے بنی سعد کی عورتو! تم نہیں جانتی کہ میں کس کو اٹھائے ہوئے ہوں میں حامل رسول رب العالمین ہوں۔ دنیا کی خوشی اور حقیقی کا نور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دم سے ہے۔"
راستہ میں اطراف و صحرا میں سے یہ آواز سنی تھی' کہنے والا کہتا تھا "اے حلیمہؓ آخر کار غنی ہو گئی اور بنی سعد کی عورتوں میں بزرگ ہو گئی۔" بکریں میں ایک روز کے پاس سے گزری' تمام بکریاں ایک ایک کرکے

میرے پاس آئیں اور کہتی تھیں حلیمہؓ جانتی ہو تمہارا دودھ پینے والا کون ہے؟ آسمان و زمین کے پروردگار کے رسول' اور بہترین فرزندان آدم علیہ السلام۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ میں نے جس جگہ اور مقام میں قیام کیا وہ جگہ سبز و شاداب ہو گئی اور بہت سا گھاس وہاں پیدا ہو گیا ایک اور واقعہ حلیمہؓ کہتیں کہ راستہ میں ہم ایک سرائے میں ٹھہرے۔ ہذیل کا ایک شیخ وہاں موجود تھا' عورتوں نے مجھ سے کہا اس بچہ کے متعلق اس کی ماں نے جو عجیب و غریب حکایات ذکر کی ہیں اس شیخ سے پوچھو۔ میں نے کہا اے شیخ! اس بچے کی والدہ کہتی ہے کہ اس بچے کی ولادت کے وقت مجھ سے نور پیدا ہوا جس سے تمام چیزیں روشن ہو گئیں۔ جب یہ زمین پر آیا خاک کی ایک مٹھی پکڑ لی' پھر آسمان کی طرف رخ کیا' ہذیل چیخ اٹھا کہ اے آل ہذیل اس بچہ کو قتل کر دو کیونکہ یہ زمین کا مالک اور سردار ہو جائے گا اور یہ منتظر ہے کہ آسمان سے اس پر وحی نازل ہو۔ واللہ العاصم۔ ہم سعد طالع کی مصاحبت میں بنی سعد کے ساتھ چلے جاتے تھے یہاں تک کہ ہم اپنے قبیلہ بنی سعد کی زمین میں پہنچ گئے۔ اس کے بعد ہم نے نقصان اور تنگی کا منہ نہیں دیکھا۔ ہمارے قبیلہ کے لوگ قحط و گرانی میں زندگی گزارتے تھے اور ہم سے حسد و نفاق کرتے تھے۔ میری بھیڑ بکریاں خوب پیٹ بھر کر اور دودھ سے بھرے ہوئے پستانوں کے ساتھ واپس گھر لوٹتی تھیں اور قوم کے چوپائے تمام انعامات سے محروم تھے۔ بنی سعد' دن رات اپنے خدام سے جھگڑتے تھے کہ تم اپنی بکریوں کو اس چراگاہ میں کیوں نہیں چراتے جہاں حلیمہؓ کی بکریاں چرتی ہیں۔ وہ جواب دیتے کہ تمام مویشی ایک ہی چراگاہ میں چرتے ہیں لیکن جب واپس آتے ہیں تو ان کی بکریوں کے پستان دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور ہمارا مال گویا پائمال ہے۔

حلیمہؓ سعدیہ سے روایت بیان کی ہے کہ اہل قبیلہ اپنے چرواہوں کو کہتے کہ اپنی بکریوں کو میری بکریوں کے ساتھ اس جگہ چرائیں جہاں میری بکریاں چرتی ہیں وہ اپنے مویشی کو بھی اسی جگہ چراتے' اس وجہ سے حق تعالیٰ ان کے مویشی میں بھی برکت پیدا فرما دیتا تھا' جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں رہے آپؐ کے وجود بے نظیر سے قسما قسم کی خیرات و برکات قبیلہ بنی سعد کے شامل حال رہیں۔ حلیمہؓ سے روایت کی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قبیلہ میں بڑی عمدگی سے نشونما پاتے رہے چنانچہ امام عبداللہ موذ رحمتہ اللہ علیہ نے مناظر میں ایک روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو ماہ کے ہوئے بچوں کے ساتھ ہر طرف لڑھکتے ہوئے جاتے تھے اور جب تین ماہ کے ہو گئے تو اٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔ جب چار ماہ کے ہوئے' دیوار کے ساتھ ہاتھ رکھ کر ہر طرف چلتے تھے۔ پانچ مہینوں میں چلنے پھرنے کی پوری قوت حاصل کر لی اور جب چھ ماہ کے ہوئے تیز چلنا شروع کر دیا۔ سات ماہ میں ہر طرف خوش اسلوبی سے بھاگتے تھے۔ جب آٹھ ماہ کے ہوئے اس طرح بات کرتے کہ سمجھی جا سکتی تھی۔ نو ماہ کی عمر میں فصیح باتیں کرنا شروع کر دیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک دس ماہ کی ہو گئی تو

بچوں کے ساتھ تیر اندازی میں سبقت لے جاتے آواز فرماتے للہ دوک یا نفس انا ابن عبدالمطلب یعنی اے نفس تجھے خدا بھلائی دے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں' انہی ایام میں آپ سے لوگوں نے پوچھا تم کون ہو؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا میں طاقت کے اعتبار سے مردوں میں ایک مضبوط ترین عرب ہوں اور ان اہل عرب کے لئے شراب کا ایک تلخ جام' نیزہ زنی میں ان سب سے زیادہ دلیر' دین میں سب سے اعلیٰ ہوں' میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ جب آپؐ دو سال کے ہوئے تو جواں سال تھے۔ (معارج النبوت جلد ۲ ص ۲۷ سطر ۱۹)

حضور آغاز گفتگو فرماتے ہیں

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باتیں شروع کیں تو حلیمہؓ کہتی ہیں کہ پہلی بات جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی رات کے دوران تھی کہ **مازاغ البصر و ما طغی** کی نرگسی آنکھیں صحیفہ آسمانی کے صفحہ پر وا تھیں اور پوری فصاحت سے یہ کلمہ متبرک زبان سے ادا فرمایا **لا الہ الا اللہ قدوسا قدوسا نامت العیون والرحمٰن لا تاخذہ سنۃ ولا نوم** اور ایک روایات میں یوں وارد ہے کہ جب گفتگو کا آغاز کیا تو سب سے عجیب تر یہ بات تھی کہ آواز بلند کی اور فرمایا **لا الہ الا اللہ واللہ اکبر والحمد للہ رب العلمین** اور جب سے آپؐ نے باتیں کرنا شروع کیں بسم اللہ پڑھے بغیر کسی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا اور نہ ہی بائیں ہاتھ سے کسی چیز کو پکڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رعب کی وجہ سے میں نے دو سال تک ابتدائے شیر خوارگی سے دودھ چھڑانے تک اپنے خاوند اور موجبات غسل سے احتراز کیا۔ دوران شیر خوارگی آپؐ کی دیکھ بھال سے مجھے بہت آرام و آسائش تھی اور آپؐ نے کبھی بھی کسی ایسی چیز پر پیشاب نہیں کیا جسے دھونا پڑے بلکہ دن رات میں صرف ایک مرتبہ مقررہ وقت پر پیشاب فرماتے تھے جب میں آپؐ کو نہلانا چاہتی تو غیب سے مجھ پر سبقت لے جاتے اگر شرمگاہ ظاہر ہو جاتی تو غضب ناک ہو جاتے اور فریاد کرتے یہاں تک کہ میں اسے ڈھانپ دیتی' جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلنے لگے تو جب دوسرے بچوں کو کھیل کود میں مشغول دیکھتے ان سے دور رہتے اور انہیں کھیل سے منع فرماتے اور فرماتے کہ ہمیں کھیل کود کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔ دوسرے بچوں کی طرح ہرگز تراجی اور گریہ نہیں کرتے تھے۔

نور خدا کی کرنیں

روزانہ آفتاب کی مانند ان پر ایک نور اترتا جو انہیں ڈھانپ لیتا اور پھر کھل جاتا۔ روزانہ سفید جامہ دو مرد

اور ایک روایت میں دو سفید مرغ آتے اور ان کے گریبان میں داخل ہو کر غائب ہو جاتے تھے۔ ایک روز میری گود میں تھے کہ وہاں سے چند بکریاں گزرنے لگیں ان میں سے ایک بکری آئی اور جلدی سے اپنا ماتھا زمین پر رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور واپس چلی گئی۔ چاند سے باتیں کرتے اور اشارہ فرماتے چاند آپ کے اشارہ سے منقلب ہوتا جیسا کہ بچہ کو رونے سے مشغول رکھنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ چاند آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حالت گریہ میں بہلایا کرتا تھا۔ حافظ ابو القاسم تیمی رحمتہ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں بیان کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے نشانات نبوت میں سے جن باتوں نے مجھے اسلام کی طرف رہنمائی کی ایک یہ تھی کہ آپؐ پنگھوڑے میں تھے' چاند کو میں نے دیکھا کہ آپ سے کھیل رہا ہے' آپ انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے جس طرف آپؐ چاہتے وہ اس طرف مائل ہو جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہم آپس میں باتیں کرتے تھے' وہ مجھے رونے سے روکتا تھا اور وہ میرے پنگھوڑے کے پائے پر سجدہ کرتا تھا میں اس کی آواز سنتا تھا اور ایک روایت یوں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کو تیز نظروں سے گھور رہے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' چچا جان! کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے کہ مجھے یوں دیکھ رہے ہو؟ عرض کیا میرا ایک سوال ہے وہ یہ کہ ایک روز حلیمہؓ نے آپ کو اٹھایا ہوا تھا اور آپؐ اس زمانے میں چالیس دن کے تھے میں نے دیکھا کہ آپؐ چاند سے مخاطب ہیں اور چاند آپؐ سے باتیں کرتا تھا لیکن ایسی زبان کہ میں اسے نہیں سمجھتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' میری والدہ نے میرا ہاتھ مضبوطی سے باندھ رکھا تھا' میں اسکی تکلیف سے رونا چاہتا تھا' چاند نے کہا' مت روئیے۔ اگر آپ کے آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی زمین پر ٹپکا تمام سبزہ خشک ہو جائے گا۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعجب سے ہاتھ پر ہاتھ مارا' فرمایا اے چچا میں اس سے بھی زیادہ حیران کن بات کہتا ہوں' عرض کیا یا نبی اللہ فرمایئے۔ اس کے بعد میرا بایاں ہاتھ مضبوط باندھا گیا۔ میں نے رونا چاہا۔ چاند نے کہا مت روئیے اے اللہ کے حبیب اگر آپ کے آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی زمین پر گیا تو قیامت تک اس سے گھاس نہیں اگے گا۔ میں اپنی امت پر شفیق ہونے کی وجہ سے خاموش ہو گیا' عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر تعجب سے ہاتھ مارا' عرض کیا' بیٹے آپؐ انہیں کیسے جانتے تھے حالانکہ آپ چالیس دن کے تھے؟ فرمایا' اے چچا' مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں قلم کی آواز کو لوح محفوظ پر چلتے ہوئے سنتا تھا حالانکہ میں ابھی رحم کی تاریکی میں تھا۔ اے چچا اور اس سے بھی بڑھ کر کہتا ہوں' عرض کیا فرمایئے' فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جب آفتاب و ماہتاب خدا تعالیٰ کو سجدہ کرتے

تھے ان کی آواز کو سنتا تھا۔ حالانکہ میں ظلمت مشیمہ میں تھا۔ اے چچا اور اس سے بھی زیادہ کہتا ہوں۔ میں
نے عرض کیا ہاں فرمائیے' فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ خدا
تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر پیدا فرمائے۔ چالیس سال کی عمر سے پہلے کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ
پیغمبر ہے۔ سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کہ جب متولد ہوئے فرمایا اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا
اور دوسرا آپ کا بھتیجا' فرمایا اے چچا میں اس سے بھی زیادہ کہوں' میں نے عرض کیا ہاں فرمائیے' فرمایا دو
شنبہ کی رات میں متولد ہوا۔ اسی رات حق سبحانہ تعالیٰ نے سات پہاڑ سات آسمانوں میں پیدا فرمائے اور ان
پہاڑوں کو اس قدر فرشتوں سے بھر دیا کہ ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' یہ فرشتے اس کی
تسبیح و تقدیس میں مشغول ہیں اور قیامت تک مشغول رہیں گے' ان کی تسبیح و تقدیس کا تمام ثواب اس
بندے کو عنایت فرماتے ہیں جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر ذوق و شوق سے اس طرح
صلوات بھیجے **اللھم صلّ علیٰ محمد و علیٰ آل محمد فی الاولین و الآخرین و فی الملأ الاعلیٰ الیٰ یوم
الدین** ایام شیرخوارگی کے واقعات متقدمین کی کتب متداولہ اور متاخرین کی مرتبہ تصنیفات میں شرح و بسط
سے بیان ہوئے ہیں اس نسخہ میں اسی پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ (معارج النبوت جلد ۲ ص ۳۲ سطر ۸)

خصائص کبریٰ

حضرت حلیمہؓ کہتی ہیں ہم آپؐ کو مکہ میں آپ کی والدہ کے پاس لے آئے۔ سیدہ آمنہ نے کہا تم انہیں کس
وجہ سے لے آئیں باوجودیکہ تم ان کو اپنے پاس رکھنے کی بڑی مشتاق تھیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہمیں ان
کے تلف ہو جانے یا اور کسی نئی بات کے رونما ہونے کا خوف ہے؟ انہوں نے پوچھا: "کیا بات ہوئی؟
ٹھیک ٹھیک اور پوری بات بتاؤ؟" ہم نے ساری صورت حال کہہ سنائی۔ انہوں نے کہا شاید تمہیں اندیشہ
لاحق ہوا کہ حضورؐ پر شیطان کا اثر ہوا ہے۔ واللہ' شیطان کا ہاتھ آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ میرا بیٹا بڑی
شان والا ہے۔ وہ بات میں تمہیں بھی بتا دوں جس کی خبر مجھ کو دے دی گئی ہے؟ ہم نے کہا ضرور بیان
کیجئے۔ تب انہوں نے کہنا شروع کیا:

"میں اس بچہ کے لئے حاملہ ہوئی تو دوران حمل کسی طرح کی گرانی اور بدمزگی محسوس نہ کی اور خواب میں
دیکھا کہ میرے جسم سے نور برآمد ہوا ہے جس کی ضو سے محلات شام روشن ہو گئے اور آپؐ کی پیدائش
ایک نادرہ روزگار ہے اور عجیب شان سے ہوئی آپؐ ہاتھوں پر ٹیک لگائے ہوئے آسمان کی جانب دیکھ رہے
تھے۔" (خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۱۳۰ سطر ۱۰)

دمشقی و ابن عساکر نے محمد بن زکریا غلابی کی سند کے ساتھ یعقوب بن جعفر بن سلیمان سے' انہوں نے علی

بن عبداللہ سے انہوں نے اپنے والد اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی کہ حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بولنا شروع کیا تو آپؐ کا سب سے پہلا کلام اللہ اکبر کبیرا الحمد للہ کثیرا و سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا تھا اور جب چلنے پھرنے کی عمر میں آئے تو باہر جاتے تھے مگر بچوں کے ساتھ کھیلنے سے اجتناب کرتے۔ (خصائص کبریٰ جلد ا ص ۱۴۰ سطر آخر☆☆)

پھر میں حضورؐ کو اپنے گھر پر لے آئی۔ اس کے بعد میں آپؐ کو قبیلہ سعد کے گھروں میں لے جاتی اور آپ کے جسم سے مجھ کو مشک کی طرح خوشبو آتی' نیز روزانہ دو شخص گورے رنگ کے آپ کے پاس آسمان سے اترتے اور آپ کے کپڑوں میں غائب ہو جاتے' ظاہر نہ ہوتے' جب کچھ لوگ واقف ہوئے تو انہوں نے مشورہ دیا: "اے بی حلیمہ! محمدؐ کو ان کے دادا کے پاس پہنچا دو اور تم اپنی امانت سے سبکدوش ہو جاؤ۔"
حلیمہ فرماتی ہیں جب میں نے اس مشورہ پر عمل کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے کسی منادی کو پکارتے سنا: "اے سرزمین مکہ آج تمہیں مبارک ہو' آج تم پر نور' دین' عزت' حرمت اور کمال بخشا جا رہا ہے' جو تمہیں پہلے حاصل تھا مگر اب دوامی حیثیت سے حاصل رہے گا۔ حضرت حلیمہ بیان کرتی ہیں' میں نے یہ سارا ماجرا عبدالمطلب سے بیان کیا تو انہوں نے جواب دیا۔ اے حلیمہ! بلاشبہ میرا یہ فرزند بڑی شان والا ہے میری آرزو ہے کہ میں اس کے اس زمانے کو پاؤں جس میں اس کی شان و شوکت کا ظہور ہو۔

بیہقی نے زہری سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا عبدالمطلب کی آغوش میں تھے تو بنی سعد کی ایک عورت نے آپؐ کو دودھ پلایا اور وہ عورت حضورؐ کو "سوق عکاظ" میں لے کر پہنچی۔ ایک کاہن کی نظر آپؐ پر پڑی' اس نے بہ غور دیکھا اور پھر بولا: "اے عکاظ والو! اس بچہ کو قتل کر دو کیونکہ یہ ایک انقلاب کا بانی ہو گا۔ حلیمہ نے جب یہ سنا تو پھرتی کے ساتھ کاہن سے دور لے گئیں اور اللہ نے آپؐ کو اس شر سے بچا لیا۔

زمانہ خورد سالی میں آپ آتے اور دادا جان کی مسند پر بیٹھ جاتے اور وہ آپ کے لئے جگہ دے دیتے۔ جب بڑے ہوئے تو خادم یا لونڈی جو دادا کے ساتھ ہوتی تو کہتی۔ حضورؐ دادا کی مسند سے ہٹ جایئے۔ عبدالمطلب اس کی یہ بات سن کر کہتے۔ میرے بیٹے سے کچھ نہ کہو' کیونکہ اس کو خیر و بھلائی کا شعور ہے۔ کچھ عرصہ بعد آپؐ کے دادا کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت ابو طالب نے آپؐ کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔

حضورؐ کے جوانی کے زمانہ میں ابو طالب تجارت کے لئے شام کی طرف روانہ ہوئے تو آپؐ کو بھی ساتھ لے لیا۔ اثناء سفر میں جب مقام تما پر اترے تو ایک یہودی عالم نے حضورؐ کو دیکھ کر ابو طالب سے پوچھا: "کیا یہ تمہارا فرزند ہے؟" انہوں نے جواب دیا "یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے۔" اس نے پوچھا "کیا آپ اس پر بہت مہربان ہیں؟" ابو طالب نے جواب دیا۔ "ہاں" اس نے کہا "اگر تم اس کو شام لے گئے تو مجھے اندیشہ ہے کہ یہود اس کو قتل کر دیں گے کیونکہ وہ ان (علامات کے حامل شخص) کے دشمن ہیں۔" اس کے بعد ابو طالب

حضورؐ کو لے کر مکہ واپس آ گئے۔
ابو یعلی، ابو نعیم اور ابن عساکر نے شداد بن اوس سے روایت کی کہ بنو عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ ' آپ کے بارے میں حقیقت امر کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا میری شان کی ابتداء یہ ہے کہ میں حضرت ابراہیم کی دعا اور اپنے بھائی حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا اکلوتا فرزند ہوں۔ میری پیدائش کے سلسلے میں جب والدہ حاملہ ہوئیں تو طریقہ عام کے مطابق بوجھ محسوس نہیں کیا نہ اپنی سہیلیوں سے اس کی شکایت کیا کرتی تھیں۔ پھر انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ حمل ایک نور ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ ' میں اپنی نگاہوں کو اس نور کے پیچھے دوڑاتی تھی مگر وہ نور میری نگاہوں سے آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ مجھ پر زمین کے مشارق و مغارب روشن ہوگئے۔ پھر انہوں نے مجھے تولد کیا اور میں نشوونما پانے لگا۔ جب میں کچھ بڑا ہوا تو مجھے قریب میں قریش کے جو بت تھے برے معلوم ہونے لگے اور شعر گوئی سے مجھے نفرت ہوگئی۔ اس وقت میں بنی لیث بن بکر میں دودھ پیا کرتا تھا۔ (خصائص کبریٰ جلد ا ص ۳۴ آخر)
کاہن نے ان لوگوں سے کہا "میں اس بچے کو پیش آمدہ حالات اور قلبی واردات خود اس کی زبانی سننا ضروری سمجھتا ہوں کیوں وہ اس کی آپ بیتی کیفیت ہے اور وہ دوسروں سے زیادہ بہتر طور پر جانتا ہے۔"
اس کے بعد میں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ جب میں اپنی باتیں ختم کر چکا تو کاہن جست کر کے میری طرف آیا اور اپنے سینہ کی طرف مجھ کو کھینچا اور پھر بہ آواز بلند کہنے لگا۔
"اے گروہ عرب! اے اولاد سعد! اس بچہ کو قتل کر دو۔ قسم ہے لات و عزیٰ کی، اگر تم نے اس کو زندہ چھوڑ دیا اور تمہاری عمریں اس کے عہد (تبلیغ دعوت) تک رہیں تو یہ ضرور تمہارے دین کو مذہب کو بدل دے گا یہ تم کو اور تمہارے اسلاف کو بے وقوف بتائے گا اور ایک ایسا دین لائے گا جو بالکل انجانا یا غیر عرفی طریقوں پر مشتمل ہو گا۔
میری رضاعی ماں نے مجھے کاہن کی گرفت سے چھڑایا اور کہنے لگے تو فاتر العقل معلوم ہوتا ہے۔ کاش میں تیرے پاس نہ آتی۔ وہ مجھے واپس لے آئیں اور پھر مکہ میں مجھے والدہ کے پاس پہنچا گئیں۔
ابو نعیم اس حدیث کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہ نے کہا میں نے حمل کا بوجھ محسوس کیا حالانکہ دوسرے آثار میں اس کی نفی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ استقرار حمل کے ابتدائی دنوں میں گرانی اور بوجھ محسوس کیا ہو اور استقرار حمل یا بعد ایام میں خفت محسوس کی ہو۔ اور یہ دونوں حالتیں عرف و عادت سے خارج ہیں۔
ابو نعیم نے بریدہ سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی سعد میں شیر خوارگی کے زمانے میں تھے۔ حضرت آمنہ نے حلیمہ سے کہا "میرے بیٹے کا خیال اور نگہداشت کرنا اس لئے

کہ میں نے دیکھا ہے کہ آپؐ میرے بطن سے شہاب کے مانند برآمد ہوئے جس سے ساری فضا روشن ہو گئی یہاں تک کہ میں نے شام کے محلات دیکھے۔ (خصائص کبریٰ' جلد اول ص ۱۳۶ سطر آخر)

ابن سعد' ابو نعیم اور ابن عساکر نے یحییٰ بن یزید سعدی سے روایت کی' انہوں نے کہا کہ بنی سعد بن بکر کی دس عورتیں دودھ پلائی کے لئے بچے لینے آئیں تو سب عورتوں کو بچے مل گئے۔ صرف حلیمہ کو بچہ نہ ملا۔ ان کے پیش نظر اب صرف رسولؐ اللہ ہی تھے وہ سوچتی تھیں کہ اگر میں اس بچہ کو لے لوں تو وہ بے باپ کا ہے اور اس کی ماں بے چاری مجھ کو کیا صلہ دے سکے گی؟ حلیمہ کے شوہر نے کہا۔ تم اسی بچہ کو لے لو' شاید اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں برکت دے' تو انہوں نے حضورؐ کو لے لیا اور اپنی چھاتی آپ کے منہ میں دی' جس سے آپ نے اور آپ کے رضاعی بھائی نے دودھ پیا۔ حالانکہ اس سے پہلے آپؐ کے رضاعی بھائی دودھ کی کمی کی وجہ سے سوتے تک نہ تھے۔ حضرت آمنہ نے کہا:

"اے حلیمہ! اس بچہ کے بارے میں اطمینان رکھ' یہ برکتیں اور سعادتیں ساتھ لانے والا ہو گا۔" نیز جو واقعات دیکھ چکی تھیں اور جو کچھ آپؐ کی ولادت کے سلسلے میں کہا گیا تھا' ان کو بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ مجھ سے تین راتوں سے کہا جا رہا ہے کہ اپنے فرزند کو بنو سعد بن بکر کے ابو ذویب کی اولاد سے دودھ پلوانا۔ (خصائص کبریٰ جلد ا ص ۱۳۷ سطر ۱۰)

حلیمہ نے کہا: "میرے ہی باپ کا نام ابو ذویب ہے۔" پھر وہ گدھی پر اور ان کا شوہر اونٹنی پر سوار ہوا اور دونوں وادی سرور میں اپنے ہمراہیوں میں آئے۔ وہ لوگ تفریح میں مشغول تھے کہ یہ دونوں پہنچ گئے۔ عورتوں نے پوچھا حلیمہ! کیا تجھ کو کوئی بچہ ملا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے ایسی خیر و برکت والا بچہ لیا ہے جو فقید المثال ہے۔ ہم ابھی پڑاؤ ہی پر تھے کہ میں نے دیکھا کچھ عورتیں حسد کرنے لگی ہیں۔

ابو نعیم نے واحدی کی سند سے روایت کی ہے کہ مجھ سے عبدالصمد محمد بن سعدی نے بیان کیا کہ مجھ سے حلیمہ سعدیہ کے پڑوسی اور ساتھی چرواہوں نے بیان کیا کہ وہ حلیمہ کی بکریوں کو اس طور پر چرتے دیکھتے کہ وہ سر نہ اٹھاتیں اور ہماری بکریاں بیٹھی رہا کرتیں اور خشک ڈاب تک نہ پاتیں جس سے وہ پیٹ بھر لیں۔

عبدالصمد کہتے ہیں کہ آپ حلیمہ کی رضاعت میں دو سال رہے پھر دودھ چھوٹ گیا۔ اس وقت آپؐ کی جسامت سے دو گنی عمر کا اندازہ ہوتا۔ اسی زمانے میں وہ آپؐ کو والدہ کے پاس ملانے کے لئے مکہ لے گئیں۔ اثناء راہ میں جب وہ وادی صدر میں پہنچی تو حبشہ کے کچھ لوگ مل گئے اور حلیمہ ان کی ہم سفر ہو گئیں۔ ان لوگوں نے خاص توجہ سے حضورؐ کو دیکھا' حالات پوچھے شانوں کے درمیان مہر نبوت اور آنکھوں میں سرخ ڈوریوں کو دیکھ کر حلیمہ سے پوچھا کہ ان کی آنکھوں میں کچھ تکلیف ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ ان کی آنکھوں میں یہ ڈورے اور یہ کیفیت قدرتی اور دائمی ہے۔ یہ جواب سن کر انہوں نے کہا یقیناً یہ بچہ نبی ہو گا۔ پھر انہوں نے مکہ پہنچ کر آپ کو والدہ سے ملایا اور پھر واپس لے آئیں۔

ایک دن ذی المجاز کی طرف ان کا گزر ہوا وہاں ایک عراف تھا جس کے پاس لوگ بچوں کو دکھانے کے لئے لاتے تھے۔ جب اس عراف نے آپؐ کی چشمان مبارک کی سرخی دیکھی اور مہر نبوت کو دیکھا تو چیخ پکار کرنے لگا۔ اے عرب کے لوگو اس بچہ کو قتل کر دو یہ تمہارے دین والوں کو قتل کرے گا' تمہارے بتوں کو توڑ دے گا اور اس کے عقائد تم سب کو ماننے پڑیں گے۔ اس کی چیخ و پکار سن کر حلیمہ فوراً ہی آپ کو وہاں سے کہیں دور لے گئیں۔

ان حالات کے پیش نظر وہ حضورؐ کو کسی کے روبرو لانے سے پرہیز کرنے لگی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے قبیلہ میں اتفاقاً" عراف آ کر ٹھہرا۔ قبیلہ کے لوگ بچوں کو اس کے پاس لے گئے۔ مگر حلیمہ نے حضورؐ کو لے جانے سے انکار کیا۔ ایک روز آپ جھگی سے باہر تھے کہ عراف کی نظر پڑ گئی۔ اس نے آپ کو بلایا مگر آپ نہ گئے اور اندر حلیمہ کے پاس آ گئے۔ عراف نے دیکھنے اور ملنے کی خواہش کی مگر حلیمہ نے انکار کر دیا۔ عراف نے بتایا مجھ کو اس بچہ میں نبوت کی علامات نظر آ رہی تھیں۔

ابن سعد اور حسن بن طرح نے "کتاب الشعراء" میں زید بن اسلم سے روایت کی کہ حلیمہ سعدیہ نے جب حضورؐ کو رضاعت میں لے لیا تو حضورؐ کی والدہ نے ان سے کہا۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے کس قدر عالی شان بچے کو لیا ہے؟ واللہ جب یہ حمل میں آیا تو مجھ پر کوئی بھی کیفیت حمل طاری نہیں ہوئی۔ ایک روز کسی آنے والے نے بتایا۔ تم جلد ہی ایک فرزند پیدا کرو گی' وہ سید العالمین ہے۔ اس کا نام تم احمد رکھنا۔ پھر جب آپ پیدا ہوئے تو آپ نے دونوں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر آسمان کی طرف نگاہیں اٹھا دیں۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۱۳۹ سطر ۱)

اس کے بعد آپؐ کو حلیمہ اپنے شوہر کی قیامگاہ پر لے کر گئیں' سارے حالات بیان کئے تو وہ خوش ہوئے۔ پھر ہم اپنے علاقہ کی طرف لوٹنے کے خیال سے گدھوں اور اونٹوں کی طرف آئے تو ہماری اونٹنی میں دودھ اتر آیا تھا تو ہم اس سے صبح و شام دودھ نکالا کرتے اور حضرت حلیمہ کا کہنا ہے کہ پہلے میرا بچہ دودھ کم ہونے کی وجہ سے رات میں مجھے سونے نہ دیتا مگر حضورؐ کے دودھ میں شریک ہونے کے بعد وہ اور حضورؐ دونوں خوب سیر ہو جاتے میرا خیال ہے کہ اگر ان دونوں کے علاوہ ایک تیسرا بچہ اور ہوتا تو وہ بھی میرے دودھ پر پل جاتا۔

بنی ہذیل میں ایک عراف تھا۔ حلیمہ اس کے پاس گئیں' جب اس نے آپؐ کو دیکھا تو بلند آواز سے کہنے لگا۔ "اے عربو! اس بچہ کو قتل کر دو' ورنہ یہ تمہارے تمام ہم عقیدہ لوگوں سے جہاد کرے گا' اصنام کو توڑے گا اور اس کی جماعت غالب ہو جائے گی۔" اس کے بعد حلیمہ نہ رکیں اور حضورؐ کو لے کر چلی آئیں۔

ابن سعد اور ابن طراح نے عیسیٰ بن عبداللہ بن مالک سے روایت کی کہ شیخ الشلل' بنی ہذیل اور ان کے بڑے بت کے آگے فریاد کرتا اور کہتا تھا کہ یہ بچہ آسمان سے کسی بات کے نازل ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔

اور اس طرح وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے لوگوں کو بدگمان کرتا اور آپ کے پیامبرانہ مستقبل سے ان کو ڈراتا مگر کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہ شیخ الھذلی دماغی توازن کھو بیٹھا' پاگل اور فاتر العقل ہو کر بہ حالت کفر مر گیا۔

ابن سعد اور ابن طراح نے اسحاق بن عبداللہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ نے جب آپؐ کو حلیمہ سعدیہ کے سپرد فرمایا تو ان سے کہا میرے بچے کی حفاظت کرنا' اور گذشتہ حالات تفصیل تمام و کمال ان سے بیان کر دیئے تھے۔

حلیمہ سعدیہ بچے کو لے کر جب اپنے قبیلہ کی طرف واپس ہوئیں تو ان کا گزر یہود کی بستیوں کے قریب سے ہوا۔ پس یہودیوں سے کہا۔ مجھے اس نومولود بچے کے بارے میں بتاؤ اور حضرت آمنہ کی زبانی سنے ہوئے حالات اپنی ذات کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیئے واقعات کو سننے کے بعد یہودی ----- آپؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ تیار کرنا چاہتے تھے کہ ان کو کچھ خیال آیا اور انہوں نے سوال کیا تمہارے اس بچے کا باپ فوت ہو چکا ہے؟"

حلیمہ نے کہا: "نہیں وہ ہے اس کا باپ' اور میں اس کی ماں ہوں۔" حلیمہ کا یہ جواب سن کر انہوں نے کہا: "اگر یہ بچہ یتیم ہوتا تو ہم اسے ضرور قتل کر دیتے۔"

ابن سعد' ابو نعیم' ابن طراح اور ابن عساکر' عطاء بن ابی رباح کی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حلیمہ سعدیہ حضورؐ پر نظر رکھتی تھیں کہ کہیں فاصلہ پر نہ نکل جائیں۔ ایک مرتبہ وہ اتفاقاً غافل ہو گئیں اور حضورؐ اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ دوپہر کو چراگاہ چلے گئے حلیمہ تلاش میں نکلیں اور انہوں نے حضورؐ کو رضاعی بہن کے ساتھ موجود پایا انہوں نے شیما سے کہا۔ ان کو ایسی گرمی میں لے کر یہاں آ گئی۔ شیما نے جواب دیا۔ "امی جان! بھائی کو گرمی نہیں لگتی۔ میں نے دیکھا ہے کہ ابر کا ایک ٹکڑا آپؐ پر سایہ کئے رہتا ہے اور جب آپ ٹھہرتے ہیں تو وہ ابر بھی رک جاتا ہے اور جب آپؐ چلنے لگتے ہیں تو وہ بھی آگے بڑھنے لگتا ہے' اسی کے سایہ میں اس وقت بھی یہاں تک آئے ہیں۔"

حلیمہ نے کہا: "اے بیٹی! کیا تو سچ کہہ رہی ہے؟" اس نے جواب دیا: "ہاں میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

ابن سعد نے زہری سے روایت کی کہ بنی ہوازن کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس میں حضورؐ کے رضاعی چچا ابو مروان بھی تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! میں نے آپؐ کو دودھ پیتا بھی دیکھا ہے اور میں نے آپؐ سے بہتر کسی دودھ پیتے بچے کو نہیں دیکھا' پھر میں نے آپ کو جوان دیکھا اور کسی جوان کو بھی میں نے آپ سے بہتر نہیں دیکھا' اس میں شبہ نہیں اللہ تعالیٰ نے آپؐ میں تمام خوبیاں جمع کر دی ہیں بلاشبہ آپؐ کا دنیا سے پردہ فرمانا بھی ایک بہتر فال ہی میں ہو گا۔ (ص ۱۵۰ سطر ۳)

حلیمہ سعدیہؓ کی پر اثر و پر کیف لوری

ابن طراح کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ محمد بن معلی ازدی کی کتاب الترقیص میں دیکھا ہے کہ حلیمہ سعدیہ کا وہ شعر جس کو گنگنا کر وہ حضورؐ کو بہلایا کرتی تھیں یہ ہے۔

یا رب اذا اعطیتہ فابقہ — و اعلہ الی العلاء وارقہ

وادحض اباطیل العدی بحقہ

یعنی اے پروردگار کائنات! جب تو نے مجھ کو (حضورؐ جیسا بچہ) عطا فرما دیا ہے تو (براہ کرم) اس عطیہ کو بقا بھی عطا فرما اور (آپ کے درجات و مقامات اعلیٰ میں مزید) ترقی فرما کر بلندیوں کی انتہائی منزل پر فائز کر دے اور دشمنوں کے کید (سازش اور معاندانہ رویہ) کو آپؐ کی سچائی، راست بازی اور حق کی تاثیر سے بے اثر، لایعنی اور باطل بنا دے۔

ابن سبع نے الخصائص میں ذکر کیا کہ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ میں حضورؐ کو اپنی داہنی چھاتی پیش کرتی اور آپؐ اس سے دودھ پیا کرتے، پھر بائیں چھاتی پیش کرتی تو آپ نہ لیتے اور یہ بات اس عدل و انصاف کی وجہ سے تھی کہ رضاعت میں ایک شریک اور بھی تھا۔

ایام رضاعت کے معجزے

ان خوارق کے بیان میں جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ رضاعت میں ظاہر ہوئے۔ سب سے پہلے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا دودھ پیا اور ان کے بعد جناب ثوبیہ الاسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دودھ پیا۔ ثوبیہ ابو لہب کی کنیز تھیں۔ جنہیں اس نے اس وقت آزاد کر دیا تھا جب انہوں نے اسے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی خوشخبری سنائی۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ جناب ثوبیہ نے بعثت کا زمانہ پایا تو انہوں نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔

کتب معتبرہ میں مرقوم ہے کہ بے شک یہ تحقیق شدہ امر ہے کہ حضورؐ کو دودھ پلانے والیوں میں ایک بھی ایسی نہیں جو ایمان و اسلام کی دولت سے محروم رہی۔ (سیرت دحلانیہ جلد ۱ ص ۱۶۵ سطر ۴)

صدائے ہاتف

زرقانی شرح مواہب میں ہے! جب حضرت حلیمہؓ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس،

پہنچیں تو آپ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہاتف کی یہ آواز سنی۔

ان ابن امنتہ الامین محمدا خیر الانام و خیرۃ الاخیار
بان لہ غیرا اطلیمتہ مرضع نعم الامینتہ ھی علی الابرار
ما مونتہ من کل عیب فاحش و نقیتہ الا ثواب و الا وزار
لا تسلمتہ الی سوا ھا انہ امر و حکم جاء من جبار

بچپن میں انصاف

حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے آپ کو دائیں طرف سے دودھ پیش کیا تو آپؐ نے اپنی خواہش کے مطابق پیا۔ پھر میں نے بائیں طرف سے دودھ پلانا چاہا تو آپؐ نے انکار کر دیا۔ اور اب بھی آپ کا یہی حال ہے۔

اہل علم فرماتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو الہام فرما دیا تھا کہ آپ کا اس دودھ میں اور بھی شریک ہے تو آپؐ نے انصاف کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک پستان سے دودھ نہیں آتا تھا۔ جب آپ نے اسے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ میں ڈالا تو اس سے دودھ آنے لگا۔ جناب حلیمہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کے بھائی نے بھی آپ کے ساتھ دودھ پیا یہاں تک کہ سیراب ہو کر سو گیا۔ جبکہ اس سے پہلے بھوکا رہنے کی وجہ سے اسے نیند نہ آتی تھی۔ (سیرت دحلانیہ ص ۱۴۸ سطر ۲)

حلیمہؓ کا گھر برکتوں سے بھر گیا

جناب حلیمہؓ فرماتی ہیں میرا شوہر اپنی بستی کی طرف جانے کے لئے تیار ہو کر اپنی اونٹنی کے پاس گیا تو اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس نے ان کا دودھ دوہا اور وہ اس قدر زیادہ تھا کہ ہم نے خوب سیر ہو کر پیا اور اس سیرابی میں خیریت سے رات گذاری۔ جب صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا اے حلیمہؓ! ہم نے نہایت مبارک ذات کو لیا ہے۔ میں نے کہا! خدا کی قسم! میں ایسی ہی امید رکھتی ہوں۔
پھر ہم نکلے اور میں ...ی پر سوار ہوئی اور آپ کو اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ خدا کی قسم میری سواری نے تمام سواریوں کو پیچھے ...ڑ دیا اور میرے ساتھ والیاں میرے ساتھ کسی بھی طور پر برابر نہیں چل سکتی تھیں۔

یہاں تک کہ مجھے دو ساتھی عورتوں نے کہا اے بنت ابی ذویب! کیا یہ وہی سواری ہے جس پر سوار ہو کر تم ہمارے ساتھ آئی تھی جو انتہائی کمزوری کی وجہ سے کبھی تجھے نیچے لے جاتی تھی اور کبھی اوپر کر دیتی تھی؟ جناب حلیمہؓ نے انہیں بتایا' ہاں خدا کی قسم یہ وہی ہے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم! اس کے لئے کون شان ہے۔ (ص ۲۶۸ سطر ۱۳)

حضورؐ کی سواری کا کلام کرنا

جناب حلیمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی گدھی کو باتیں کرتے ہوئے سنا اور وہ کہہ رہی تھی خدا کی قسم! میری بڑی شان ہے۔ پھر میری بڑی شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے موت کے بعد زندگی دی ہے اور مجھے کمزوری کے بعد فربہی عطا فرمائی ہے۔ اور اے بنی سعد کی بیبیو! تم غفلت میں ہو اور نہیں جانتیں کہ میری پشت پر کون ہے؟ میری پشت پر تمام انبیاء سے بہتر' تمام مرسلین کے سردار' تمام اولین و آخرین سے بہتر اور پروردگار عالمین کے محبوب ہیں۔ اس کا ذکر سیرت حلبیہ میں ہے۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں! جب ہم نے مکہ معظمہ سے چلنے کا ارادہ کیا تو میں نے اپنی گدھی کو دیکھا اس نے کعبے شریف کی طرف منہ کر کے تین بار سجدہ کیا اور سر کو جھکایا اور پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور چل دی۔ (ص ۱۷۰ سطر ۴)

دودھ کی نہریں

حضرت حلیمہؓ نے فرمایا! پھر ہم بنو سعد کے گھروں میں پہنچ گئے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کی زمینوں میں کسی ایسی زمین کو نہیں جانتی جو اس سے زیادہ قحط زدہ اور خشک ہو مگر جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر وہاں پہنچی تو میری بھوکی آنے والی بکریاں دودھ سے بھری ہوئی واپس آتیں ہم ان کا دودھ دوہتے اور پیتے تھے۔ جبکہ دوسرے لوگوں میں سے کوئی انسان نہ دودھ کا ایک قطرہ دوہتا تھا۔ اور نہ ہی کسی بکری کے تھنوں میں دودھ کا ایک قطرہ دوہتا تھا۔ یہاں تک کہ ہماری قوم کے جو لوگ وہاں پر مقیم تھے وہ اپنے چرواہوں کو کہتے جہاں ابی ذویب کی بیٹی کا چرواہا بکریاں چراتا ہے تم بھی اپنا ریوڑ وہیں پر چرایا کرو۔ جبکہ ان لوگوں کی بکریاں جب گھر کو واپس آتیں تو وہ بھوکی ہوتی تھیں اور دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ دیتی تھیں اور میری بکریاں خوب شکم سیر ہوتیں اور دودھ سے بھری ہوتیں۔ تو میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے آنے والی اس خیر و برکت کو پہچانتی تھی یہاں تک کہ دو سال کا عرصہ گذر گیا تو آپؐ کا دودھ چھڑایا گیا اور آپ

شباب کی طرف اس طرح بڑھ رہے تھے کہ آپؐ کا شباب لڑکوں کے شباب سے مشابہت نہ رکھتا تھا۔ پس یہ سال ختم نہیں ہوا تھا کہ آپ بھرے ہوئے جسم والے لڑکے تھے۔ (ص ۱۶۹ سطر ۱۷)

دس ماہ کی عمر شریف کیسے ہوئی

حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک دو ماہ کی ہوئی تو آپ ہر طرف آ جاتے تھے۔ اور جب آپ کی عمر شریف تین ماہ کی ہوئی تو آپ پاؤں پر کھڑے ہو جاتے تھے اور جب آپ کی عمر مبارک چار ماہ کی ہوئی تو آپ دیوار کو پکڑ کر چلتے تھے اور جب آپ کی عمر شریف پانچ ماہ کی ہوئی تو آپ کو چلنے پھرنے کی طاقت حاصل ہو گئی۔ اور جب آپ کی عمر مبارک آٹھ ماہ کی ہوئی تو آپ گفتگو فرمانے لگے۔ کہ آپ کا کلام سنا جا سکے۔ اور جب آپ کی عمر مبارک نو ماہ کی ہوئی تو آپ فصیح کلام کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ اور جب آپ کی عمر مبارک دس ماہ کی ہوئی تو آپ بچوں کے ساتھ تیر اندازی فرماتے تھے۔ (ص ۱۷۰ سطر ۱۰)

اعتراض

سر ولیم میور صاحب ہشامی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ عارضۂ صرع میں مبتلا تھے۔

جواب

ہمارے ذی علم اور لائق مصنف سر ولیم میور صاحب نے جو ہشامی کی روایت سے (اگر وہ بالکل صحیح بھی مان لی جائے) یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرع کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ وہ کیسا غلط اور بے اصل ہے۔ سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ ہشامی اور دیگر متاخرین بیان کرتے ہیں کہ حلیمہ کے شوہر کو گمان ہوا کہ اس لڑکے کو عارضہ ہو گیا ہے جس کا لفظ ہم نے عارضہ ترجمہ کیا ہے وہ انگریزی میں لفظ "فٹ" ہے جو سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں استعمال کیا ہے۔ "فٹ" کے معنی لغت میں کسی مرض کے ایسے سخت اور یک بارگی حملہ کے ہیں جس سے بدن کپکپانے لگے اور بعض اوقات غشی طاری ہو جائے جس سے غالباً" صاحب ممدوح نے صرع مراد لی ہے۔ مگر ہاشمی میں جو لفظ واقع ہے اس کا "فٹ" ترجمہ کرنا بالکل غلط ہے۔ سر ولیم میور صاحب کو اس لفظ کے صحیح پڑھنے میں بالکل غلطی ہوئی ہے جیسا کہ

ہم آگے ثابت کریں گے۔
ہمارے پاس سیرت ہشامی موجود ہے جو ۱۸۵۸ء میں بمقام گاٹجن زیر اہتمام و نگرانی ڈاکٹر ڈ نمینڈ وسٹن فیلڈ کے چھپی ہے اس کتاب سے ہم وہ عبارت جو اس بحث سے متعلق ہے بلفظہ نقل کرتے ہیں۔

قالت و قال لی ابوہ یا حلیمۃ لقد خشیت ان یکون ھذا الغلام قد اصیب فالحقیہ باھلہ

یعنی حلیمہ نے کہا اس کے باپ (یعنی آنحضرتؐ کے دودھ باپ یعنی شوہر حلیمہ) نے کہا اے حلیمہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ اس لڑکے کو کچھ ہو گیا ہے اور اس لئے اس کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دے۔
مگر جب حلیمہ آنحضرتؐ کو حضرت آمنہ کے پاس لے آئیں تو حضرت آمنہ نے ان کو نہیں لیا اور حلیمہ سے کہا اس کو واپس لے جاؤ اس وقت حضرت آمنہ نے حلیمہ سے کہا کہ کیا تجھ کو یہ اندیشہ ہوا تھا کہ اس پر شیطان مسلط ہو گیا ہے یہ کلام بطور استفہام انکاری کے تھا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حلیمہ کے شوہر کو جو یہ گمان ہوا کہ آنحضرتؐ کو کچھ ہو گیا ہے وہ صحیح نہیں تھا۔
سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب لیف آف محمد کے صفحہ ۲۱ کے حاشیہ پر بجائے لفظ اصیب کے امیب لکھا ہے یعنی صاد کی جگہ میم لکھا ہے اور اس کے معنی "فٹ" یعنی عارضہ ہونے کے لکھے ہیں۔ مگر یہ لفظ تاریخ ہشامی میں ہم کو نہیں ملتا ہے اور نہ اس کے معنی عارضہ ہونے کے پائے جاتے ہیں۔ ہشامی میں اصیب کا لفظ ہے اور یہ صحیح معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آگے ثابت ہوگا اور چونکہ ان دونوں لفظوں کی شکل میں بہت کم فرق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے کسی غلط قلمی نسخہ سے اس کو نقل کیا ہوگا۔
تمام عیسائی مصنف سوائے ایک دو کے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری لکھی ہے اس بات کو بطور ایک امر واقعی کے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق ہو تھا۔ اولاً" ہم متحیر تھے کہ یہ خیال گردشیں کے کبوتر کے قصہ کی طرح عیسائیوں کے دماغوں میں کیونکر سمایا۔ کسی تاریخ سے نہیں پایا جاتا کہ کوئی ڈاکٹر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی حالت کا امتحان کرنے کو عرب میں گیا ہو اور نہ ایشیائی مصنفوں نے اس امر کی نسبت کچھ تذکرہ کیا ہے۔ پھر اس خیال کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور کس نے اس کو پھیلایا۔ آخر کار بہت سی تلاش کے بعد ہم کو متحقق ہوا کہ یہ خیال خام عیسائیوں میں دو وجہ سے پیدا ہوا۔ اول عیسائیوں کے توہمات مذہبی کے سبب سے اور دوسرے عربی عبارت کے لئے زبان لیٹن میں غلط ترجمہ ہونے سے۔
کتاب لیف آف محمد پریڈو مطبوعہ لندن ۱۷۲۳ء کے صفحہ ۳۰ پر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال کی ابتداء وہاں سے ہوئی اور تاریخ ابو الفدا کے بعض مقامات کے غلط ترجمہ سے بھی جو ڈاکٹر پوکاک نے لیٹن زبان میں کیا ہے اس کی بنا پر معلوم ہوتی ہے یہ ترجمہ معہ اصل عبارت عربی کے پوکاک کے مسودہ سے ۱۷۲۳ء میں بمقام آکسفورڈ چھپا تھا اول اس چھاپہ سے اس عبارت کو نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی عبارت

اور نیز اس کے ترجمہ کی متعدد غلطیاں بتاتے ہیں۔
اس چھاپہ میں عبارت مذکورہ اس طرح پر لکھی ہے **فقال زوج حلیمۃ لھا قد خشیت ان ھذا الغلام قد اصیب بالحقیقۃ باھلہ فاحتملتہ حلیمۃ و قدمت بہ الی امتہ**
اس عبارت کا جو لیٹن میں ترجمہ کیا ہے اس کا ترجمہ اردو میں اس طرح پر ہوتا ہے "تب حلیمہ کے شوہر نے کہا مجھ کو بہت خوف ہے کہ اس لڑکے نے کسی اپنے ساتھی سے دماغی بیماری کو اخذ کر لیا ہے۔ اس واسطے اس کو حلیمہ سے لے کر اس کی ماں کے پاس لے گیا۔ اس مترجم نے دماغی بیماری سے غالباً" صرع کا عارضہ یا بے ہوش کرنے والی بیماری مراد لی ہے۔
اول تو ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کتاب سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے جس لفظ کو اصیب پڑھا ہے وہ اصیب ہے اور پھر ہم بتاتے ہیں کہ کتاب مذکورہ بالا کے مصنف نے جس لفظ کو **بالحقیقۃ** پڑھا ہے وہ بھی غلط پڑھا ہے۔ وہ **فالحقیقۃ** ہے اور ترجمہ میں یہ غلطی کی کہ جب مترجم نے دیکھا کہ لفظ **بالحقیقۃ** کے معنی عبارت کے مناسب نہیں ہو سکتے تو اس کا ترجمہ بالکل چھوڑ دیا اور جب لفظ اصیب پر پہنچا تو اس کا ترجمہ اخذ کیا اور جبکہ عبارت میں نہ کسی شے ماخوذ کا ذکر تھا اور نہ اس کا ذکر تھا جس سے اخذ کیا اور بلحاظ قواعد نحوی اور ربط عبارت کے ان دونوں کا ہونا ضرور تھا۔ اس لئے مترجم نے اٹکل پچو لفظ باھلہ سے الفاظ کسی اپنے ساتھی سے اور الفاظ دماغی بیماری کو یا بے ہوش کرنے والی بیماری کو بڑھا دیا حالانکہ وہ اصل عبارت میں نہیں ہیں۔
اگر عبارت مذکورہ کو صحیح طور پر پڑھا جائے تو صحیح ترجمہ اس کا یوں ہوتا ہے۔ تب حلیمہ کے شوہر نے اس سے کہا کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ یہ لڑکا مبتلا ہو گیا ہے پس اس کو اس کے لوگوں کے پاس پہنچا دے پس اٹھا لیا کہ اس کو حلیمہ نے اور لے آئی اس کی ماں کے پاس۔ اہل عرب ایسے مبہم کلمات کو ایسی بیماریوں کی نسبت استعمال کیا کرتے تھے جن کا سبب ان کو معلوم نہیں ہوتا تھا اور غالباً" ان کا خیال تھا کہ کسی مخفی قوے یا ارواح کا اثر ہے اور جن بیماریوں کا سبب ان کو نہ معلوم ہوتا تھا ان کو شیطان کے اثر کی طرف بھی منسوب کرتے تھے۔
قدیم اہل یونان اپنے توہمات سے صرع کی بیماری جو ایک عجیب و غریب قسم کی بیماری ہے یقین کرتے تھے کہ دیوتاؤں یا خبیث ارواحوں کے اثر سے ہوتی ہے۔ اسی بنا پر عیسائی مصنفوں نے لفظ اصیب سے بالتخصیص صرع کی بیماری سمجھ لی۔ حالانکہ ایسا سمجھنا عرب کے محاورہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ عرب صرف صرع ہی کی بیماری کو لامعلوم اثر کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک چیز کو جس کا سبب ان کو معلوم نہ ہوتا تھا مخفی قوے یا شیطان یا جن کے اثر کی طرف منسوب کرتے تھے پس کوئی وجہ نہیں کہ لفظ اصیب سے صرع کا عارضہ مراد لیا جائے۔

اس بیان کی تائید میں ہم ایک نہایت ذی علم اور ذی فہم غیر متعصب مصنف کی رائے کو نقل کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ یہ "متواتر بیان کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق تھا یونانیوں کی ایک ذلیل اختراع ہے جنہوں نے اس عارضہ کے حلوق کو ایک نئے مذہب کے بانی کی طرف اس غرض سے منسوب کیا ہو گا کہ ان کے اخلاقی چال چلن پر ایک دھبہ ہو جو عیسائیوں کی طعنہ زنی تنفر کا مستوجب ہو۔"

نہایت مشہور اور لائق مورخ یعنی گبن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان صرعی حملوں کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "یونانیوں کا ایک نامعقول اتہام ہے۔" اور ایک اور مقام پر اسی مورخ نے لکھا ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عارضہ صرع یا بے ہوش کر دینے والی بیماری کو تھیوفینز زونارس اور یونانیوں نے بیان کیا ہے۔ اور ہاٹیجر اور پریڈو اور مارکشی نے اپنے سخت تعصب کے سبب اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر نگل لیا ہے۔ قرآن میں جو دو سورتیں ہیں جن میں سے ایک کا نام مزمل اور ایک کا نام مدثر ہے۔ ان میں سے صرع کی بیماری کی تاویل کرنی مشکل ہے۔ مسلمان مفسرین کا سکوت اور صرع کی بیماری سے ناواقفیت ان کے قطعی انکار کی نسبت زیادہ تر قاطع اور مرجح ہے اور آزادانہ رستہ آکلی گیگیز اور سیل نے اختیار کیا ہے۔

اب ہم اس غلط اور بے اصل اتہام پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عارضۂ صرع لاحق تھا بلحاظ طب کے غور کرتے ہیں۔ چیمبرز سائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ صرع اس بیماری کو کہتے ہیں جس میں دفعتاً بے ہوشی طاری ہو اور اعصاب تنفس کے تشنج اور سانس لینے کے منفذ کے بند ہونے سے اعصاب اختیاری بے اختیار شدت سے پھڑکنے لگیں اور کبھی کبھی سانس بالکل بند ہو جائے۔ اس بیماری کا مریض اکثر پاگل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس کا حافظہ جاتا رہتا ہے اور اس میں تیزی اور چستی نہیں رہتی اور ایسی مردہ دلی اس پر چھا جاتی ہے جو اس کو دنیا کے باقاعدہ کاروبار سے معذور کر دیتی ہے۔ بد ہضمی بھی اکثر ہوتی ہے۔ اور تمام قوائے جسمانی میں ضعف اور ناطاقتی گھر کر جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے مصروع کے چہرہ سے دائمی نقاہت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ بات کچھ بعید نہیں ہے کہ اسی کے ساتھ مصروع کے ذہن میں اپنے ضعف و نقاہت کا یقین بخوبی جم جاتا ہے۔ اور مشقت طلب اشغال سے نفرت ہو جاتی ہے۔ بالخصوص ایسے اشغال سے جن میں اس پر عام اندازہ سے زیادہ نظر پڑیں۔

اب ہمارا یہ کام ہے کہ اس امر کی تنقیح کریں کہ آیا یہ سب آثار یا ان میں کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کے کسی حصہ طفولیت سے لے کر وفات تک پائے گئے تھے یا نہیں؟

کوئی مورخ مسلمان یا عیسائی یہ نہیں بیان کرتا کہ منجملہ آثار مذکورہ بالا کے ایک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پایا گیا تھا بلکہ برخلاف اسی کے سب کے سب متفق اللفظ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بچپن اور جوانی میں نہایت تندرست اور قوی تھے۔ خود سر ولیم میور صاحب فرماتے

ہیں کہ دو برس کے سن میں حلیمہ نے ان کا دودھ چھڑایا اور ان کے گھر لے گئیں۔ اور آمنہ اپنے لڑکے کی تندرستی اور قوی ہیئت کو دیکھ کر جو آپؐ سے دو چند عمر والے لڑکے کے برابر معلوم ہوتا تھا اس قدر خوش ہوئیں کہ حلیمہ سے کہا ان کو پھر صحرا لے جا۔ "لڑکپن اور جوانی کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مضبوط اور تندرست اور قوی الجثہ تھے۔ وہ بہت تیز چلا کرتے تھے اور زمین پر مضبوطی سے قدم رکھتے تھے تمام عمر ان کو بڑے بڑے خطرے اور تکلیفیں پیش آئیں۔ اور ان سب کو انہوں نے کمال صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیا۔ انہوں نے خدائے واحد کی پرستش و عبادت کی تجدید ایسے طور کی جس کی کوئی نظیر و مثال نہیں پائی جاتی اور علم الہیات کو ایسے پختہ و معقول اصول پر قائم کیا جن کا ہمسر جہان سے معدوم ہے۔ انہوں نے قوانین تمدن و اخلاق کو ایسے کمال پر پہنچا دیا جو اس سے پیشتر کبھی نہیں ہوا تھا۔ ان ہی کی وساطت سے انسانوں کی بہبودی اور رفاہ کے واسطے وہ ملکی و مالی و دینی و دنیوی قوانین کا مجموعہ حاصل ہوا جو اپنے نوع میں یکتا و بے نظیر ہے۔ آنحضرتؐ ہی وہ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں تمام جزیرہ عرب کو فتح کیا اور مختلف قبیلوں کو مجتمع کر کے ایک مضبوط اور طاقتور عظیم الشان قوم بنا دیا جس نے اس زمانہ کی مہذب دنیا کے ایک جزو اعظم کو ایک عرصہ قلیل میں مفتوح و مسخر کر لیا۔ کیا اس بات کا خیال کرنا قرین عقل و انصاف ہے کہ ایسے کارہائے نمایاں ایک لاچار اور ناتواں مصروع شخص سے عمل میں آئے ہوں گے؟ ایسے کارہائے نمایاں کا عمل میں آنا بجز اس شخص کے جس کے قوائے روحانی و جسمانی کامل صحیح و سالم ہوں اور کسی شخص سے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے اور اس کی ماہیت تائید ربانی پر دلالت کرتی ہے۔ (خطبات احمدیہ ص ۵۳ سطر ۱۵) واضح رہے کہ امامیہ میں ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔

نزول وحی کے وقت غشی کی حقیقت

نزول وحی کے وقت اضطرار اور غشی کی روایتیں ویسی ہی نامعتبر اور بے سند ہیں۔ ان روایتوں میں خود راویوں کے خیالات اور توہمات ہیں ہم نے بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ عیسائیوں کا اتہام آنحضرتؐ کو بیماری صرع کے ہونے کا صدق سے محض معرا ہے تاہم سر ولیم میور صاحب کی اس رائے کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرعی غشوں نے ان کے ذہن میں اپنی رسالت کا خیال پیدا کر دیا تھا اور ان کے متبعین کا بھی یہی اعتقاد تھا تمام منصف مزاج اور غیر متعصب لوگوں کے روبرو پیش کرنا چاہتے ہیں اور پھر یہ سوال کرتے ہیں کہ آیا یہ بات قرین قیاس ہے کہ ایسا آدمی جس کو ہر شخص مصروع جانتا ہو اپنے صرعی غشوں کو اپنے رسول برحق ہونے کے ثبوت میں پیش کرے جو اپنی قوم کی بت پرستی کے استیصال کے واسطے بھیجا گیا ہو اور تمام لوگ جو اس کی اس بیماری سے واقف ہوں۔ اس کے عزیز و اقارب اور جمیع اکابر عرب اس

کی رسالت کو دل سے تسلیم کر لیں اور ہر شخص اپنے آبائی دین سے منحرف ہو کر اس کے قول و فعل پر ایمان کامل لے آئے۔ (خطبات احمدیہ ص ۵۱۷ سطر ۴)

اگر حضور اکرمؐ ہوتے تو پیٹ بھر کر کھاتے

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب میں کسی منشاء سے اس روایت کو بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے پر موجود نہ ہوتے تھے تو تمام خاندان اپنے کفایت شعار کھانے سے بھوکا اٹھتا تھا لیکن جب پیغمبر صاحب بھی کھانے میں شریک ہوتے تھے تو سب کا پیٹ بھر جاتا تھا اور یہ فرماتے ہیں کہ اس سے عروج پذیر نبی کی بڑائی مظنون ہوتی تھی مگر اہل اسلام تو ایسی روایتوں کو معتبر نہیں سمجھتے اور ان کے معتبر ہونے کی کوئی نہ سند موجود رکھتے ہیں لیکن ہم کو تعجب آتا ہے جبکہ عیسائی ایسی روایتوں کو کسی اشارہ آمیز ارادہ سے نقل کرتے ہیں کیونکہ ان کو ایسے واقعہ کے امکان پر اعتقاد نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جبکہ وہ متی کے باب ۲۴ ورس ۱۹ اور ۲۰ کے اس بیان پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس نے (یعنی حضرت مسیح نے) جماعت کو (جن کی تعداد پانچ ہزار تھی) گھاس پر بیٹھنے کا حکم دیا اور پانچوں روٹیاں اور دونوں مچھلیاں نکالیں اور آسمان کی جانب نظر اٹھا کر دعا کی اور ان کو توڑا اور روٹیاں اپنے حواریوں کو دیں اور حواریوں نے جماعت کو تقسیم کیں اور ان سب نے پیٹ بھر کر کھائیں اور بچے ہوئے ٹکڑوں کو جن سے بارہ ٹوکرے بھر گئے اٹھا لیا۔ (خطبات احمدیہ ص ۸۱۵ سطر ۱۵)

اسماء گرامی

جناب محمد باقر مجلسی حیات القلوب جلد ۲ ص ۱۸۵ سطر ۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔

ابن بابویہ نے لبسند معتبر جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں لوگوں میں جناب آدمؑ سے سب سے زیادہ مشابہ اور جناب ابراہیمؑ سب سے زیادہ خوبصورت اور سیرت میں مجھ سے مشابہ تھے۔ خدا نے بالائے عرش سے میرے دس نام اپنے عظمت و جلال کے رکھے۔ اور میرے اوصاف بیان فرمائے اور ہر پیغمبر کی زبانی ان کی قوم کو میری خوشخبری پہنچائی اور توریت و انجیل میں میرا بہت تذکرہ کیا ہے۔ اپنے کلام کی مجھے تعلیم دی۔ مجھ کو آسمان پر بلند کیا اور میرا نام اپنے نام بزرگ سے اشتقاق

فرمایا۔ اس کا ایک نام محمود ہے۔ اس لئے اس نے میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) رکھا۔ اور مجھ کو بہترین زمانہ اور بہترین امت میں پیدا کیا۔ توریت میں میرا نام احید رکھا کیونکہ توحید و یگانہ پرستی خدا کے سبب میری امت کے اجسام آتش جہنم پر حرام قرار دیئے۔ انجیل میں میرا نام احمد ہے کیونکہ میں آسمان میں محمود ہوں اور میری امت حمد کرنے والی ہے۔ زبور میں مجھ کو ماحی کہا گیا ہے اس لئے کہ خدا میرے سبب سے زمین پر بتوں کی پرستش کو مٹائے گا۔ اور قرآن میں میرا نام محمد رکھا ہے۔ کیونکہ قیامت میں تمام امتیں میری مدح کریں گی اس سبب سے کہ سوائے میرے کوئی شفاعت نہ کرے گا۔ مگر میری اجازت سے کرے گی۔ اور قیامت میں مجھ کو حاشر کے نام سے پکاریں گے۔ کیونکہ میری امت کا زمانہ قیامت کے زمانہ سے متصل ہو گا۔ پھر مجھ کو موقف کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ کیونکہ میں لوگوں کو خدا کے نزدیک حساب کے لئے کھڑا کروں گا۔ اور خدا نے میرا نام عقب رکھا ہے کیونکہ تمام پیغمبروں کے عقب میں آیا ہوں اور میرے بعد کوئی پیغمبر نہ ہو گا۔ میں رسولؐ رحمت اور رسولؐ توبہ اور رسولؐ ملاحم ہوں۔ یعنی جنگ کرنے والا ہوں اور میں رسولؐ مقفے ہوں کہ تمام انبیاء کے قفا میں یعنی بعد میں مبعوث ہوا ہوں۔ اور میں قثم ہوں یعنی کامل تمام کمالات کا جامع اور میرے پروردگار نے مجھ پر احسان کیا ہے اور کہا ہے کہ ہر پیغمبر کو اس کی امت کی زبان میں یعنی ایک زبان کے ساتھ مبعوث کیا ہے' اور تم کو ہر سرخ و سیاہ پر مبعوث کیا ہے اور تمہاری مدد کی ہے اس خوف کے ساتھ جو تمہاری طرف سے تمہارے دشمنوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔ کسی دوسرے پیغمبر کے بارے میں ایسا نہیں کیا۔ اور کافروں کا مال غنیمت تمہارے لئے حلال کر دیا ہے۔ لیکن تم سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان کو یہ حکم دیا تھا کہ کافروں سے جو مال غنیمت میں حاصل ہو اس کو جلا دو۔ اور تم کو اور تمہاری امت کو عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ عطا کیا ہے اور وہ سورۃ فاتحہ الکتاب کے سورتوں میں سے اور سورۃ بقرہ کی آیتیں ہیں۔ اور تمہارے اور تمہاری امت کے لئے تمام روئے زمین کو محل سجدہ قرار دیا ہے۔ برخلاف امتہائے گزشتہ کے کہ ان کو عبادت خانوں کے سوا کہیں سجدہ کا حکم نہ تھا۔ اور زمین کی خاک کو تمہارے لئے پاک کرنے والی بنایا اور کلمہ اللہ اکبر کو تمہیں اور تمہاری امت کو بخشا۔ اور اپنا ذکر تمہارے ذکر سے متصل کر دیا کہ جب تمہاری امت مجھ کو وحدانیت کے ساتھ یاد کرے تو تم کو رسالت کے ساتھ یاد کرے۔ لہذا اے محمد (محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) تم کو اور تمہاری امت کو خوشخبری ہو۔

دوسری حدیث معتبر میں ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ حضرتؐ کی خدمت میں آیا اور سوال کیا کہ کس سبب سے آپ کو احمدؐ محمدؐ ابو القاسم اور بشیر و نذیر اور داعی کہتے ہیں؟ فرمایا کہ مجھ کو محمدؐ اس لئے کہتے ہیں کہ زمین میں مدح کیا گیا ہوں' احمد اس وجہ سے کہ اہل اسلام نے میری ثنا کی ہے اور ابو القاسم اس سبب سے میرا نام ہے کہ روز قیامت خدا بہشت و دوزخ میرے سبب سے تقسیم کرے گا۔ لہذا جو شخص گزشتہ و

آئندہ لوگوں میں سے کافر ہو گیا ہے اور مجھ پر ایمان نہیں لایا ہو گا اس کو جہنم میں ڈالے گا اور جو شخص مجھ پر ایمان لایا ہو گا اور جس نے میری رسالت کا اقرار کیا ہو گا اس کو بہشت میں داخل کرے گا۔ مجھ کو داعی اس سبب سے کہتے ہیں کہ میں لوگوں کو اپنے پروردگار کے دین کی دعوت دیتا ہوں۔ نذیر اس لئے کہتے ہیں کہ جو شخص میری نافرمانی کرتا ہے اس کو آتش جہنم سے ڈراتا ہوں۔ بشیر اس لئے نام ہوا کہ اپنے فرمانبرداروں کو بہشت کی بشارت دیتا ہوں۔

حدیث موثق میں روایت ہے کہ حسن بن فضال نے امام رضاؑ سے پوچھا کہ کس لئے حضرت رسالت مآب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ہوئی؟ فرمایا اس لئے کہ حضرتؐ کے ایک فرزند کا نام قاسم تھا۔ حسن نے کہا کیا حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس سے زیادہ آگاہ کرنے کے قابل نہیں سمجھتے۔ فرمایا کیوں نہیں۔ شاید تم نہیں جانتے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اور علیؑ اس امت کے دو باپ ہیں۔ میں نے عرض کی ہاں۔ جانتا ہوں تو فرمایا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ آنحضرتؐ تمام امت کے باپ ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ علی علیہ السلام بہشت دوزخ و دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہیں۔ میں نے عرض کی ہاں۔ تو فرمایا کہ پیغمبرؐ بہشت و دوزخ تقسیم کرنے والے کے باپ ہیں۔ اسی سبب سے خدا نے ان کی کنیت ابو القاسم قرار دی۔ میں نے عرض کی کہ ان کا باپ ہونا کس سمت سے ہے؟ فرمایا مطلب یہ ہے کہ جناب سرور کائناتؐ کی شفقت تمام امت کے لئے شفقت پدر کے مانند ہے۔ اور علی آنحضرتؐ کی امت کے بہترین فرد ہیں اسی طرح بعد آنحضرتؐ کے حضرت علیؑ کی شفقت امت پر آنحضرتؐ کی شفقت کے برابر ہے کیونکہ وہ ان کے وصی اور جانشین اور امت کے امام و پیشوا ہیں۔ اس سبب سے فرمایا کہ میں اور علیؑ اس امت کے دو باپ ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک روز جناب سرور عالمؐ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جو شخص کچھ قرض اور اہل و عیال چھوڑ کر مرجائے اس کے قرض کی ادائگی اور عیال کے اخراجات میرے ذمہ ہیں اور جو شخص کچھ مال چھوڑے اور اس کے وارث موجود ہوں تو مال اس کے وارثوں کا ہے۔ اسی سبب سے آنحضرتؐ اپنی امت پر خود ان کی جانوں سے زیادہ تصرف کا حق رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے بعد امت کی جانوں پر ان سے زیادہ تصریف کا حق رکھتے تھے۔

دوسری حدیث موثق میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب سرور کائناتؐ کے دس نام تھے۔ پانچ نام قرآن میں مذکور ہیں۔ اور پانچ نام اس سے علیٰحدہ ہیں۔ قرآن میں مذکورہ نام محمدؐ" احمدؐ" عبداللہؐ" یٰسینؐ" اور نونؐ ہیں۔ اور جو قرآن میں نہیں ہیں وہ فاتحؐ، خاتمؐ کافیؐ، مقفیؐ اور حاشرؐ ہیں۔ اور علی بن ابراہیم سے روایت ہے کہ خدا نے حضرتؐ کا مزمل نام رکھا کیونکہ جس وقت آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوئی تو آپؐ کمبل اوڑھے ہوئے تھے اور مدثر کا خطاب قیامت سے پہلے حضرتؐ کی رجعت کے اعتبار سے ہے۔

یعنی وہ جو کفن پہنے ہوئے زندہ ہو کر دوبارہ لوگوں کو عذاب خدا سے ڈرائے۔

روایت معتبر میں ہے کہ سرور کائنات نے فرمایا کہ خلاق عالم نے مجھ کو اور علیؑ کو ایک نور سے پیدا کیا اور ہمارے واسطے اپنے ناموں سے دو نام اشتقاق کئے۔ خداوند صاحب عرش محمود ہے میں محمدؐ ہوں۔ اور حق سبحانہ تعالیٰ علی اعلیٰ ہے اور امیرالمومنین علیؑ ہیں۔

ابن بابویہ نے بسند صحیح امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب ابراہیم کے صحیفوں میں آنحضرتؐ کا نام ماحیؑ ہے۔ توریت میں حاذ" انجیل میں احمدؐ اور قرآن میں محمدؐ ہے۔ لوگوں نے پوچھا ماحی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا بتوں، تصویروں اور ہر معبود باطل کا محو کرنے والا۔ اور حاذ کے معنی ہیں خدا اور دین خدا کے دشمن سے دشمنی رکھنے والا، خواہ اپنا ہو یا غیر۔ احمدؐ اس لئے کہا ہے کہ خدا نے ان کی بہت مدح کی ہے ان کے افعال شائستہ کے سبب سے جو ان کے پسند فرمائے ہیں اور محمدؐ سے یہ مطلب ہے کہ خدا اور فرشتے اور تمام انبیاء اور ان کی امتیں سب آنحضرتؐ کی مدح کرتے ہیں اور آپ پر درود بھیجتے ہیں اور آپ کا نام عرش پر محمد رسول اللہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تحریر ہے اور صفار نے بسند معتبر حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ کے دس نام قرآن میں ہیں۔ محمدؐ، احمدؐ، عبداللہ، طٰہٰ، یٰسین، نون، مزمل، مدثر، رسول اور ذکر۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (آیت ۱۴۴ سورۃ آل عمران) مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ (سورۃ الصف آیت ۶ پ ۲۸) وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا (آیت ۱۹ سورۃ جن پ ۲۹) طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی (آیت ۱-۲ سورۃ طٰہٰ پ ۱۶) یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ (سورۃ یٰسین آیت ۱ پ ۲۲) نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ (آیت سورۃ قلم پ ۲۹) یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ (آیت ۱ سورۃ المزمل پ ۲۹) یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ (سورۃ المدثر پ ۲۹) قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ (سورۃ الطلاق پ ۲۸ آیت ۱۰، ۱۱) حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ذکر آنحضرتؐ کے ناموں میں سے ہے اور ہم اہل ذکر ہیں۔ جیسا کہ خدا نے قرآن میں حکم دیا ہے کہ جو کچھ نہ سمجھو اہل ذکر سے پوچھو۔ بعض علماء نے قرآن سے چار سو اسماء آنحضرتؐ کے ثابت کئے ہیں۔ اور مشہور یہ ہے کہ توریت میں آنحضرتؐ کا نام مود مود ہے، انجیل میں طاب طاب اور زبور میں فار قلیط ہے۔ اکثر علماء نے آنحضرتؐ کے اسمائے گرامی اور القاب ان کے علاوہ جو سابق میں مذکور ہو چکے ہیں جو قرآن سے بیان کئے ہیں یہ ہیں۔ شاہد، شہید، مبشر، بشیر، نذیر، داعی، سراج منیر، رحمۃ للعالمین، رسول اللہ، خاتم النبیین، نبی امی، نور، نعمت، رؤف، رحیم، منذر، مذکر، شمس، نجم، حٰم، ساہ اور تمیں۔

سلیم بن قیس کی کتاب میں مرقوم ہے کہ جناب امیر علیہ السلام جنگ صفین سے واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں ایک راہب کے دیر کے پاس ٹھہرے۔ جو حواریان عیسیٰؑ کی نسل سے تھا اور عیسائیوں کا عالم تھا۔ وہ چند کتابیں لئے ہوئے دیر سے نکلا۔ اس نے بیان کیا کہ میرے جد بزرگوار حضرت عیسیٰؑ کے سب سے بڑے

حواری تھے اور یہ کتابیں انہیں کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں۔ عیسیٰؑ بولتے گئے اور وہ لکھتے گئے تھے۔ ان میں تحریر ہے کہ ایک پیغمبر عرب کے شہر مکہ میں مبعوث ہو گا' جو فرزندان ابراہیم خلیلؑ سے ہو گا۔ اس کے چھ نام ہوں گے۔ محمدؐ' عبداللہ' یاسین' فتاح' خاتم' حاشر' عاقب' ماحی' قائد' نبی اللہ' صفی اللہ' حبیب اللہ۔ اور جہاں خدا کا نام مذکور ہو گا اس کا نام بھی لیا جائے گا۔ وہ خدا کے نزدیک خلق میں سب سے زیادہ محبوب ہو گا۔ خدا نے کسی ملک مقرب کو نہ آدمؑ سے لے کر آخر پیغمبر تک کسی پیغمبر مرسل کو پیدا کیا ہے جو خدا کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہو۔ قیامت میں خدا اس کو اپنے عرش پر بٹھائے گا اور اس کو شفیع قرار دے گا۔ وہ جس کی شفاعت کرے گا خدا قبول فرمائے گا اور قلم اس کے نام محمدؐ رسول اللہ کے ساتھ لوح پر جاری ہوا ہے۔

بہت سی معتبر حدیثوں میں' امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام سے منقول ہے کہ جب پیغمبرؐ خدا نماز پڑھتے تھے تو پنجوں کے بل کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ پیروں پر ورم آ جاتا تھا۔ تو خدا نے فرمایا طٰہٰ مَا اَنزَلنَا عَلَیکَ القُرآنَ لِتَشقٰی (آیت ۲ سورۃ طٰہٰ پ ۱۶) یعنی اے محمدؐ ہم نے قرآن تم پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم اپنے تئیں مشقت میں ڈالو۔ طٰہٰ کے معنی ہیں اے حق کے طلب کرنے والے اور حق کی جانب ہدایت کرنے والے۔ اور یٰسین کے معنی ہیں اے سننے والے اور حق کے سنانے والے اور میرے زندہ بندے۔ اور دوسری حدیث میں "اے سردار" ہے۔

بہت سی حدیثوں میں خاصہ و عامہ سے منقول ہے کہ یٰسین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نام ہے۔ اور آل یٰسین آپ کے اہل بیتؑ ہیں جن پر خدا نے قرآن میں سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے۔ سَلَامٌ عَلٰی اٰلِ یٰسِین (آیت ۱۳۰ سورۃ والصفت پ ۲۳) خدا نے فرمایا قرآن میں سوائے اہل بیت رسولؐ کے اور کسی کے اہل بیت پر سلام نہیں بھیجا ہے۔ قرات اہل بیتؑ کے مطابق ایسا ہے۔ یعنی' سَلَامٌ عَلٰی اٰلِ یٰسِین اور دوسری روایت میں وارد ہے کہ یٰسین نام مت رکھو کیونکہ وہ آنحضرتؐ کا نام ہے۔ اور حضورؐ نے اجازت نہیں دی ہے کہ کسی دوسرے کا نام یٰسین رکھا جائے۔ دوسری حدیث معتبر میں امام موسیٰ کاظم بن جعفر علیہم السلام سے منقول ہے حٰمٓ وَ الکِتٰبِ المُبِین (آیت ۲ سورۃ زخرف پ ۲۵) کی تفسیر میں آپ نے فرمایا کہ حٰمٓ آنحضرتؐ کا نام ہے اس کتاب میں جس کو خدا نے حضرت ہودؑ پر نازل کیا تھا۔ اور کتاب مبین سے مراد امیر المومنینؑ ہیں۔ روایات معتبرہ میں قول حق سبحانہ و تعالیٰ و النجم اذا ھو (آیت ۱ سورۃ النجم پ ۲۷) کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ خدا نے پیغمبرؐ کی قسم کھائی ہے۔ جس وقت کہ آپ معراج میں تشریف لے گئے یا دنیا سے رحلت فرمائی۔ نجم سے مراد آنحضرتؐ ہیں۔ جو آسمان ہدایت کے ستارے ہیں۔ اسی طرح قول خدا عَلٰمٰتٍ وَ بِالنَّجمِ ھُم یَھتَدُونَ (آیت ۱۶ سورۃ النحل پ ۱۴) کی تفسیر میں حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ علامات سے مراد آئمہ اطہار ہیں جو راہ ہدایت کے نشانات ہیں اور نجم رسولؐ خدا ہیں۔ جن سے ان لوگوں

نے ہدایت پائی ہے۔ اور وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا (آیت ۱ سورۃ الشمس پ ۳۰) کی تفسیر میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ شمس سے مراد خورشید فلک رسالت حضرت محمد مصطفیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قمر سے ماہ اوج امامت یعنی امیر المومنین ہیں جو تالی آنحضرت ہیں۔ یعنی آپ کے پیچھے پیچھے آنے والے اور نہار (دن) سے مراد آئمہ اطہار ہیں جن کے نور ہدایت سے دنیا روشن ہے۔ اور والتین (آیت ۱ تا ۳ سورۃ تین پ ۳۰) کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ تین سے مراد سید المرسلین ہیں جو شجر نبوت کے بہترین ثمر ہیں اور والزیتون سے امیر المومنین مراد ہیں۔ جو ہر تاریکی ضلالت کے علم و روشنی بخشنے والے ہیں۔ اور طور سینین حسن و حسین علیہم السلام ہیں جو کوہ وقار و تمکین ہیں اور بلد الامین سے آئمہ مومنان مراد ہیں۔ جو علم الٰہی کے شہر ہیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ راست الجالوت سے آپ نے پوچھا کہ انجیل میں لکھا ہے کہ فار قلیطا حضرت عیسیٰ کے بعد آئے گا۔ جو تمہاری سختیاں اور مشکلیں آسان کرے گا اور میرے حق ہونے کی شہادت دے گا جس طرح میں اس کے لئے شہادت دے رہا ہوں وہ ہر علم کے مطالب تم پر واضح کرے گا۔ راس الجالوت نے کہا ایسا ہی ہے۔

حضور اکرمؐ کے اسمائے صفاتی

جناب سیوطی خصائص کبریٰ جلد ا ص ۱۸۵ سطر آخر پر تحریر کرتے ہیں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ہزار نام ہیں۔ کچھ قرآن کریم میں مذکور ہیں اور کچھ احادیث اور کتب سابقہ میں ہیں۔

شیخینؒ نے حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت کی' انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے' آپؐ نے فرمایا میرے بہ کثرت نام ہیں' میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں ماحی ہوں' کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو ناپید کرے گا۔ میں وہ حاشر ہوں کہ میرے قدموں پر لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور میں عاقب ہوں اس وجہ سے میں سب سے پیچھے آیا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔

احمد وطیالسی نے اپنی مسانید میں اور ابن سعد' حاکم اور بیہقی نے حضرت جبیرؓ سے روایت کی' انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا میں محمدؐ' میں احمدؐ' میں حاشرؐ میں ماحی اور خاتم و عاقب ہوں۔

طبرانی نے اوسط میں نیز ابو نعیم نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی انہوں نے کہا۔ رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں محمدؐ' میں احمدؐ میں حاشر اور ماحی ہوں۔

امام احمد و مسلم نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کی کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بہت سے نام بتائے۔ ان میں سے کچھ تو ہمیں یاد ہیں اور کچھ یاد نہیں رہے۔ حضورؐ نے فرمایا میں محمدؐ میں احمد و مقفی' حاشر' نبی التوبہ' نبی الملحمہ اور نبی الرحمہ ہوں۔

امام احمد' ابن ابی شیبہ اور ترمذی نے "شمائل" میں حضرت حذیفہ سے روایت کی کہ میں نے مدینہ کے ایک کوچہ میں رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی' آپؐ نے فرمایا میں محمدؐ میں احمدؐ میں نبی الرحمہ' میں نبی التوبہ' میں المقفی' میں الحاشراور نبی الملاحم ہوں۔

ابو نعیم' ابن مردویہ اپنی تفسیر میں دیلمی مسند الفردوس میں حضرت ابو الطفیل سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میرے رب کے نزدیک میرے دس نام ہیں۔ میں محمدؐ احمدؐ فاتح' خاتم' ابو القاسم' حاشر' عاقب' ماحی' یٰسین اور طٰہٰ ہوں۔

ابن سعد نے مجاہد کی سند کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ حضورؐ نے فرمایا میں محمدؐ احمدؐ رسول الرحمہ' الملحمہ' المقفی اور الحاشر ہوں۔ مجھے جہاد کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔

ابن عدی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قرآن کریم میں میرا نام محمدؐ' انجیل میں احمدؐ' توریت میں احید ہے۔ میرا نام احید اس لئے رکھا گیا کہ میں اپنی امت کو جہنم کی آگ سے دور کرتا ہوں۔

ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتب سابقہ میں احمدؐ محمدؐ' ماحی' المقفی' نبی الملاحم' حمطایا' فارقلیطا اور ماذماذ کے ناموں سے مخاطب کیا جاتا تھا۔

ابن فارس نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا توریت میں میرا نام "احمد الضحوک القتال" ہے جو اونٹ پر سواری کرے گا' عمامہ باندھے گا اور کاندھے پر تلوار لٹکائے گا۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے اسمائے شریفہ کی شرح میں ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں تین سو چالیس ناموں کو قرآن کریم' احادیث نبوی اور کتب سابقہ سے اخذ کر کے بیان کیا ہے۔

حضورؐ کے ناموں کا اسمائے خداوندی سے انتساب

قاضی عیاضؒ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تقریباً" اپنے تیس ناموں سے مخصوص فرمایا۔ وہ اسماء حسب ذیل ہیں۔

الاکرم' الامین' الاول' الاخر' البشیر' الجبار' الحق' الخبیر' ذوالقوۃ' الرؤف' الرحیم' الشہید' الشکور' الصادق'

العلیم، العفو، العالم، العزیز، الفاتح، الکریم، المبین، المہیمن، المقدس، المولیٰ، الولی، النور، الہادی، طٰہٰ اور یٰسین۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان تیس ناموں کے سوا اور بھی بہت سے اسماء قرآن کریم میں ملتے ہیں جو یہ ہیں۔

الاحد، الاصدق، الاحسن، الاجود، الاعلیٰ، الآمر، الناہی، الباطن، البر، البرہان، البشیر، الحافظ، الحفیظ، الحسیب، الحکیم، الحلیم، الحی، الخلیفہ، الداعی، الرفیع، الواضع، رفیع الدرجات، السلام، السید، الشاکر، الصابر، الصاحب، الطیب، الطاہر، العدل، العلی، الغالب، الغفور، الغنی، القائم، القریب، الماجد، المعطی، الناصح، الناشر، الوفی، ختم اور نون (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (خصائص کبریٰ جلد ا ص ۱۸۷ سطر ۲)

حضورؐ کے مبارک ناموں کا اسمائے خداوندی سے اشتقاق

حضرت حسان بن ثابتؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں حسب ذیل اشعار پڑھے۔
(خصائص کبریٰ جلد ا ص ۱۸۸ سطر ۲)

اغر علیہ للنبوۃ خاتم — من اللہ من نور یلوح و یشہد

آپؐ حسین ہیں، آپؐ پر مہر نبوت ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، وہ مہر نور ہے جو چمکدار ہے اور گواہی دیتی ہے۔

و ضم الالہ اسم النبی الی اسمہ — اذا قال فی الخمس المؤذن اشہد

اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا، جب مؤذن پانچوں وقت **اشہد ان لا الہ الا اللہ** کہتا ہے تو اس کے ساتھ **اشہد ان محمدا رسول اللہ** کا بھی اظہار و اعلان کرتا ہے۔

و شق لہ من اسمہ لیجلہ — فذو العرش محمود و ھذا محمد

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نام سے حضورؐ کا نام نکالا تاکہ آپؐ کی عزت و عظمت کا اظہار ہو۔ تو مالک عرش کا نام محمود ہے اور آپؐ کا نام محمد ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

بیہقی و ابن عساکر نے سفیان بن عیینہ کی سند سے حضرت علی بن زید بن جدعان سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا۔ لوگوں نے ایک اجتماع سے مذاکرہ کیا کہ عرب میں کونسا شاعر بہتر ہے اور اس کے کلام میں وہ کونسا بہترین شعر ہے جو اس نے حضورؐ کی منقبت میں کہا ہے؟ چنانچہ متفقہ طور پر کہا گیا کہ "**و شق لہ من اسمہ الخ**" سب سے بہتر شعر ہے۔

ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پیدا ہوئے تو

حضرت عبدالمطلب نے ایک دنبہ کا عقیقہ کیا اور حضورؐ کا نام محمد رکھا' اس موقع پر کسی نے ان سے کہا:
"اے ابو الحارث! کیا وجہ ہے کہ آپ نے حضورؐ کا نام محمد رکھا اور اپنے آباء و اجداد کے ناموں پر نام نہ رکھا؟"
عبدالمطلب نے جواب دیا: میں نے چاہا کہ آسمان میں اللہ تعالیٰ میرے پوتے کی مدح فرمائے اور زمین پر ساکنان خاک آپ کی تعریفیں کریں' اور اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کی اس آرزو کو اس طرح پورا کر دیا کہ آج آفاق اس نام نامی سے گونج رہا ہے۔
اور گیارہویں سال میں یہ آفتاب عالم تاب نگاہ خلق سے اوجھل ہو گیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیما کثیرا۔ (خصائص کبریٰ جلد ا ص ۱۳۳ سطر آخر)

الوفا

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی الانبیاء علیہ افضل التسلیمات و اکرمھا نے ارشاد فرمایا۔ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں اور احمد اور میں ماحی ہوں جن کی بدولت اللہ آثار شرک اور ظلمت کفر کو دور فرما رہا ہے۔ اور میں حاشر ہوں یعنی اہل محشر کا مقتدا (سب سے پہلے آپ مزار انور سے اٹھیں گے اور سب مخلوق آپ کے بعد) اور میں عاقب ہوں۔ یعنی بعثت کی رو سے آخری جن کے بعد کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہو گا۔
انہی جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں۔ (جن کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی اور کی جاتی رہے گی) اور احمد (جو کہ سب سے زیادہ اپنے خالق و مالک کی حمد و ثناء کرنے والے ہیں) میں حاشر ہوں یعنی جن کی اقتداء میں سب اہل محشر اور حشر کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور میں ماحی ہوں جن کے نور نبوت سے ظلمت کفر کو اللہ تعالیٰ نے دور فرمایا اور میں عاقب ہوں میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا۔ (الوفا ص ۱۳۳ سطر ۵)
حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حبیب پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰت و التسلیمات نے ہمیں اپنے کئی نام مبارک بیان فرمائے جن سے بعض ہمیں یاد رہے اور بعض کو ہم یاد نہ رکھ سکے۔ فرمایا میں محمد ہوں اور احمد' مقفی (آخر میں مبعوث ہونے والے) اور حاشر۔ نبی توبہ (جن کی نظر کرم اور نگاہ لطف و عنایت سے اللہ رب العزت توبہ قبول فرمائے گا) اور نبی الملاحم (جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کریں گے اور دشمنان توحید کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے اور اہل اسلام پر دست ظلم و عدوان دراز کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دیں گے۔)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی منقول ہے کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چند اسماء گرامی بیان فرمائے جن میں سے یہ ہمیں یاد رہے۔ محمد و احمد' مقفی' حاشر' نبی التوبہ' نبی الملحمۃ
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس دسترخوان پر کھانا کھایا جائے اور دعوت کا اہتمام کیا جائے اور کھانے والوں میں ایسا شخص موجود نہ ہو جس کا نام میرے نام پر ہو تو وہ دگنا کھا جائے گا۔ (کیونکہ خیر و برکت سے خالی ہو گا۔)
حضرت علی بن ابی طالب صلواۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نبی التوبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب بھی کوئی قوم مشورے کے لئے جمع ہو اور ان میں میرا ہم نام موجود نہ ہو تو اس میں خیر و برکت نہیں ہو گی۔
ابن فارس لغوی کہتے ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمیں اسماء گرامی ہیں۔ محمد' احمد' ماحی' حاشر' عاقب' مقفی' نبی الرحمۃ' نبی التوبہ' نبی الملاحم' شاہد (امت کے احوال پر مطلع اور قیامت کے دن صفائی کے گواہ) مبشر (اہل اطاعت کو جنت اور ابدی راحت کی خوشخبری سنانے والے) بدر (حسن و جمال میں چودھویں کے چاند) ضحوک (تبسم کی عادت والے اور پاکیزہ حکمت والے) قتال (حرب و قتل میں بنفس نفیس حصہ لینے والے) متوکل۔ فاتح۔ (کشدہ سینہ والے' کشادہ ثنایا والے یا کشادہ گلے والے) امین۔ خاتم (آخری نبی) مصطفیٰ' رسول' نبی' امی' قثم (جواد و کریم)
ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ آپ کی نبوت و رسالت کا اعجاز یہ ہے کہ آپ سے پہلے کوئی شخص آپ کے مقدس ناموں کے ساتھ موسوم نہ ہو سکا حالانکہ سابقہ کتب و صحف میں آپ کے اوصاف کمال اور صفت جمال کے لحاظ سے متعدد مقدس نام مذکور تھے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ظہور ہے کہ آپ کے نام کو آپ کی ذات کے لئے ہی مخصوص و محفوظ رکھا اور کسی کو آپ کا ہم نام نہ بننے دیا۔ جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں وارد ہے۔ لم نجعل لہ من قبل سمیا ہم نے ان سے قبل ان کا کوئی ہم نام نہیں بنایا اور اس میں حکمت و مصلحت یہ تھی کہ کتب سابقہ میں آپ کے نام اقدس کا ذکر تھا اور انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ کی بشارت دی تھی اگر کوئی دوسرا شخص نام اقدس میں آپ کے ساتھ شریک ہوتا تو وہ بھی دعوئ نبوت کر سکتا تھا۔ اور اس طرح شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے تھے (لہذا اس بنیاد کو ہی ختم کر دیا گیا اور کسی کو یہ نام اقدس رکھنے کی توفیق ہی عطا نہ ہوئی۔)
البتہ جب زمان ولادت سعادت نشان پیغمبر آخر الزمان علیہ صلوات الرحمن قریب ہوا اور اہل کتاب نے آپ کے قرب ظہور کی خبر دی جیسا کہ چار شخص عدی' یزید بن عمرو' سفیان بن مجاشع اور اسامہ بن مالک' ایک راہب کے پاس حاضر ہوئے اور اس کی زبانی سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کا نام اقدس اور قرب زمانہ ظہور معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی اولاد کا نام محمد رکھا باین امید کہ ہماری اولاد اس اعزاز و اکرام سے مشرف

ہو اور وہ موعود و مبشر ہستی وہی بن سکیں لیکن نہ تو اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ وہ اس مرتبہ پر پہنچیں اور نہ ہی ان میں سے کسی شخص نے دعوئی نبوت و رسالت کیا لہٰذا التباس و اشتباہ و الا مفسدہ لازم نہ آیا۔ (الحلبیہ جلد ۱ ص ۳۵ سطر ۱)

اسم محمدؐ کہاں کہاں

سیرت دحلانیہ جلد ۱ ص ۲۰۵ سطر ۳ پر تحریر ہے۔

رہا وہ جو آپؐ کے اسم شریف کے وجود پر دلالت کرتا ہے یعنی لفظ "محمد" تو یہ پتھروں پر اور نباتات و حیاتیات وغیرہ پر قلم قدرت کے ساتھ بکثرت لکھا ہوا ہے۔ اور ان میں سے یہ ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت سلیمان بن حضرت داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نقش تھا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا! حضرت سلیمان بن حضرت داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی آسمانی تھی۔ یعنی ان کے لئے آسمان سے آئی تھی۔ اور اس میں انتظام مملکت کا انحصار تھا۔ اور اس پر لکھا ہوا تھا **لا الہ الا انا محمد عبدی و رسولی** یعنی کوئی معبود نہیں مگر میں' محمد میرے بندے اور رسول ہیں۔ تو یہ امر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بالمعنی سے پہلے ہو گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے خلا میں جاتے وقت انگوٹھی کو اتار دیا' تو ان سب لوگوں نے آپ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ جو انگوٹھی اتارنے سے قبل آپ کا حکم مانتے تھے۔ اور بعض قدیم پتھروں پر آپ کا اسم گرامی محمدؐ' تقی' مصلح اور سید امین لکھا ہوا پایا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کو فرمایا' ہمیں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وہ فضائل بتائیں جو آپؐ کی ولادت سے پہلے کے ہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' ہاں اے امیر المومنین میں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی روایت میں پڑھا! ایک پتھر ملا جس پر چار سطریں لکھی ہوئی تھیں۔

پہلی سطر میں لکھا تھا: **انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدونی** یعنی میں معبود ہوں کوئی معبود نہیں مگر میں' پس میری عبادت کرو۔

دوسری سطر میں لکھا تھا: **انا اللہ لا الہ الا انا محمد رسول اللہ طوبیٰ لمن امن بہ و تبعہ** یعنی میں اللہ ہوں' کوئی معبود نہیں' مگر میں' محمد اللہ کے رسول ہیں جو ان کے ساتھ ایمان لائے گا اور ان کی اتباع کرے گا اس کے

لئے طوبیٰ ہے۔
تیری سطر میں لکھا تھا: **انا اللہ لا الہ الا انا الحرام لی و الکعبتہ بیتی من دخل بیتی امن عذابی** یعنی میں اللہ ہوں، کوئی معبود نہیں، مگر میں، حرم میرے لئے ہے۔ کعبہ میرا گھر ہے۔ جو میرے گھر میں داخل ہوا اسے میرے عذاب سے امان مل گئی۔
علی نے کہا: اور چوتھی سطر کو دیکھا گیا پھر بعض سے نقل کیا، خراسان میں ۵۴۳ھ میں شدید آندھی چلی، جیسی کہ قوم عاد پر چلی تھی۔ جس نے پہاڑوں کو الٹ دیا اور اس سے درندے بھاگ نکلے تو لوگوں نے گمان کیا کہ قیامت قائم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے لگے۔ تو دیکھا کہ ان پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر نور عظیم اتر رہا ہے۔ پھر درندے کھڑے ہو گئے اور اس پہاڑ کی طرف لوٹ آئے۔ اس میں وہ نور ساقط ہو گیا۔ اس میں لوگوں نے ایک پتھر پایا جس کی لمبائی ایک ہاتھ اور چوڑائی تین انگلیوں کے برابر تھی۔ اس میں تین سطریں درج تھیں۔
پہلی سطر میں لکھا تھا: **لا الہ الا اللہ فاعبدون** یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اس کی عبادت کرتے ہیں۔
دوسری سطر میں تحریر تھا: **محمد رسول اللہ القرشی**۔ محمد قرشی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔
تیسری سطر میں درج تھا: **احذر واقعت المغرب انما تکون من سبعتہ او تسعتہ و القیامت قد ازلت ای قربت** یعنی تم ساتویں یا نویں صدی میں مغرب میں واقع ہونے والی آفت سے ڈرو، قیامت قریب ہے۔

محمدؐ ہی محمدؐ ہیں

حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں میں نے آسمانوں کی طرف دیکھا تو وہاں کوئی ایسا مقام نہ پایا جہاں اسم محمدؐ نہ لکھا ہوا ہو۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (سیرت دحلانیہ جلد ۱ ص ۳۰۶ سطر آخر)
میں نے جنت کو دیکھا تو اس کے ہر محل اور بالا خانے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لکھا ہوا پایا اور میں نے دیکھا حور العین کی آنکھوں کی پتلیوں، آجام، جنت کے پتوں، طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ، کے درخت پر اور ملائکہ کی پیشانیوں پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحریر تھا۔ بعض نے کہا قلم نے لوح پر جو پہلے لکھا وہ یہ تھا۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انی انا للہ لا الہ الا انا محمد رسول اللہ من استسلم بقضائی و صبر علی بلائی و شکر علی نعمائی و رضی بحکمی کتبتہ صدیقا و بعثتہ یوم القیامت من الصدیقین
یعنی شروع ساتھ نام اللہ رحمٰن و رحیم کے، میں اللہ ہوں، کوئی معبود نہیں مگر میں، محمدؐ میرے رسول ہیں۔ جس نے میرے فیصلے کو تسلیم کیا اور میری آزمائش پر صبر کیا، اور میری نعمتوں کا شکر کیا اور میرے حکم پر

راضی ہوا' اسے صدیق لکھا گیا۔ اور وہ قیامت کے دن صدیقین میں اٹھایا جائے گا۔
ایک روایت میں ہے کہ لوح محفوظ کے صدر میں تحریر ہے۔

لا الہ الا اللہ دینہ الاسلام محمد عبدہ و رسولہ فمن امن بہما ادخلہ اللہ الجنۃ

یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا دین اسلام ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ تو جو اس پر ایمان لایا اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا۔

خیمہ عرش پر محمدؐ

ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا' جو ہوا ہے اور جو ہو گا تحریر کر دے تو اس نے عرش کے سراپردہ پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا۔
حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات سے امام جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں لکھا ہے۔ آپ کا اسم شریف اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام کے ساتھ عرش پر لکھا ہوا ہے۔
اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ کانپنے لگا پھر اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو وہ ٹھہر گیا۔
حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی "محمد" تمام عالم ملکوت یعنی آسمان و جنت اور جو کچھ عالم ملکوت میں ہے ہر چیز پر لکھا ہوا ہے۔

وہ نہ ہوتے' کچھ نہ ہوتا

حضرت علی کرم علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا محمد و عزتی و جلالی لو لاک ما خلقت ارضا و لا سماء ولا رفعت ھذہ الخضراء ولا بسطت ھذہ الغبراء
(سیرت دحلانیہ جلد ۱ ص ۴۰۸ سطر ۱۲)

یعنی اے محمدؐ! مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم' اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین و آسمان کو پیدا نہ فرماتا اور نہ آسمان کو بلند کرتا اور نہ زمین کو باندھتا۔
ایک روایت میں ہے کہ نہ میں زمین و آسمان کو پیدا فرماتا اور نہ طول و عرض کو' اور یہ کہنے والے کی اللہ تعالیٰ کے ہاں خوبی ہو۔

ولا ما کان فلک ولا فلک کلا و لا بان تحریم و تحلیل
اگر وہ نہ ہوتے تو آسمان اور آسمانی مخلوق نہ ہوتی اور نہ حلال و حرام ہوتا۔
اور اس میں سے یہ ہے جو بعض نے بیان کیا کہ ہم غزوۂ ہندوستان کے لئے گئے اور ایک جنگل میں گرے۔ وہاں ایک درخت دیکھا جس کے سرخ پتوں پر سفید رنگ میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔
ایک شخص نے بیان کیا! میں نے ایک جزیرے میں بہت بڑا درخت دیکھا جس کے بڑے بڑے خوشبودار سبز پتوں پر سرخ و سفید رنگوں میں تین سطور لکھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے پہلی سطر پر ' لا الہ الا اللہ دوسری میں محمد رسول اللہ تیسری میں الدین عند اللہ الا سلام یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔ (سیرت دحلانیہ جلدا ص ۴۰۹ سطرا)

سیاہ گلاب پر اسم محمدؐ

ایک دوسرے شخص نے بیان کیا' میں ہندوستان کے علاقہ میں گیا اور ایک بستی میں سیاہ گلاب کا پودا دیکھا' جس کے بڑے بڑے خوشبودار سیاہ پھولوں پر سفید رنگ میں لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مجھے شک گذرا اور اسے ایک اتفاقی واقعہ سمجھا اور ایک دوسرے پھول کو دیکھا جو کھلا نہیں تھا۔ تو اس میں بھی وہی تحریر پائی جو دوسرے تمام پھولوں میں تھی۔ اس شہر میں یہ چیز کثرت سے تھی' مگر وہاں کے لوگ پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔ (سیرت دحلانیہ جلدا ص ۴۰۹ سطر ۸)

سرخ گلاب پر اسم محمدؐ

ابن مرزوق نے شرح بردہ شریف میں ان میں سے بعض کی روایت نقل کی' کہا: کہ ہم بحر ہند میں تھے کہ آندھی کی وجہ سے بھنور میں پھنس گئے جس نے ہمیں ایک جزیرہ میں پہنچا دیا۔ وہاں ہم نے سرخ گلاب کا ایک خوشبودار پھول دیکھا جس پر زرد رنگ میں لکھا ہوا تھا: براۃ من الرحمن الرحیم الی جنت النعیم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

سبز پتے پر اسم محمدؐ

ایک شخص نے حکایت بیان کرتے ہوئے کہا: میں نے ہندوستان کے علاقہ میں ایک درخت دیکھا جس کا پھل

بادام جیسا تھا اور اس پر دو چھلکے تھے جب اسے توڑا جاتا تو اس کے مغز پر لپٹا ہوا سبز پتہ نکلتا جس پر سرخ رنگ سے نمایاں طور پر لکھا ہوتا۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

لوگ اس درخت سے تبرک حاصل کرتے اور اس کے وسیلے سے بارش طلب کرتے مگر اس سے مدد مانگتے۔ (سیرت وحلانیہ جلد ۱ ص ۳۰۱ سطر ۳)

ہر شاخ پر محمدؐ

ایک شخص نے حافظ سلفی سے ہندوستان کے علاقے کے ایک درخت کے بارے میں حکایت بیان کی جس کے پتے سبز رنگ کے تھے۔ اور ان پر گہرے سبز رنگ سے تحریر ہوتا۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اس شہر کے لوگ بت پرست تھے چنانچہ وہ اس درخت کو کاٹ دیتے۔ اور اس کا نشان مٹا کر جڑ کے گرد قلعی بھر دیتے۔ مگر وہ جلد ہی اپنی اصلی حالت میں آجاتا اور اس کی جڑ سے چار شاخیں پھوٹتیں اور ہر شاخ پر لکھا ہوتا۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

لوگ اس سے برکت اور شدید بیماری میں شفاء حاصل کرتے اور اس کے ساتھ زعفران اور اچھی خوشبوئیں پیدا کرتے۔ (سیرت وحلانیہ جلد ۱ ص ۳۱۰ سطر ۷)

انگور پر محمدؐ

سن ہجری آٹھ سو سات یا آٹھ سو نو میں ایک انگور کا دانہ پایا گیا جس پر نہایت خوبصورت اور یکتا تحریر میں اسم محمد لکھا ہوا تھا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (سیرت وحلانیہ جلد ۱ ص ۳۱۰ سطر آخر)

مچھلی پر اسم محمدؐ

ان میں سے ایک نے بیان کیا، ہم نے ایک مچھلی پکڑی جس کے ایک پہلو پر **لا الہ الا اللہ** اور دوسرے پہلو

محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ جب ہم نے یہ امر دیکھا تو اس مچھلی کو احتراماً نہر میں چھوڑ دیا۔

ایک شخص نے بیان کیا: ہماری کشتی دریائے مغرب میں جا رہی تھی۔ اور ہمارے ساتھ ایک غلام تھا جس نے کانٹے میں ایک بالشت لمبی سفید مچھلی پکڑی جس کے ایک کان پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے کان پر محمد رسول اللہ سیاہ رنگ سے لکھا ہوا تھا۔ (ص ۴۱۱ سطر ۴)

پرندوں کے پاس اسم محمدؐ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک پرندہ آیا جس کے منہ میں سبز رنگ کا موتی تھا۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پکڑ لیا اس میں ایک سبز کیڑا تھا جس پر زرد رنگ میں لکھا ہوا تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
یہ روایت حلبی نے سیرت میں نقل کی ہے۔ (ص ۴۱۱)

بادلوں میں اسم محمدؐ

ایک شخص نے حکایت بیان کی کہ طبرستان میں کچھ لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل تھے مگر ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہ کرتے تھے۔ ایک شدید گرم دن میں ان میں فساد ہو گیا تو آسمان پر انتہائی سفید بادل نمودار ہوئے اور مسلسل پیدا ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے مشرق و مغرب گھیر لیا اور آسمان اور اس شہر کے درمیان حائل ہو گئے۔ اور ان میں واضح طور پر یہ تحریر نمایاں تھی۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پھر یہ تحریر زوال ظہر سے لے کر عصر کے وقت تک مسلسل قائم رہی تو تمام قادیوں نے توبہ کی۔ اور وہاں رہنے والے بہت سے یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کر لیا۔ (ص ۴۱۲ سطر ۱)

سونے کی تختی پر اسم محمدؐ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کان تحتہ کنز لہما آیت کریمہ کی تفسیر مجھے یہ پہنچا ہے کہ وہ خزانہ سونے کی ایک تختی تھی۔ بعض نے کہا! سنگ مرمر کی تختی تھی۔ اس میں لکھا ہوا

تھا۔
تعجب ہے! جسے موت کا یقین ہو وہ یقین رکھتا ہو کہ مجھے مرنا ہے وہ خوش کیسے رہتا ہے۔
تعجب ہے! جسے اپنے محاسبے کا یقین ہو وہ غافل کیسے رہ سکتا ہے۔
تعجب ہے! جسے قضا و قدر کا یقین ہو وہ ملول و مخزون کیوں ہوتا ہے۔
تعجب ہے! جو دنیا کو اور اپنے گھر والوں کا انقلاب دیکھتا ہے اور وہ اس پر مطمئن کیسے ہے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** (ص ۳۱۲ سطر ۶)

حضرت علیؑ کی روایت

بیہقی وغیرہ نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جس خزانے کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے وہ سونے کی تختی تھی۔ جس پر لکھا ہوا تھا۔
"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔"
تعجب ہے! جسے تقدیر کا یقین ہے وہ رنج کیسے کرتا ہے؟
تعجب ہے! جو دوزخ کا تذکرہ کرتا ہے اور پھر ہنستا ہے؟
تعجب ہے! جو حساب کا تذکرہ کرتا ہے' وہ غافل کیسے ہے؟
اور آخر پر لکھا تھا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ایک روایت میں یہ لفظ ہیں **لا الہ الا انا محمد عبدی و رسولی** حلبی نے کہا! میں کہتا ہوں' یہ جائز ہے کہ تختی کے ایک طرف پہلی عبارت ہو' اور دوسری طرف دوسری عبارت ہو۔ جبکہ بعض روایت میں اس سے کم و بیش الفاظ بھی آئے ہیں۔ جو روایت بالمعنی کے طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس خزانے کی حفاظت ان دونوں کے صالح باپ کی وجہ سے تھا۔ اور ان کے باپ کا نام کاسح تھا۔ محمد بن المنکدر نے کہا! صالح آدمی کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد کی حفاظت فرماتا ہے۔ جہاں وہ خزانہ تھا۔ اس کے گرد دیواریں بنا دیں اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پردے میں رہے۔

صالح والدین کی برکت

ہارون الرشید کے تذکرہ میں ہے کہ وہ بعض علویوں کے قتل ہونے کی وجہ سے غمزدہ تھا۔ پس جب علوی اس کے پاس آتا تو وہ اس کے لئے راستہ خالی کروا دیتا اور اس کا اکرام کرتا تھا۔ بعض نے اسے کہا! اس دعوت

کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس سے تیری نجات کر دے گا۔ کہا! میں کہتا ہوں' اللہ تبارک و تعالیٰ نے بچوں کے والدین کی حفاظت اسی لئے فرمائی تھی کہ ان دونوں کا باپ صالح تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ میرے صالح آباء و اجداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وجہ سے میری حفاظت فرمائے گا۔ (ص ۴۱۳ سطر ۱۰)

حضرت آدم کے کندھوں پر اسم محمدؐ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے کندھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا محمد رسول اللہ خاتم النبیین۔

بچوں کی پسلیوں اور پیشانی پر اسم محمدؐ

ایک شخص نے بیان کیا کہ میں خراسان کے علاقہ میں موجود تھا' وہاں ایک بچہ پیدا ہوا' اس کے ایک پہلو پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پہلو پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔
ایک شخص نے بیان کیا۔ ۱۲۷۹ھ میں میرے ہاں ایک سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا' اس کی پیشانی پر سفید رنگ کا ایک دائرہ بنا ہوا تھا۔ جس میں نہایت خوبصورت انداز سے لفظ "محمد" لکھا ہوا تھا۔
ایک شخص نے بیان کیا میں مغربی افریقہ کے علاقہ میں موجود تھا۔ وہاں ایک شخص کو دیکھا۔ اس کی دائیں آنکھ کے نیچے سرخ رنگ کے ساتھ خط ملیح میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

بکری کے ماتھے پر اسم محمدؐ

اللہ تعالیٰ ہمیں امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ کی برکتوں سے نوازے۔ انہوں نے اپنی کتاب "لواقح الانوار القدسیہ فی قواعد السادۃ الصوفیہ" میں لکھا ہے! میں ایک روز نبوت کی نشانیوں کو جاننے کے بارے میں لکھ رہا تھا کہ میرے پاس ایک شخص بکری کا بھنا ہوا سر لے کر آیا تو میں نے اس کے ماتھے پر خط خداوندی لکھا ہوا دیکھا۔
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ارسلہ بالھدی و دین الحق یھدی بہ من یشاء و یضل بہ من یشاء شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔ اس امر کو بار بار دہرانے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ اور شاید یہ حکمت ہو کہ مقام ہدایت کی بلندی کیسی

ہے۔ اور وہ ضلالت و گمراہی سے کتنی دور ہے۔ (ص ۴۱۴ سطر ۵)

حضرت موسیٰؑ کی تحریر

زہری کہتے ہیں، میں ہشام بن عبدالملک کے پاس بلقاء میں پہنچا تو وہاں ایک پتھر پر عبرانی زبان میں لکھا ہوا دیکھا تو ایک بوڑھے کو اسے پڑھنے کے لئے بلایا۔ بوڑھے نے پڑھا تو ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا! عربی کی ظاہر زبان میں اس پر یہ امر مرقوم ہے **باسمک اللهم جاء الحق من ربک لا اله الا الله محمد رسول الله** "کتبہ موسیٰؑ بن عمران" (ص ۴۱۴ سطر ۱۵)

کنیت حضرت محمد مصطفیٰؐ

جناب ابن جوزی الوفا کے ص ۱۳۶ سطر ۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت مبارک ابو القاسم ہے کیونکہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ آپ کے وہ پہلے فرزند ارجمند ہیں جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن اقدس سے پیدا ہوئے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن اقدس سے پیدا ہوئے تو ان کے نام پر کنیت رکھنے کا خیال آنے سے تو پہلے ہی حضرت جبرئیل امین اس کنیت کی اجازت کے ساتھ حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا **السلام علیک یا ابا ابراهیم**

(یہ امر ذہن میں رہے) کہ سرور انبیاء علیہ السلام کی کنیت پر کوئی اپنے آپ کو کنیت نہیں دے سکتا۔ مثلاً ابو القاسم یا ابو ابراہیم کہلائے تو اس کو یہ درست نہیں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور ہر دو سرا بقیع میں تشریف فرما تھے تو ایک شخص نے دوسرے کو اے ابا القاسم کہہ کر پکارا جب آپ اس طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا میں نے آپ کو نہیں پکارا بلکہ فلاں کو پکارا ہے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ میرے نام پر اپنا یا اپنی اولاد کا نام رکھ سکتے ہو مگر میری کنیت کو اختیار نہیں کر سکتے۔

حضرت ابو الزبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آفتاب نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے نام پر اپنا یا اولاد کا نام رکھے تو میری کنیت پر اپنی یا اولاد کی کنیت نہ رکھے۔ اور اگر کنیت رکھے تو نام نہ رکھے۔

فائدہ

ان روایات کی وجہ سے آئمہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ اور علی الخصوص امام احمد علیہ الرحمہ سے اس ضمن میں تین روایات ہیں۔ اول۔ اسم اور کنیت کو جمع کرنا ممنوع ہے فقط اسم مبارک یا کنیت کا استعمال درست ہے۔ دوم کنیت و اسم ہردو ممنوع اور مکروہ ہیں نہ انفرادی طور پر درست اور نہ اجتماعی طور پر۔ سوم یہ ہے کہ ہردو صورت یعنی اجتماع و افراد کنیت و اسم درست ہیں۔ اور دلیل وہ روایت ہے جو ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ ایک عورت بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئی۔ عرض کیا مجھے اللہ تعالیٰ نے بچہ عطا فرمایا ہے جس کا نام میں نے بطور تبرک محمد رکھا ہے اور اس کی کنیت ابو القاسم رکھی مگر پھر معلوم ہوا کہ آپ اس امر کو پسند نہیں فرماتے۔ (اس لئے حاضر ہوئی جو ارشاد ہو اس پر عمل کیا جائے گا)

آپ نے فرمایا میرے نام کو حلال اور کنیت کو حرام کس نے کیا یا یوں فرمایا کہ کنیت کو حرام کس نے کیا ہے اور اسم مبارکہ کو حلال کس نے (یعنی دونوں برابر ہیں اور نام اقدس امت کے لئے درست ہے تو کنیت مبارکہ بھی درست ہو گی۔)

علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی سرور دو عالم علیہ السلام نے اجازت عطا فرمائی تھی آپ نے عرض کیا اگر آپ کے وصال اقدس کے بعد میرا کوئی لڑکا ہوا تو میں اس کو محمد کے مقدس نام اور بو القاسم والی مبارک کنیت سے موسوم کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

گر احادیث پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ظاہرہ میں آپ کی کنیت غیر کے لئے ممنوع تھی (تاکہ خطاب کی صورت میں التباس و اشتباہ پیدا نہ ہو اور کوئی شخص دانستہ یا عمداً آپ کو اس طرح ایذا و تکلیف نہ پہنچا سکے۔) لیکن وصال اقدس کے بعد اس میں کوئی کراہت نہیں ہے البتہ ان دونوں مخصوص واقعات کے علاوہ کنیت مبارک اور نام اقدس کا اجتماع درست نہیں ہے۔ (الوفا ص ۱۳۰ سطر آخر)

بچپن شریف

اللہ اللہ وہ بچپنے کی پھبن　　　اس خدا بھاتی صورت پہ لاکھوں سلام

یہ ایک حقیقت واقعہ ہے کہ وہ افراد جن کے لئے ازل ہی سے شان امتیازی مقدر ہو چکی ہے۔ جب اس عالم شہود میں جلوہ گر ہوتے ہیں تو ان کے بچپن کے حالات سے ہی ان کے روشن مستقبل کا اندازہ ہو جاتا

ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بچپن شریف بھی سراپا اعجاز تھا۔ حضرت ابن سبع نے آپ کے خصائص میں ذکر کیا ہے۔ کہ ملائکہ آپ کے گہوارے کو ہلایا کرتے یعنی جھولا جھلاتے تھے۔ (زرقانی علی المواہب جلد ۱ ص ۱۴۸' خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۵۳' ذکر حسین ص ۱۱۹ سطر ۱۰)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں نے آپ کے بچپن میں آپ کی ایک ایسی بات دیکھی تھی جو کہ آپ کی نبوت پر دلالت کرتی تھی اور میرے ایمان لانے میں اس کو بہت بڑا دخل حاصل ہے۔ وہ یہ تھی کہ میں نے آپ کو گہوارہ میں چاند سے کلام کرتے اور جدھر آپ کی انگلی کا اشارہ ہوتا' ادھر چاند کو جھکتے ہوئے دیکھا تھا' آپ نے فرمایا میں چاند سے اور چاند مجھ سے باتیں کرتا تھا' اور وہ مجھ کو رونے نہیں دیتا تھا اور جس وقت عرش الٰہی کے نیچے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا میں اس کے گرنے کی آواز کو سنتا تھا۔

(زرقانی علی المواہب جلد ۱ ص ۱۴۶' بیہقی' ابن عساکر' خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۵۳' ذکر حسین ص ۱۱۹ سطر ۱۳)

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ آپ کے بول و براز کا روزانہ ایک وقت مقرر تھا' دوسرے بچوں کی طرح کبھی آپ کے کپڑوں میں بول و براز نہ کیا جب آپ دودھ پی کر فارغ ہوتے تو میں چاہتی کہ آپ کے منہ کو پونچھ کر صاف کر دوں تو مجھ سے پہلے ہی غیب سے کوئی صاف کر دیتا جب آپ کا ستر کھل جاتا تو آپ رونے لگ جاتے جس میں سمجھ جاتی کہ آپ کا ستر کھل گیا ہے۔ فوراً آپ کو ڈھانپتی اور اگر کبھی دیر ہو جاتی تو غیب سے فوراً کوئی ڈھانپ دیتا۔ (مدارج النبوت)

سب سے پہلا کلام جو آپ نے فرمایا وہ یہ ہے **اللہ اکبر کبیرا و الحمد للہ کثیرا سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا** (زرقانی علی المواہب جلد ۱ ص ۱۴۷)

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ آپ کا نشوونما حیرت انگیز تھا۔ کہ اس کو دوسرے بچوں سے کوئی مشابہت نہ تھی۔ دو برس کی عمر میں چار برس کے معلوم ہوتے تھے۔ ہر روز آپ کے چہرے میں حسن و جمال اور نورانیت کا اضافہ ہوتا' آپ لڑکوں کے ساتھ کھیلنے سے احتراز فرماتے نہایت پاکیزہ اور حسین گفتگو فرماتے۔ ضد' بدخلقی' شرارت وغیرہ جو عام بچوں کی عادت ہوتی ہے سے قطعاً" پاک اور منزہ تھے۔ (مدارج النبوۃ و شواہد النبوت)

جب آپ کی عمر شریف دو برس کے قریب ہوئی تو ایک دن آپ اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ سخت دوپہر کے وقت میری بے خبری میں جانوروں کی طرف چلے گئے۔ چونکہ میں آپ کا بہت خیال رکھتی تھی جب مجھے معلوم ہوا تو میں آپ کے پیچھے گئی تو آپ شیما کے ساتھ واپس آ رہے تھے میں نے شیما کو جھڑک کر کہا کہ ایسی دھوپ میں ان کو اپنے ساتھ لائی ہے؟ شیما نے کہا اماں ان کو گرمی نہیں پہنچی کیونکہ میں نے دیکھا کہ ایک ابر ان پر برابر سایہ کئے رہا۔ جب یہ چلتے تو وہ بھی چلتا اور جب یہ ٹھہر جاتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا' اور

اس شان سے ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔ فرمایا' بیٹی کیا یہ سچ ہے؟ شیما نے کہا ہاں خدا کی قسم!
(طبقات ابن سعد' ابو نعیم' ابن عساکر' مواہب' خصائص جلد ا ص ۸۵' ذکر حسین ص ۱۷ سطر ۱۰)
۵ برس کی عمر میں آپ کا دودھ چھڑا دیا گیا۔ اگرچہ حلیمہ حریص تھی کہ آپ زیادہ سے زیادہ دیر اس کے پاس رہیں۔ کیونکہ وہ آپ کی برکات کا مشاہدہ کر چکی تھی تاہم وہ اصول کے مطابق دودھ چھڑانے کے بعد آپ کو ساتھ لے کر مکے میں آئی حضرت آمنہ اس نازک پودے کو مضبوط پا کر باغ باغ ہو گئیں۔ اپنے نور نظر کو چھاتی سے لگایا چوما پیار کیا۔
اتفاق سے ان دنوں مکے میں ایک وبائی بیماری پھیلی ہوئی تھی حضرت حلیمہ کو بہترین سبب ہاتھ آگیا اس نے آپ کی والدہ ماجدہ سے کہا کہ مکہ میں چونکہ وبا ہے اس لئے بہتر ہے کہ آپ اجازت دیں کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو واپس اپنے گاؤں میں لے جاؤں۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے اجازت دی۔ آپ کو لے کر پھر خوش خوش واپس آگئی۔ (الذکر الحسین ص ۱۱۸ سطر ۱)

چاند اشارے پر رقص کرتا تھا

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم حضرت عباسؓ نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے مجھے اپنے دین میں داخل کرنے کا اشارہ اس میں کیا ہے۔ یعنی آپ کی نبوت کی نشانی ہے کہ میں نے آپ کو پنگھوڑے دیکھا تو چاند آپ کی انگلی کے اشارے پر رقص کرتا تھا۔
آپ نے فرمایا! ہم اس سے باتیں کیا کرتے تھے اور وہ ہم سے باتیں کرتا تھا۔ جب ہم روتے تھے تو اس کے لئے سننا ضروری ہوتا تھا۔ یعنی وہ اس وقت سجدے میں عرش کے نیچے گر جاتا۔
اور آپ کو ملائکہ جھولا جھلاتے تھے۔ اور اس سے پہلے آپ کی والدہ مکرمہ نے دیکھا کہ انہیں کہا گیا! جب آپ کے ہاں بچے کی ولادت ہو تو ان کا نام محمد رکھنا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (سیرت دحلانیہ جلد ا ص ۱۵۸ سطر ۴)

تعریف کیا جائے گا

حضرت امام ابی جعفر محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ جناب آمنہ سلام اللہ علیہا کو خواب میں کہا گیا کہ آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھانے والی ہیں۔ اور ان کا اسم گرامی احمد ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

چنانچہ خواب میں یہ دونوں امر ایک دوسرے کے مانع نہیں ہیں۔ پس آپ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا گیا تو انہوں نے آپ کا نام رکھا اور کہا کہ انہیں یہ نام الہام کیا گیا ہے اور یہ ان دونوں کو مانع نہیں۔ اور آپ کا نام محمد آپ کی والدہ ماجدہ کو آپؐ کی ولادت سے پہلے بتایا گیا۔ اور کہا کہ یہ نام نہ تو آپ کے آباء میں سے کسی کا ہے اور نہ آپ کی قوم سے پس کہا کہ مجھے امید ہے کہ آپ آسمان اور زمین میں تعریف کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی امید کو محقق فرمایا۔ (سیرت دحلانیہ جلد ا ص ۱۵۸ سطر ۱۷)

آشوب چشم ہونا

حضرت امام باقرؑ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بائیس مہینے کے ہوئے آپؐ کی آنکھیں آشوب کر آئیں۔ عبدالمطلبؑ نے ابو طالبؑ سے کہا کہ ایک راہب طبیب کے پاس لے جائیں جو جحفہ میں رہتا ہے۔ حضرت ابو طالبؑ آپؐ کو اس کے صومعہ تک لائے اور اس کے دروازہ پر پہنچ کر آواز دی۔ راہب نے دیکھا کہ اس کا صومعہ نور سے معمور ہو گیا اور فرشتوں کے پروں کی آواز اس کے کانوں میں سنائی دینے لگی۔ اس نے اپنا سر اپنے صومعہ سے باہر نکالا اور پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں ابو طالب پسر عبدالمطلب ہوں اپنے بھتیجہ کو لایا ہوں کہ اس کی آنکھ کا علاج کرو۔ راہب نے پوچھا وہ کہاں ہے فرمایا اس گہوارہ میں دھوپ سے حفاظت کے لئے بٹھا رکھا ہے۔ راہب نے کہا کھولو کہ میں دیکھوں۔ جب گہوارہ سے پردہ اٹھایا ایک نور چمکا، راہب ڈر گیا اور کہا پردہ گرا دو اور اپنے صومعہ میں اپنا سر داخل کر لیا اور کہا میں خدا کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ واللہ تو پیغمبرؐ خدا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس کی خدا نے توریت و انجیل میں موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی زبانی خوشخبری دی ہے۔ پھر دوبارہ کلمہ شہادتین پڑھ کر اپنا سر صومعہ سے باہر نکالا اور کہا تمہارے برادر زادہ کی شان بہت بلند ہے جیسا کہ تم نے سنا اور تم اس کی مدد کرو گے اور ان کے دشمنوں کا ضرر ان سے دفع کرو گے۔ جناب ابو طالب واپس آئے اور عبدالمطلب سے راہب کی گفتگو بیان کی۔ جناب عبدالمطلبؑ نے فرمایا! اے فرزند خاموش رہو کہیں کوئی یہ باتیں سن نہ لے۔ خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بادشاہ عرب و عجم ہو گا۔ (حیات القلوب جلد ۲ ص ۱۵۹ سطر ۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مہر نبوت کا بیان

تحقیق یہ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان خاتم نبوت

سے مہر لگائی گئی تھی اور خاتم شریف سے مشک کی بو مہکتی تھی اور خاتم نبوت کبک کے انڈے کی مثل تھی لا جلہ کی گھنڈی کی مثل تھی) اس کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے اور مسلم شریف میں ہے کہ مہر نبوت پر خال جمع تھے گویا وہ سیاہ مسّے تھے۔ مسّوں کے ساتھ تشبیہ رنگ میں ہے نہ مہر نبوت کی صورت میں) اور مہر نبوت آپ کے بائیں شانہ کی نرم ہڈی کے پاس تھی اور یہ روایت کیا جاتا ہے کہ وہ مہر نبوت بائیں شانہ کے غضروف کے پاس تھی اور ابو نعیم کی (کتاب) میں ہے کہ مہر نبوت آپ کے داہنے شانے کی نرم ہڈی یا غضروف کے پاس تھی اور یہی مسلم شریف میں ہے کہ مہر نبوت کبوتر کے انڈے کے مثل تھی اور حاکم کی صحیح میں ہے کہ مہر نبوت شانہ مبارک کے پاس بال جمع تھے اور بیہقی میں ہے کہ مہر نبوت غدود کی مثل تھی۔ اور شمائل میں ہے کہ مہر نبوت گوشت کا ٹکڑا ابھرا ہوا تھا اور عمرو بن اخطب کی حدیث میں ہے مہر نبوت اس آلہ کی مثل تھی جس سے مہر لگاتے تھے اور ابن عساکر کی تاریخ میں ہے کہ مہر نبوت گوشت کی گولی کی مثل تھی اور ترمذی اور دلائل بیہقی میں ہے کہ مہر نبوت شانہ کے غضروف کے نیچے سیب کے مثل تھی۔ کتاب الروض میں ہے کہ مہر نبوت پچھنے کے اس نشان کے مثل تھی جو گوشت کو لئے ہو اور ابن ابی خثیمہ کی تاریخ میں ہے کہ مہر نبوت ایک ایسا سبز خال تھا جو گوشت میں ایک گڑھا تھا اور اس پر چڑا تھا اور یہی اس تاریخ میں ہے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ مہر نبوت ایک سیاہ خال مائل بزردی تھا اور اس کے اطراف بال جمع تھے بالوں کی اجتماعی حالت گویا گھوڑے کی عیال کے مثل تھی اور قضاعی کی تاریخ میں ہے کہ اکٹھے تین بال تھے اور حکیم ترمذی کی کتاب نوادر الاصول میں ہے کہ مہر نبوت کبوتر کے انڈے کی مثل تھی اور اس کے باطن میں (یعنی اندرونی حصہ) میں اللہ وحدہ لا شریک لہٗ لکھا ہوا تھا اور اس کے ظاہر میں توجہ حیث کنت فانک منصور تھا یعنی جس طرف آپ ارادہ کریں متوجہ ہوں ایک جگہ سے دوسری جگہ میں فرق نہ کریں کیونکہ آپ کو نصرت دی گئی ہے اور ابن عائذ کی کتاب مولد شریف میں ہے کہ مہر نبوت چمکدار نور تھا (یعنی ایک صورت تھی جس میں نور تھا اور نور کی شدت اس درجہ تھی کہ ممکن نہیں ہے کہ کسی صورت کے ساتھ اس کے وصف کی تعبیر کی جائے اور ابن ابی عاصم کی سیرت میں ہے کہ مہر نبوت کبوتر کے عذرہ کی مثل تھی۔ (ابو ایوب نے کبوتر کے عذرہ کا معنی کبوتر کا قرطمہ کہا ہے کہ وہ کبوتر کی چونچ کی جڑ میں ایک نقطہ ہوتا ہے۔) اور نیشا پوری کی تاریخ میں ہے کہ مہر نبوت گوشت کی گولی کی مثل تھی جس میں گوشت سے (محمد رسول اللہ) لکھا ہوا تھا اور حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ مہر نبوت چھوٹے انجیر کے مثل مائل بہ سیاہی تھی اور پشت مبارک کی ہڈیوں سے ملی ہوئی تھی جس وقت آپ نے وفات پائی۔ میں نے مہر نبوت کو ڈھونڈا وہ اٹھائی گئی تھی۔ ان کل روایتوں کو حافظ مغلطائی نے اپنی کتاب (الزاہر الباسم) میں روایت کیا ہے۔ لیکن فتح الباری میں کہا ہے کہ جو روایتیں وارد ہوئی ہیں کہ مہر نبوت پچھنوں کے نشان کے مثل تھی یا سیاہ خال کے مثل تھی یا سبز خال کے مثل تھی اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا یا یہ لکھا

ہوا تھا مہر فلانک منصور ان میں سے کوئی شے ثابت نہیں ہوئی اور صاحب فتح الباری نے کہا ہے کہ ابن حبان کی صحیح میں مہر نبوت کے باب میں جو کچھ واقع ہوا ہے اس سے تم دھوکہ نہ کھاؤ ابن حبان نے غفلت کی ہے۔ جس مقام پر ابن حبان نے ان چیزوں کو صحیح کہا ہے (بلکہ بعض بے باطل ہے اور بعض ضعیف ان کا ذکر نہ کرنا چاہئے) حافظ نور الدین ابو الحسن علی بن ابوبکر بن سلیمان ہیثمی نے (موروا لظمان) میں اس کے بعد یہ حدیث لائے ہیں (کہ مہر نبوت گوشت کی گولی کی مثل تھی اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا) یہ کہا ہے کہ بعض راویان حدیث پر خاتم نبوت کا اس خاتم کے ساتھ خلط ہو گیا ہے جس سے آپ خطوط پر مہر لگاتے تھے اور حافظ ابن حجر کے خط سے حواشی پر یہ ہے کہ بعض مذکور اسحاق بن ابراہیم قاضی سمرقند سے مراد ہے جو اس کے راوی ہیں۔ وہ حدیث میں ضعیف ہیں ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے۔

حدیث میں آیا ہے کہ خاتم النبوت (زر الحجلہ) کے مثل تھی زر بزائے ہوز درائے مہملہ اور حجلہ بجائے حطی و جیم عربی نووی نے کہا کہ حجال کا حواد ہے حجلہ وہ مکان جو قبہ کی مثل ہو اور اس کی بڑی بڑی گھنڈیں ہوں اور اس کے ڈنڈے ہوں اور وہ گھر جو دلہن کے لئے تخت اور کپڑے اور پردہ سے آراستہ کریں اور امام نووی کا قول یہی قول صواب ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حجلہ سے مراد طائر معروف ہے۔ اور زر اس طائر کا انڈا ہے۔ (یعنی کبک کا انڈا) اس کی طرف امام ترمذی نے اشارہ کیا ہے اور علماء نے امام ترمذی پر اس قول کا انکار کیا ہے کہ زر انڈے کے معنی میں نہیں آیا۔ البتہ استعارہ کے طور پر درست ہو سکتا ہے کہ حجلہ خوبصورت قبہ ہو اس کی گھنڈیوں کو انڈے سے تشبیہ دی جائے اور حدیث میں لفظ جمع کف آیا ہے۔ بضم جیم و سکون میم یعنی ہاتھ کی مٹھی اور حدیث میں لفظ خیلاں آیا ہے بکسر خائے معجمہ و سکون یائے تحتانی خال کی جمع ہے ہندی میں تل کہتے ہیں جو انسان کے جسم کے چمڑے پر ہوتا ہے اور حدیث میں لفظ (نغض) بفتح نون و غین معجمہ و ضاد معجمہ ساکن نووی نے کہا ہے (النغض و الناغض) شانہ کا اعلیٰ حصہ اور کہا گیا ہے کہ نغض وہ رقیق ہڈی جو شانہ کی طرف ہوتی ہے اور کہا گیا ہے نغض شانہ کی وہ نرم ہڈی ہے جو شانہ کی حرکت کے وقت ظاہر ہوتی ہے حرکت کرنے کی وجہ سے اس کا نام ناغض رکھا گیا ہے اور حدیث میں لفظ (بضعہ ناشزہ) آیا ہے۔ بضعہ ٹکڑا اور ناشزہ ابھرا ہوا یعنی مہر نبوت گوشت کا ایک ٹکڑا جسم سے ابھرا ہوا تھا نووی کا قول ختم ہو گیا۔

اور حدیث میں لفظ ثاکیل آیا ہے۔ ثؤلول کی جمع ہے۔ مسّہ کو کہتے ہیں چنے کے برابر اور چنے سے چھوٹا بھی انسان کی جلد پر ہوتا ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ خاتم نبوت کے باب میں راویوں کے اقوال مختلف واقع ہوئے ہیں۔ راویوں کے قول کا مختلف ہونا یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر ایک راوی نے خاتم نبوت کو اس شے سے تشبیہ دی ہے جو

نے اس کو ظاہر ہوئی ہے اور راویوں کے الفاظ کل وہ الفاظ ہیں جن کا معنی ایک ہے کہ خاتم نبوت گوشت کا ظاہر ایک ٹکڑا تھا۔ جس راوی نے یہ کہا ہے کہ مہر نبوت بال تھے۔ یہ اس لئے کہا ہے کہ مہر نبوت پر اطراف میں ایسے بال تھے کہ مجتمع تھے جیسا کہ دوسری روایت میں آیا ہے۔ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ احادیث ثابتہ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ختم نبوت ایک سرخ ظاہر شے تھی جو آپ کے بائیں شانہ کے پاس تھی جس وقت راوی نے اس کو چھوٹا کر کے بیان کیا ہے تو اس نے کبوتر کے انڈے کے ساتھ اندازہ کیا ہے اور جس وقت اس نے بڑا کر کے بیان کیا ہے تو اس نے ایک مٹھی کی مقدار کے ساتھ اندازہ کیا ہے۔

اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ کل روایتیں جو خاتم نبوت کے باب میں وارد ہیں معنی میں ایک دوسرے کے قریب قریب اور متفرق طور پر اس امر پر متفق ہیں کہ خاتم نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر ابھری ہوئی کبوتر کے انڈے اور حجلہ کی گھنڈی کے برابر تھی۔ لیکن وہ روایت کہ مہر نبوت مٹھی کی مقدار میں تھی اس روایت کا ظاہر اور روایتوں کا مخالف ہے پس وہ روایتیں جو مہر نبوت کے باب میں کثرت سے وارد ہوئی ہیں ان کے موافق اس روایت کی تاویل کی جائے گی اور اس کا معنی یہ ہو گا کہ مہر نبوت مٹھی کی ہیت پر تھی لیکن مٹھی سے زیادہ چھوٹی اور اندازہ میں کبوتر کے انڈے کے برابر تھی۔ (۱۹۰، مواہب لدنیہ جلد ۱ ص ۱۷۰ سطر ۳)

اور حاکم نے مستدرک میں وہب بن منبہ سے روایت کی ہے کہا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر ایسے حال میں کہ اس کے داہنے ہاتھ میں نبوت کا خال (یعنی نبوت کی علامتیں ہوتی تھیں) مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے حال میں مبعوث کئے گئے کہ آپ کی نبوت کا خال مہر نبوت آپ کے دونوں شانوں کے درمیان تھی۔ اس صورت پر مہر نبوت آپ کے دونوں شانوں کے درمیان قلب کے مقابل لگائی جائی اس صفت سے ہو گی جس کے ساتھ آپ کو کل انبیاء علیہم السلام سے اختصاص ہے۔ (مواہب لدنیہ جلد ۱ ص ۱۷۴ سطر ۱۵)

حضرت آمنہ کا انتقال

مواھب لدنیہ جلد ۱ص ۱۷۵ سطر ۳ پر ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار سال کی عمر کو پہنچے اور کہا گیا ہے کہ پانچ سال کو پہنچے اور کہا گیا ہے چھ سال کو اور کہا گیا ہے سات سال کو پہنچے اور کہا گیا ہے نو سال کو پہنچے اور کہا گیا ہے بارہ سال ایک ماہ دس یوم کی عمر کو پہنچے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے مقام ابواء میں وفات پائی اور کہا گیا ہے کہ ابو ذویب کی شعب میں حجوں میں وفات پائی اور قاموس میں کہا گیا ہے کہ مکہ معظمہ میں جو (دار رابعہ ہے) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا مدفن ہے اور بعض اہل مکہ کے نزدیک حضرت آمنہ کا مدفن مقدس شعب ابی ذویب میں ہے (جو بنی عمرو کے سرداروں سے تھا) اور ابن سعد نے ابن عباس اور زہری اور عاصم ابن عمرو بن قتادہ سے روایت کی ہے ان راویوں میں بعض کی حدیث بعض کی حدیث میں داخل ہو گئی ہے ان راویوں نے کہا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھ سال کو پہنچے تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو آپ کے ماموں کے پاس لے گئیں جو بنی عدی بن النجار سے مدینہ طیبہ میں تھے ان کی ملاقات کے واسطے گئیں اس وقت آپ کے ساتھ ام یمن تھیں (دار تابعہ) میں آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے اتارا اور آپ کے ساتھ ایک مہینہ تک آپ کے ماموں کے پاس ٹھہری رہیں جو امور اس مقام میں واقع ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور آپ نے اس مکان کو دیکھ کر فرمایا کہ میری والدہ ماجدہ نے مجھ کو اس جگہ اتارا تھا اور بنی عدی بن النجار کے کنوے میں اچھی طرح سے میں نے تیرنا سیکھا تھا یہود کی ایک قوم وہاں آتی جاتی تھی وہ لوگ مجھ کو دیکھا کرتے تھے۔

امِ یمنؓ نے کہا ہے کہ میں نے سنا ہے ان یہودیوں میں ایک مرد یہ کہتا تھا کہ آپ اس امت کے نبی ہیں اور مدینہ آپ کی ہجرت کی جگہ ہے ان یہودیوں کے کلام میں سے میں نے ان کل باتوں کو یاد رکھا ہے پھر آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ کی طرف پلٹیں جبکہ وہ مقام ابوا میں تھیں تو انہوں نے وفات پائی۔

ابو نعیم نے زہری کے طریق سے اسماءبنت رہم سے انہوں نے اپنی والدہ سے روایت کی ہے کہا ہے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی اس بیماری میں ان کے پاس حاضر ہوئی جس بیماری کے سبب انہوں نے وفات پائی اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گدرائے ہوئے لڑکے تھے اس وقت آپ کی عمر پانچ سال کی تھی آپ والدہ ماجدہ کے سر کے پاس تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی طرف دیکھا اور یہ اشعار پڑھے

بارک اللہ فیک من غلام یا ابن الذی من حومتہ الحمام

نجابعون الملک المنعلم   فودی عناۃ الضرب بالسہام

بمائتہ من ابل سوام   ان صح ما ابصرت فی المنام

فانت مبعوث الی الانام   من عند ذی الجلال والا کرام

تبعث فی الحل و فی الحرام   تبعث فی التحقیق والا سلام

دین ابیک البرا براھلم   فاللہ انھاک و عن الاصنام

ان لا تو الیھا مع الاقوام

اے لڑکے اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت دے تو اس شخص کا فرزند ہے جس نے موت کی سخت جگہ سے ملک منعام یا ملک علام کی مدد سے نجات پائی اور اس صبح میں کہ وفائے نذر کے لیے اس کے اور اس کے بھائیوں کے درمیان قرعہ ڈالا گیا کہ کون ذبح کیا جائے قرعہ آپ کے باپ عبداللہ کے نام پر نکلا بعوض ان کے سو قیمتی اونٹوں سے ان کا فدیہ دیا گیا۔ اے لڑکے میں نے تیری نبوت کے باب میں جو کچھ خواب میں دیکھا ہے اگر وہ صحیح ہے تو جن اور انس کی طرف تو یقیناً بھیجا گیا ہے اللہ تعالےٰ کے پاس سے کہ وہ صاحب جلال اور صاحب اکرام ہے۔ اے لڑکے تو حلال کے بیان اور حرام کے بیان میں یا سرزمین حلال اور حرام کے درمیان بھیجا گیا ہے (سرزمین حلال مکہ معظمہ اور سرزمین حرام کل روئے زمین مخلوق کے کفر اور شرک کے اعتبار سے) اے لڑکے حق اور باطل جو باہم مل گئے ہیں تو باطل سے حق کو جدا کرنے کے لیے مبعوث ہو گا اور تحقیق حق کے بیان اور اسلام کے بیان میں مبعوث ہو گا کہ وہ تیرے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ وہ محسن اور خدا کے مطیع تھے۔ اے لڑکے اللہ تعالےٰ نے تجھ کو بتوں سے منع کیا ہے کہ قوموں کے ساتھ بتوں کی نصرت تو نہ کرے اور بتوں کی تعظیم عبادت کے طور پر نہ کرے اور بتوں کے واسطے ذبح نہ کرے جیسے کفار ذبح کرتے ہیں اور ان کے آگے سہام یعنی قرعہ سے تقسیم نہ کرے جیسے بتوں کے پجاری تقسیم کرتے ہیں (حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا والدہ ماجدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول اس باب میں صریح ہے کہ وہ موحدہ تھیں اس لیے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو ذکر کیا ہے اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک سے اپنے فرزند کے مبعوث ہونے کا ذکر کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ آپ کو بتوں کی عبادت سے اللہ تعالےٰ نے ممانعت فرمائی ہے اور بتوں کی دوستی سے نہی کی ہے یہی امور توحید ہیں ان کے سوا اور کوئی شے توحید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اعتراف اور اس کی الوہیت کا اقرار ہے اور یہ اقرار ہے کہ اس کا شریک نہیں ہے اور بتوں کی عبادت سے برات اور اس کی مثل عہد جاہلیت میں کفر سے بری ہونے اور صفت توحید کے ثبوت کے لئے اس قدر کافی ہے پھر آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ نے فرمایا۔ ہر ایک زندہ مرے گا۔ اور ہر ایک نئی شے پرانی ہو گی اور ہر ایک کبیر فنا ہو گا اور میں مروں گی اور میرا ذکر باقی رہے گا اور میں نے عظیم خبر چھوڑی ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کو چھوڑا ہے) اور میں نے ظاہر کو جنا ہے۔ پھر آپ کی والدہ ماجدہ نے وفات پائی ہم لوگ جنوں کا نوحہ سنتے تھے اور جنوں نے نوحہ میں جو ابیات کہے تھے ہم نے ان کو یاد رکھا یہ ابیات ان میں سے ہیں۔

نبکی لفتاۃ البرۃ الامینہ　　ذات الجمال العفتہ الرزینہ

وہ جوان عورت جو محسنہ اور مطیع خدا اور امینہ ہے اور صاحب جمال بارع اور صاحب عفت اور صاحب وقار ہے ہم لوگ اس کو روتے ہیں۔

زوجتہ عبداللہ والقرینتہ　　ام نبی اللہ ذی السکینتہ

وہ جوان عورت حضرت عبداللہ کی زوجہ اور ہمسر اور ہمنشین ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس نبی کی والدہ ماجدہ ہیں جو صاحب ثبات اور طمانیت ہے

وصاحب المنبر بالمدینتہ　　صارت لدی حضر تبھار ھینہ

وہ نبی مدینہ میں صاحب منبر ہوگا اس نبی کی والدہ ماجدہ اپنی قبر میں گرد ہو گئیں

حضرت آمنہ کی وفات

حضرت حلیمہ کے چھوڑ جانے کے بعد آپ اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے دادا عبدالمطلب کے پاس رہتے تھے۔ جب آپ کی عمر چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو اور ام ایمن کو ہمراہ لے کر مدینہ طیبہ میں آپ کے دادا کے ننھیال خاندان بنو بخار کو ملنے گئیں تا کہ آپکی ملاقات ان سے کرائیں کیونکہ حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمےٰ بنت عمرو خاندان بخار میں سے تھیں اس سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ رشتہ بہت دور کا رشتہ تھا پھر اتنے دور کے رشتہ داروں کی ملاقات کے لیے اتنا بڑا سفر کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ بعض مورخین کا یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے شوہر حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کو تشریف لے گئی تھیں۔

اس غم نصیب بیوہ کے سوا کون جانتا تھا جس کی محبت کا چمن اچانک خزاں کا شکار ہو گیا تھا جس کو وہ رخصت کے وقت حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ بھی نہ سکی تھی حسرت کے اس پیکر مجسم کی اس سے بڑھ کر اور کیا تمنا و آرزو ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے محبوب رفیق حیات کی چھوڑی ہوئی نشانی کو ساتھ لے کر اس کے مرقد محبت پر حاضر ہو اور آنسوؤں کے انمول موتی نذر کرتے ہوئے کہے کہ کاش تم اس وقت زندہ ہوتے اور اپنے نور نظر کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرتے۔

اسی تمنا و آرزو کو پورا کرنے کے لیے حضرت آمنہ اپنے یتیم نور نظر کے ساتھ مدینہ طیبہ گئیں اور دارالنابغہ میں اتریں تقریباً ایک ماہ وہاں رہیں۔ نہ معلوم اس عرصہ میں کتنی مرتبہ مرقد محبت پر حاضر

ہوئیں اور کتنی مرتبہ دل سے اٹھتے ہوئے شعلے پانی میں تبدیل ہو کر آنکھوں سے برسے ہوں گے اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ کی قبر اسی گھر میں تھی' چنانچہ اس رفیق حیات کی اچانک اور بے وقت موت سے دل کی گہرائیوں میں درد و غم کی جو چنگاریاں دبی ہوئی اندر ہی اندر دل کو جلا رہی تھیں وہ اس کے مرقد منور کو دیکھنے سے بھڑک اٹھیں اور وہ پیکر محبت درد و فراق کے ان شعلوں کی نذر ہو گئیں اور واپسی کے وقت مقام ابواء جو مدینہ کے قریب ہی ایک گاؤں کا نام ہے میں پہنچ کر انتقال کر گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت اسماء بنت ابی رہم فرماتی ہیں کہ میری والدہ حضرت آمنہ کی وفات کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئیں۔ اس وقت حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عمر پانچ چھ سال کی تھی۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے سر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ کی والدہ نے آپ کی طرف دیکھا اور فرمایا

بارک اللہ فیک من غلام　　یا ابن الذی من حومتہ الھلم

اے بیٹے! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے　　تو اس کا فرزند ہے جس نے موت کی سختی سے

نجا بعون الملک العلام　　فودنا غداۃ الضرب بالسھام

ملک العلام کی مدد سے نجات پائی تھی جبکہ صبح کے وقت عبدالمطلب نے اپنی نذر کو پورا کرنے کے لیے اس کے اور اس کے بھائیوں کے درمیان قرعہ ڈالا اور تمہارے باپ کا نام نکلا تھا تو فدا کیا گیا تھا

لمائتہ من ابل سوام　　ان صح ما ابصرت فی المنام

ان کے عوض ایک سو قیمتی اونٹوں کو　　بیٹا جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا' اگر وہ صحیح ہے۔

فانت مبعوث الی الانام　　من عند ذی الجلال و الاکرام

تو پھر تو جن و انس کی طرف مبعوث ہوا ہے　　اللہ تعالیٰ صاحب جلال اور صاحب اکرام کی طرف سے

تبعث فی الحل و فی الحرام　　تبعث فی التحقیق و الاسلام

اور تو مبعوث ہوا ہے سر زمین حرام (مکہ معظمہ) اور حلال (کل روئے زمین کی طرف' اور تو مبعوث ہوا ہے حق و باطل کو ظاہر کرنے اور دین اسلام کو پھیلانے کے لیے

دین ابیک البرا براھلم　　فاللہ انھاک عن الاصنام

وہ دین جو تیرے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے' وہ ابراہیم جو محسن اور مطیع تھے اور اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بتوں (کی عبادت و نصرت) سے منع فرمایا ہے۔

ان لا توالیھا الی الاقوام

اور اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ تو لوگوں کے ساتھ مل کر بتوں کی تعظیم اور انکے لیے ذبح وغیرہ کرے اور پھر فرمایا۔

کل حی میت و کل جدید بال و کل کبیر یفنے وانا میتة وذکری باق و قد ترکت خیرا وولدت طهرا و ماتت لکنا نسمع نوح الجن علیھا فحفظنا من ذالک (دلائل النبوة" ابو نعیم خصائص کبریٰ ص ۱/۸۰ زرقانی علی المواہب ص ۱/۱۶۵)

ہر زندہ مرے گا اور ہر نئی چیز پرانی ہوگی اور ہر بڑے سے بڑا بھی فنا ہو گا۔ میں مر جاؤں گی مگر میرا ذکر باقی رہے گا کیونکہ میں نے خیر عظیم (رسول اللہ) کو چھوڑا ہے اور میں نے طیب و طاہر کو جنا ہے' پھر حضرت آمنہ نے وفات پائی تو ہم نے جنوں کا رونا و نوحہ کرنا سنا اور جو کچھ وہ کہتے تھے ان کو یاد رکھا یہ اشعار ان میں سے ہیں

نبلی الفتاة البرة الامینة ذات الجمال و العفة الرزینة

ہم اس جوان عورت جو محسنہ' مطیعہ' امینہ اور صاحب جمال و عفت اور صاحب وقار و عفت تھی کو روتے ہیں۔

زوجة عبد اللہ والقرینة ام نبی اللہ ذی السکینة

وہ عبداللہ کی زوجہ و ہمنشین تھیں اور اللہ کے نبی (محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ اور صاحب صبر و ثبات و طمانیت تھیں

وصاحب المنبر بالمدینة صارت لدی حضر تها رهینة

اور اللہ کے اس نبی کی والدہ تھیں) جو مدینہ میں صاحب منبر ہو گا' وہ اپنی قبر میں ہمیشہ کے لیے چلی گئیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد جب مدینہ منور تشریف لائے تو صحابہ کرام کے سامنے اپنے بچپن کے زمانے کے قیام کی باتیں بیان فرمایا کرتے۔ چنانچہ جب آپ بنو نجار کے مکانوں کے پاس سے گزرتے تو فرماتے اس مکان میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ٹھہرا تھا اور اسی گھر میں میرے والد ماجد کی قبر ہے اور اس تالاب میں میں نے تیرنا سیکھا تھا اور اس میدان میں میں انصار کی ایک لڑکی "امینہ" کے ساتھ کھیلا کرتا تھا' اور ایک یہودی مجھ کو دیکھ کر میرے پیچھے پھرتا تھا۔ ایک دن

فقال لی یا غلام ما اسمک؟ قلت احمد ونظر الی ظھری فاسمعہ یقول ھذا نبی ھذہ الامة ثم راح الی اخوانی فاخبر ھم فاخبروا امی فخافت علے خروجنا من المدینة (دلائل النبوة ص ۱۹ خصائص کبریٰ ص ۱/۷۹ طبقات ابن سعد ۱/۱۱۶)

اس نے مجھ سے کہا اے لڑکے تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا احمد پھر اس نے میری پشت (پر مہر نبوت) کو دیکھا تو میں نے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ اس امت کا نبی ہے۔ پھر اس نے میرے بھائیوں (بنو نجار) کو اس بات کی خبر دی اور انھوں نے میری والدہ کو بتایا تو وہ میرے معاملے میں یہودیوں کی عداوت سے ڈریں اور ہم مدینہ سے نکلے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

اتانی رجلان من الیهود یوما نصف النهار بالمدینة فقالا اخرجی لنا احمد فاخرجته فنظر الیه وقلباه ملیا ثم قال احدهما لصاحبه هذا نبی هذه الامة و هذا دار هجرته وسیکون بهذه البلدة من القتل والسبی امر عظیم قالت ام ایمن ووعیت ذالک کلته من کلا مهما (دلائل النبوت ابو نعیم ص ۱۳ خصائص کبرٰے ص ۱/ ۷۹)

ایک دن دوپہر کے وقت میرے پاس مدینہ کے دو یہودی آئے اور کہا کہ احمد کو تو ذرا ہمارے پاس لانا! میں لائی تو انھوں نے کچھ دیر الٹا پلٹا کے آپ کی علامات کو دیکھا اور پھر انھیں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ اس امت کے نبی ہیں اور یہی شہر ان کا دار الہجرت ہے اور عنقریب اسی شہر میں انکی مخالفت کے سلسلہ میں امر عظیم واقع ہو گا کہ لوگ قتل ہونگے اور قیدی بنیں گے۔ ام ایمن کہتی ہیں کہ میں نے ان دونوں کا کلام یاد رکھا۔ الذکر الحسین ص ۱۲۸ سطر آخر

سیرت دحلانیہ

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ مکرمہ کا انتقال اس وقت ہوا جب آپؐ کی عمر چار سال اور بعض کے نزدیک پانچ سال، بعض کے نزدیک چھ سال اور بعض کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ہے۔
زہری حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو آپ اپنی والدہ مکرمہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے ہمراہ اپنے جد امجد کے ماموؤں کے پاس تشریف لے گئے جو کہ مدینہ منورہ میں تھے اور بنو عدی بن نجار قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

مدینہ منورہ سے واپسی

آپ کے ساتھ ام ایمن برکت حبشیہ بھی تھیں۔ آپ نے وہاں پر ایک ماہ قیام فرمایا۔ چنانچہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد ان امور کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور ایک گھر کی طرف اشارا فرماتے! " یہ وہ گھر ہے جہاں میں اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ آیا تھا۔ اور بنی عدی بن نجار کے تالاب میں تیرنا کیا ہی اچھا ہے۔ اور یہودی میری طرف کئی طرح سے دیکھتے تھے۔
ام ایمن نے کہا! میں نے ایک یہودی کو یہ کہتے ہوئے سنا! یہ اس امت کے نبی ہیں اور یہ ان کا دار ہجرت

ہے۔ چنانچہ میری والدہ مجھے ساتھ لے کر مکہ معظمہ کو واپس آ گئیں۔
ابی نعیم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایک یہودی نے مجھے کئی طرح سے دیکھا اور کہا! اے لڑکے آپ کا کیا نام ہے؟ میں نے کہا! محمد! اس نے میری پشت کو دیکھا اور میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ اس امت کے نبی ہیں۔ پھر وہ اپنے بھائیوں کی طرف چلا گیا اور ان کو یہ بات بتائی تو انہوں نے میری والدہ محترمہ کو بتایا۔ چنانچہ میری والدہ میری وجہ سے خوفزدہ ہو گئیں اور ہم لوگ مدینہ منورہ سے نکل آئے۔ چنانچہ جب ہم لوگ ابواء میں پہنچے تو وہاں پر میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اور وہیں پر دفن ہوئیں۔
بعض نے کہا کہ آپ کو حجون میں دفن کیا گیا تھا۔ بعض نے دونوں روایتوں کو ملا کر کہا کہ پہلے آپ کو ابواء میں دفن کیا گیا اور پھر وہاں سے آپ کا تابوت حجون کے قبرستان میں منتقل کر دیا گیا۔ ابواء مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان پہاڑ کی چڑھائی پر ایک بستی ہے۔ اس وقت آپ کی والدہ مکرمہ جناب آمنہ سلام اللہ علیہا کی عمر مبارک تقریباً" بیس سال تھی۔ جلد ا ص ۱۸۹ سطر ۴

حضرت آمنہؑ کا قصیدہ

ابو نعیم نے زہری کے طریق پر دلائل النبوت میں روایت بیان کی ہے کہ حضرت اسماء بنت رہم نے اپنی والدہ سے روایت کی ہے کہ میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؑ کی رحلت کے وقت ان کے پاس موجود تھی۔ اور حضور علیہ الصلواۃ و السلام پانچ سال کی عمر مبارک میں ان کے سرہانے کھڑے تھے آپ کی والدہ مکرمہ نے آپ کے چرہ اقدس کی طرف دیکھا اور پھر کہا۔

بارک اللہ فیک من الغلام — یا ابن الذی من حومتہ من الحملم
نجا بعون الملک العلام — فودی غداۃ الضرب بالسہام
بمائتہ من ابل سوام — ان صح ما ابصرت فی المنام
فانت مبعوث الی الانام — تبعث فی الحل و فی الحرام
تبعث فی التحقیق والاسلام — دین ابیک البرا براھام
فاللہ انہاک عن الاصنام — ان لا توالیہا مع الاقوام

اے بیٹے! اللہ آپ کو برکت عطا فرمائے۔ آپ اس عظیم باپ کے فرزند ارجمند ہیں جو قوم کے سردار اور شریف تھے۔ جنہوں نے بلند شان کے مالک اللہ تعالیٰ کی نصرت سے نجات حاصل کی اور جن کی زندگی کو بچانے کے لیے صبح کے وقت تیروں سے قرعہ اندازی ہوئی۔ انکے بدلہ میں اچھی نسل کے ایک سو اونٹوں کا

فدیہ دیا گیا۔
میں نے جو خواب میں دیکھا ہے اگر وہ درست ہے تو آپ اللہ کی طرف سے تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوں گے۔
آپ حلت و حرمت کے لیے اسی دین کے ساتھ مبعوث ہوں گے جو دین آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔
اللہ تعالےٰ بتوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ اور آپ کی دوستی ان لوگوں سے نہیں ہو گی جو بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔
پھر آپ نے فرمایا! ہر زندہ کے لیے موت ہے' ہر ایجاد کا اختتام ہے۔ اور ہر بڑی عمر والے کے لیے فنا ہے۔ میں مرجاؤں گی مگر میرا ذکر باقی رہے گا۔ اس لیے کہ میں نے پاکیزہ اور طاہر کو جنم دیا ہے۔ اور اپنی یاد کے لیے خیر کو چھوڑا ہے۔

جنات کے نوحے

اسماء کی والدہ کہتی ہیں' میں نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا پر جنوں کو نوحہ کرتے سنا جس کے یہ شعر مجھے حفظ ہو گئے۔

تبکی الفتاۃ البرۃ الامینہ ذات الجمال العفتہ الرزینہ
زوجتہ عبداللہ والقرینہ ام نبی اللہ ذی السکینہ
وصاحب المبر بالمدینہ صارت حضر تبھار بینہ
لو لودیت لقودیت ثمینہ و للمنایا شفرتہ متینہ
لا تبق ظعانا ولا ظعینہ الا اتت وقطعت وتینہ
اماد للت ابھا الحنینہ عن الذی ذو العرش یعلی دینہ
فکلنا الھتہ حر ینہ نبکیک للعطلعتہ او للزینہ
او للضعیفات وللمسکینہ

اس پاکباز نوجوان امینہ کی موت پر روتے ہیں جو انتہائی گراں جمال و عفت کی مالکہ ہیں۔ وہ خاتون جو حضرت عبداللہ کی صاحب قرینہ زوجہ اقدس ہیں۔ وہ خاتون جو اللہ تعالےٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکون و راحت عطا کرنیوالی امی جان ہیں۔
آپ ان کی والدہ مکرمہ ہیں جو مدینہ منورہ میں صاحب منبر ہوں گے۔ ایسی خاتون کو خوشی سے کیسے سپرد خاک

کیا جا سکتا ہے۔ ان کے لخت جگر مدینہ منورہ میں راحت پذیر ہیں۔ ان پر قیمتی سے قیمتی چیز نثار کی جائے موت کی تیز دھار چھری نہ کجاوے کو چھوڑتی ہے اور نہ کجاوے کی رسی کو' یہاں تک کہ دونوں کو کاٹ دیتی ہے۔

اے غمزدہ! موت اس عرش والے اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو اپنے دین کو بلند رکھتا ہے۔ پس ہم تمام اور معبودان باطل غمزدہ ہیں اور آپ کے پاس زیور اور سامان زینت نہ ہونے کی وجہ سے آپ پر روتے ہیں۔ یا آپ کی کمزوری اور مسکینی پر اشک بار ہیں۔ سیرت دحلانیہ جلد ۱ ص ۴۸ سطر ۲

آپ کی یتیمی کی حکمتیں

صادق آل محمد حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یتیم ہونے میں کیا حکمت ہے تو آپ نے فرمایا۔

لئلا یکون علیہ حق لمخلوق

آپ پر مخلوق کا کسی قسم کا کوئی حق نہ ہو' یعنی کسی کا احسان آپ کے ذمے نہ ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ "ماں باپ" کے حقوق بلوغت کے بعد ثابت ہوتے ہیں جب کہ آپ کی والدہ محترمہ کے انتقال فرمانے کے وقت آپ کی عمر مبارک چھ سال تھی۔ اور اس کے لیے جاننا چاہیے کہ بیشک آپ اللہ تعالیٰ کی عزت سے عزت والے تھے اور آپ کی قوت آپ کے آباؤ امہات کی طرف سے اور مال و منال سے نہ تھی۔ بلکہ آپ کی قوت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ نیز یہ کہ آپ یتیم اور فقیر پر رحم کریں۔ سیرت دحلانیہ جلد ۱ ص ۳۶ سطر آخر

ان کا نام محمدؐ رکھیں

جب آپ کی ولادت شریفہ کا وقت قریب آیا تو حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی خواب میں آنے والا آیا اور اس نے کہا جب آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہو تو کہیں!

اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد

یعنی کہیں اللہ واحد کے ساتھ ان کے لئے ہر حاسد کے شر سے پناہ چاہتی ہوں اور ان کا نام مبارک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھیں۔

سیرت حلبیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

سلم اپنی والدہ ماجدہ جناب آمنہؓ کے بطن اطہر میں تشریف لائے تو اس کی دلیل کے طور پر قریش کا کوئی ایک چوپایہ ایسا نہیں تھا جس نے جناب آمنہ کی اس سعادت کے بارے میں کلام نہ کیا ہو۔
جناب آمنہ فرماتی ہیں! جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مشرف ہوئی تو رب کعبہ کی قسم! دنیا کے بادشاہوں سے کسی بادشاہ کا تخت ایسا نہ تھا جو اس صبح کو اوندھا نہ ہوا ہو۔ سیرت دحلانیہ جلد ا ص ۲۷ سطر ۱۰

ایمان والدین مصطفیٰ

سیرت النبیؐ کی جلد گیارہویں اور بارہویں میں اس موضوع پر اچھا خاصہ لکھا گیا ہے۔ لہٰذا یہاں اختصار کے ساتھ موضوع کی مناسبت سے مواہب لدنیہ اور الذکر الحسین کی عبارات تحریر کی جا رہی ہیں۔
جناب باقلانی مواہب لدنیہ کی جلد ا ص ۱۷۷ سطر آخر پر تحریر فرماتے ہیں۔
تحقیق طور پر یہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت آمنہ اپنے مرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لائی ہیں طبرانی نے اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے حال میں مقام حجوں میں اترے کہ غمگین اور حزین تھے اور اللہ تعالےٰ نے جتنا چاہا آپ وہاں پر ٹھہرے پھر آپ ایسے حال میں پلٹ کر تشریف لائے کہ مسرور تھے آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو میرے واسطے زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔ پھر اللہ تعالےٰ نے ان کو ان کی موت کی حالت پر پھیر دیا اور حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو ابو حفص بن شاہین نے اپنی کتاب ناسخ اور منسوخ میں اس لفظ سے روایت کیا ہے کہ عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع میں ہم کو حج کو لے گئے اور مجھ کو اس راستہ سے لے گئے جو عقبۃ الحجون کی طرف پہنچتا ہے اور آپ اس وقت رو رہے تھے اور حزین اور غمگین تھے آپ کے رونے کی وجہ سے میں بھی روئی۔ پھر آپ اونٹ پر سے اترے اور مجھ سے فرمایا اے حمیرا تم کوئی شے پکڑ لو تاکہ گرنے سے بچو میں نے اونٹ کے پہلو پر کمر ٹیک دی۔ آپ وہاں دیر تک ٹھہرے رہے یا یہ کہا کہ میرے پاس سے جانے کے بعد آپ دیر تک وہاں ٹھہرے پھر آپ پلٹ کر میری طرف تشریف لائے اس وقت آپ خوش تھے اور تبسم فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر گیا اور میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ تو ان کو زندہ کر دے اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لے آئیں پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے موت کی حالت پر پھیر دیا۔ اور بھی ایسا ہی عائشہ کی حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا زندہ کرنا روایت کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دونوں آپ پر ایمان لائے ہیں۔ اس حدیث کو سہیلی

لائے ہیں اور ایسے ہی اس حدیث کو خطیب سابق لاحق یعنی متقدم اور متاخر میں لائے ہیں جو معنی منسوخ و ناسخ ہے اور سہیلی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں مجہول راوی ہیں اور ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ حدیث تحقیق منکر ہے اور اس کی سند مجہول ہے اور ابن وحیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے قرآن شریف اور اجماع اس کو رد کرتا ہے۔ ابن وحیہ کا قول ختم ہو گیا ہے۔

اور بعض علمائے تحقیق قطعی حکم کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین ناجی ہیں اور دوزخ میں نہیں ہیں اور ان علمائے اس حدیث اور اس کے سوا اور حدیثوں کے ساتھ تمسک کیا ہے اور اس قائل کے قول کا تعاقب دوسرے عالم نے اس طور پر کیا ہے کہ کسی عالم نے اس امر کی تصریح نہیں کی ہے کہ موت کے سبب انقطاع عمل کے بعد ایمان اپنے صاحب کو نفع دے اگر کسی نے خصوصیت کا ادعا کیا ہے تو اس پر دلیل کا پیش کرنا لازم ہے اس قائل نے جو یہ تعقب کیا ہے اس کے معنی میں ابو الخطاب بن وحیہ نے سبقت کی ہے ان کی عبارت یہ ہے کہ (جو شخص کافر مر گیا رجعت کے بعد اس کو ایمان نفع نہ دے گا بلکہ اگر عذاب کے معائنہ کے وقت ایمان لائے گا وہ ایمان اس کو کیوں کر نفع نہ دے گا) ابو الخطاب کا قول ختم ہو گیا اور ابو الخطاب کا تعقب قرطبی نے اپنے تذکرہ میں اس طور پر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خصائص ہمیشہ متوالی اور متتابع ہیں وقت وفات تک پس آپکا اپنے والدین کو زندہ کرنا اس فضیلت سے ہو گا جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے آپ کو فضیلت دی ہے اور آپ کا اکرام کیا ہے قرطبی نے کہا ہے کہ آپ کا اپنے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا آپ پر ایمان لانا عقلاً ممتنع نہیں ہے اور نہ شرعاً ممتنع ہے شرعاً" ممتنع نہ ہونے کی مثال کتاب عزیز میں ہے کہ بنی اسرائیل کا مقتول زندہ کیا گیا ہے اور اس نے اپنے قاتل کی خبر دی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دست مبارک پر مردوں کے ایک گروہ کو زندہ کیا ہے جبکہ یہ ثابت ہو گیا ہے تو آپ کے والدین کے زندہ کرنے کے بعد ان کا ایمان ممتنع نہ ہو گا اور یہ امر آپ کی کرامت اور فضیلت میں زیادتی ہو گی پھر قرطبی نے کہا کہ ابو الخطاب کا یہ قول کہ (جو شخص کافر مر گیا اس کا ایمان اس کو رجعت کے بعد نفع نہ دے گا) یہ اس روایت سے رد کیا گیا ہے جو خبر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اس کے بعد پھیر دیا جو وہ غروب ہو گیا تھا۔ اس کو امام طحاوی نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے اگر آفتاب کا پلٹ آنا نافع نہ ہوتا اور اس کے پلٹنے سے وقت کی تجدید نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ آفتاب کو آپ پر نہ پھیرتا۔ پس ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کا احیا ان کے ایمان کے لیے نافع ہو گا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ انکی تصدیق ان کے لیے نافع ہو گی۔ قرطبی کا قول ختم ہو گیا (قرطبی نے اشارہ کیا ہے کہ امام احمد نے کہا ہے کہ رد شمس کی حدیث کی اصل نہیں ہے اور ابن جوزی نے امام احمد کا اتباع کیا ہے اور اس حدیث کو وہ

موضوعات میں لائے ہیں اور ایسے ہی ابن تیمیہ نے اس حدیث کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے۔ لیکن اس کی تردید مغلطائی اور حافظ ابن حجر اور قطب خیضری اور سیوطی وغیرہ نے کی ہے ان علماء نے کہا ہے کہ ابن جوزی نے اس حدیث کے موضوع کہنے میں خطا کی ہے۔ اس حدیث کی ابن مندہ اور ابن شاہین نے اسماءبنت عمیس کی حدیث نقل کی ہے اور ابن مردویہ نے ابو ہریرہؓ کی حدیث سے روایت کی ہے دونوں کی اسناد حسن ہے اور اس جگہ سے امام طحاوی اور قاضی عیاض نے اس حدیث کی صحت کی ہے علامہ شامی نے کہا ہے امام احمد اور حفاظ کی ایک جماعت کا قول اس حدیث کے موضوع ہونے میں ظاہریوں ہے کہ بعض کذاب کے طریق سے یہ حدیث ان کو پہنچی ہے ورنہ یہ حدیث موضوع تو کجا ضعیف بھی نہیں ہے اور بعض علماء نے رد شمس کی حدیث میں طعن کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ معجزات کے مقصد میں اس کا بیان آئے گا اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی نجات کا قائل ہے اس نے اس طور پر بھی تمسک کیا ہے کہ آپ کے والدین ماجدین نے بعثت سے پہلے فترت کے زمانہ میں وفات پائی ہے (یہ وہ زمانہ ہے جس میں نزول وحی اور احکام موقوف تھے) بعثت سے پہلے جو کوئی مرجائے تو اس کے لیے تعذیب نہیں ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے **وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا** اہل کلام اور اصول سے اشاعرہ نے اور شافعیہ سے فقہاء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جو شخص ایسے حال میں مرگیا کہ دعوت نبوت اس کو نہیں پہنچی تو وہ ناجی مرا اور اسی قائل نے کہا ہے کہ امام فخرالدین رازی نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں کہا ہے کہ یہ کہا گیا ہے کہ آذربت تراش حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا بلکہ چچا تھا اور اس پر ان علماء نے چند وجوہ کے ساتھ احتجاج کیا ہے ان وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے باپ کافر نہیں تھے اس پر بہت سے وجوہ دلالت کرتے ہیں ان وجوہ میں سے ایک وجہ اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے **اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ** کہا گیا ہے اس آیت شریف کا یہ معنی ہے کہ آنحضرت صلعم کا نور مبارک ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا تھا امام رازی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اس امر پر دلالت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمیع باپ دادا مسلمان تھے۔ پھر امام رازی نے فرمایا ہے کہ اس قسم کی حدیث سے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ دادا مشرکین نہیں تھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول ہے **لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى الارحام الطاهرات** اور اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے فرمایا ہے **اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ** اس قول سے یہ واجب ہوا کہ آنحضرت صلعم کے اجداد سے کوئی شخص مشرک نہ ہو ایسا ہی امام رازی نے کہا ہے۔ امام رازی کے اس قول کا اس طور سے تعقب کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کے قول **تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ** میں اس امر پر دلالت نہیں ہے جس کا انہوں نے ادعا کیا ہے۔ حال یہ ہے کہ بیضاوی نے اپنی تفسیر وغیرہ میں بیان کیا ہے جو امام رازی کے اس قول کا معارض ہے۔ بیضاوی نے اس آیت شریف کا یہ

معنی لیا ہے وتبقلبک فی الساجدین ای تلمس احوال المجتهدین یعنی جو لوگ تہجد کی نماز پڑھتے ہیں آپ ان کے احوال سے ایک بار اور دوسری بار بحث کرنا تصفح تصفحت الکتاب سے لیا گیا ہے۔ یعنی کتاب کے اوراق الٹ کے ان میں دیکھنا اور تامل کرنا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ تہجد گزار ہیں ان کے احوال میں آپ تامل اور سوچ کرتے ہیں' جیسا کہ روایت کیا گیا ہے جبکہ فرض قیام لیل منسوخ کیا گیا اس رات میں آپ نے اصحاب کے مکانوں کے اطراف گردش کی تاکہ آپ دیکھیں کہ اصحاب کیا کرتے ہیں آپ کا یہ گردش کرنا اس لیے تھا کہ آپ کو حرص تھی کہ اصحاب عبادت کی کثرت کریں آپ کو اس وقت معلوم ہوا اصحاب اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں آپ نے ان کے گھروں کو شہد کی مکھیوں کے گھروں کی مثل پایا۔ (جیسے خانہ زنبور میں بھن بھناہٹ ہوتی ہے ویسے ہی اصحاب کے مکانوں میں ذکر الٰہی کی آواز تھی) اور تحقیق اسطور سے نص وارد ہوئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ کافر تھا کفر پر مرا ہے جیسے کہ اس کی تصریح بیضاوی وغیرہ نے کی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فلما تبین انہ عدو للہ تبرا منہ جبکہ آذر کا انتقال ہوا اور ابراہیم علیہ السلام کو ظاہر ہوا کہ وہ کفر پر ہوا ہے تو انہوں نے اس کے لیے استغفار پڑھنی چھوڑ دی اور بیضاوی کا یہ قول کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا تو یہ بغیر کس دلیل کے ظاہر کلام سے عدول ہے تعقب کرنے والے کا قول ختم ہو گیا (ظاہر سے عدول نہیں ہے بلکہ اس کی دلیل آفتاب کی مثل ہے شہاب ہیتمی نے اس طور پر تصریح کی ہے کہ اہل کتاب اور اہل تاریخ نے اس پر اجماع کیا ہے کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا بلکہ چچا تھا عرب لوگ چچا کو باپ کہتے ہیں جیسا کہ اس کے ساتھ امام فخر رازی نے جزم کیا ہے بلکہ قرآن مجید میں آیا ہے وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ یعقوب علیہ السلام کے حضرت اسمٰعیل چچا ہیں پس چچا کو باپ کہنا ثابت ہے) اور امام ابوحیان نے (بحر) میں جو تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے قول وتقلب فی الساجدین کی تفسیر کی جگہ یہ نقل کیا ہے کہ روافض اس بات کے قائل ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ دادا مومن تھے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول وتقلبک فی الساجدین کے ساتھ استدلال کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے ساتھ استدلال کرتے ہیں لم ازل انقل من اصلاب الطاہرین آخر حدیث تک ابوحیان کا قول ختم ہو گیا۔

اور ابن جریر نے علقمہ بن مرثد سے انہوں نے سلیمان بریدہ سے انہوں نے اپنے باپ سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبکہ مکہ معظمہ میں تشریف لائے ایک قبر کی نشانی تھی۔ آپ آئے اور اس کے پاس بیٹھ گئے اور خطاب کرنے لگے پھر آپ ایسے حال میں کھڑے ہو گئے کہ آپ کے آنسو جاری تھے۔ ہم اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے جو کچھ کیا وہ ہم لوگوں نے دیکھا آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے باب میں اذن چاہا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو زیارت کا اذن دیا اور میں نے اپنی والدہ کے حق میں استغفار پڑھنے کے لیے اذن چاہا تو اللہ

تعالیٰ نے مجھ کو اذن نہیں دیا۔ راوی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن جتنا روئے اس سے زیادہ آپ روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھے گئے۔

اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کی طرف جانے کے لیے اشارہ فرمایا ہم لوگ آپ کے پیچھے گئے آپ آئے یہاں تک کہ قبروں میں سے ایک قبر کے پاس آپ بیٹھ گئے اور آپ نے دیر تک سرگوشی کی پھر آپ رونے لگے آپ کے رونے کے سبب ہم لوگ رونے لگے۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی طرف اٹھ کے گئے آپ نے ان کو بلایا پھر آپ نے ہم کو بلایا اور آپ نے ہم لوگوں سے پوچھا تم کیوں روئے ہم نے عرض کیا کہ آپ کے رونے کے سبب ہم لوگ روئے آپ نے فرمایا وہ قبر جس کے پاس میں بیٹھا تھا حضرت آمنہؓ کی قبر ہے میں نے اپنے رب سے ان کی زیارت کے باب میں اذن چاہا میرے رب نے مجھ کو اذن دیا اور میں نے ان کے واسطے دعا کے باب میں اذن چاہا تو مجھ کو اذن نہیں دیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قول مجھ پر نازل کیا مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ نبی اور ان لوگوں کے واسطے سزاوار نہیں ہے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ مشرکین کے واسطے مغفرت چاہیں اگرچہ مشرکین قرابت دار ہوں آپ نے فرمایا اس وقت شفقت کہ فرزند کو والدہ پر ہوتی ہے اس نے مجھ کو رولایا (حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اس کو اختصار مستدرک میں رد کیا ہے کہ اس حدیث روایت میں ایوب بن ہانی ہے اس کو ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے ابن عباسؓ کی حدیث سے روایت کیا ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ میں نے اپنے رب سے اذن چاہا کہ میں اپنی والدہ کی مغفرت چاہوں میرے رب نے مجھ کو اذن نہیں دیا اور اس باب میں میں نے اذن چاہا کہ میں اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کروں میرے رب نے مجھ کو اذن دیا تم لوگ قبروں کی زیارت کیا کرو اس لئے کہ قبریں آخرت کو یاد دلاتی ہیں' قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رونا اس امر پر تھا کہ آپ کی والدہ ماجدہ سے آپ کا اور آپ پر ایمان لانے کا زمانہ فوت ہو گیا تھا۔

اور یہی مسلم میں ہے کہ ایک مرد نے پوچھا یا رسول اللہ میرا باپ کہاں ہے آپ نے فرمایا دوزخ میں ہے جبکہ اس نے پیٹھ پھیری آپ نے اسے بلایا اور یہ فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں ہے۔ امام نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص کفر پر مرا ہے وہ دوزخ میں ہے اور اس کو مقربین بارگاہ الٰہی کی قرابت نفع نہیں دیتی ہے' اور اس حدیث میں یہ فائدہ ہے کہ جو شخص زمانہ فترت میں مرا اور جس طریق پر عرب لوگ بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ شخص اس طریق پر تھا وہ دوزخ میں ہے اور اس میں قبل پہنچنے دعوت نبوت کے مواخذہ نہیں ہے اس لئے کہ فترت کے زمانہ میں جو لوگ مر گئے ہیں ان کو حضرت ابراہیم وغیرہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی ہے اور امام فخرالدین رازی نے کہا ہے کہ جو شخص شرک

کی حالت میں مر گیا ہے وہ دوزخ میں ہے۔ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے مر گیا ہو اس لئے کہ مشرکین نے دین ابراہیم علیہ السلام کی حنیفیت کو متغیر کر دیا تھا اور حنیفیت کے ساتھ شرک کو بدل دیا تھا اور شرک کا ارتکاب کیا تھا مشرکین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی حجت نہیں ہے جو انہوں نے شرک اختیار کیا تھا اول سے آخر تک جو رسول تھے ان کل کے دین سے ان لوگوں کو ہمیشہ علم رہا ہے کہ شرک قبیح ہے اور شرک پر وعید ہے کہ اہل شرک دوزخ میں جائیں گے۔ یہ خبریں کہ اللہ تعالیٰ شرک پر مشرکین کو عقوبتیں کرے گا ایک قرن سے دوسرے قرن کے بعد امتوں کے درمیان چلی آتی تھیں پس اللہ تعالیٰ کے واسطے ہر وقت اور ہر حین میں مشرکین پر حجت تامہ ہے اگر اللہ تعالیٰ کے اخبار اور مجتیں مشرکین کی عقوبتوں کے لئے نہ ہوتیں اور صرف توحید ربوبیت کی وہ فطرت ہوتی جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے اور یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک فطرت اور ہر ایک عقل میں محال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معبود ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان امور کا قابل کیا ہوتا تو یہ امور حجت میں کافی ہوتے اور اگرچہ اللہ تعالیٰ تنہا اس فطرت کے مقتضا کے سبب عذاب نہ دیتا اس لئے کہ صحیح یہ امر ہے کہ ایمان واجب نہیں ہوتا۔ مگر شرح کے ساتھ نہ عقل کے ساتھ آدمیوں نے اگرچہ اپنے عقول سے ادراک کیا لیکن جس شے کا انہوں نے ادراک کیا اس کے مقتضی پر عدم جاری ہونے پر اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیتا' اہل زمین کو ہمیشہ یہ معلوم ہوتا رہا ہے رسولوں نے روئے زمین پر مخلوق کو توحید کی طرف بلایا ہے پس مشرک بتوں کی عبادت کرنے والا دوزخ میں عذاب کا مستحق ہو گا اس لئے کہ مشرک نے رسولوں کی دعوت کی مخالفت کی ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا ہے جیسے کہ اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہنے والے ہیں۔ امام فخر الدین رازی کا قول ختم ہو گیا ہے اور علامہ عبداللہ الابی جو مالکیہ سے ہیں انہوں نے صحیح مسلم کی شرح (کمال الاکمال) میں امام نووی کے اس قول کا تعقب کیا ہے جو آگے گزر چکا ہے نووی کے قول میں یہ ہے کہ جس حالت پر عرب لوگ تھے کہ بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے جو شخص اس حالت فترت پر مرے گا وہ دوزخ میں داخل ہو گا نووی کے آخر قول تک کیا معنی ہے تم نووی کے کلام میں تامل اور غور کرو کہ کتنی منافات ہے نووی نے تصریح کی ہے کہ وہ لوگ اہل فترت ہیں اہل فترت وہ لوگ نہیں ہیں جن کو رسالت یا نبوت کی دعوت پہنچ چکی ہے اس لئے کہ اہل فترت وہ امتیں تھیں جو رسولوں کے زمانہ میں پیدا ہونے والی تھیں وہ لوگ تھے جن کی طرف اول رسول نہیں بھیجا گیا اور نہ ان لوگوں نے دوسرے رسول کو پایا جیسے اعراب ہیں یعنی بادیہ کے رہنے والے کہ یہ وہ لوگ ہیں جس کی طرف نہ عیسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے اور نہ وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لاحق ہوئے فترت اس تفسیر سے اس زمانہ کو شامل ہے جو دو رسولوں کے درمیان ہے جیسے کہ نوح اور ہود علیہما السلام کے درمیان فترت ہے لیکن فقیہ لوگ جس وقت فترت کے باب میں کلام کرتے ہیں تو اسما فترت سے مراد لیتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور

بارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ہے اور بخاری نے سلمان سے موقوف طور پر روایت کی ہے کہ فترت کی مدت چھ سو برس تھی جبکہ دلائل قاطعہ قرآنی نے اس امر پر دلالت کی ہے کہ مشرکین پر عذاب نہیں ہے یہاں تک کہ رسول کے بھیجنے سے ان پر حجت قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** ہم نے اس سے یہ جانا ہے کہ ایسے مشرکین کو عذاب نہ دیا جائے گا جن پر کوئی حجت قائم نہیں ہوئی ہے کہ رسول کی دعوت ان کو نہیں پہنچی ہے۔

اگر تم یہ اعتراض کرو گے کہ بعض اہل فترت کی تعذیب میں احادیث صحیح وارد ہوئے ہیں جیسے یہ حدیث ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں دوزخ میں کھینچ رہا تھا اور میں نے صاحب محجن کو دیکھا کہ وہ دوزخ میں تھا (صاحب محجن ایک مرد تھا کہ اپنے ساتھ آنکڑا رکھتا تھا اور حاجیوں کا سامان چراتا تھا جس وقت اس کے سرقہ کا علم ہو جاتا تو وہ سامان کے مالک سے کہہ دیتا کہ یہ شے خود میرے آنکڑے سے لٹک گئی تھی اس کے اعتراض کا جواب بہت سے جوابوں سے دیا گیا ہے ان جوابوں میں کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیثیں اخبار احاد ہیں کہ (ظن کا فائدہ دیتی ہیں) پس یہ حدیثیں قطعی حکم کا وہ قرآن مجید ہے اس طور سے معارضہ نہیں کر سکتی ہیں کہ ان لوگوں کو عذاب نہ دیا جائے گا پس ان حدیثوں پر قرآن مجید کی تقدیم واجب ہے اگرچہ صحیح حدیثیں ہوں' دوسرا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں پر تعذیب مقصود کی گئی ہے یہ حدیثوں کے وارد ہونے کی وجہ سے ہے جو لوگ ان کے سوا ہیں ان پر ہم ان کا قیاس نہ کریں گے پس یہ حدیثیں حکم قاطع کے منافی نہیں ہیں اور عذاب کے سبب کا علم اللہ تعالیٰ کو زیادہ ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ تعذیب جو ان احادیث میں وارد ہے انہیں لوگوں پر مقصود ہے جنہوں نے توحید کو شرک سے بدل دیا اور تغیر دے دیا ہے اور وہ اہل فترت سے تھے (جیسے عمرو بن لحی ہے) کہ اس نے ضلالت اختیار کی اور بتوں کی عبادت کی ایسے لوگوں کا عذر مسموع نہ ہو گا انہوں نے شرائع کو متغیر کر دیا۔

اہل فترت تین قسم کے ہیں

اہل فترت وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی بصیرت سے توحید کو پایا تھا کہ اس بصیرت نے ان کو اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت سے منع کیا تھا' پھر ان لوگوں میں سے وہ لوگ ہیں جو کسی شریعت میں داخل نہیں ہوئے (انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت طلب کی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خروج کا انتظار کیا) جیسے قس بن ساعدۃ الایادی تھے اور زید بن عمرو بن نفیل تھے اور ان میں سے وہ لوگ ہیں کہ شریعت حق میں جس کے آثار قائم تھے داخل ہوئے ہیں جیسے تبع اور اس کی قوم حمیر سے تھی اور اہل نجران اور ورقہ

بن نوفل ہیں اور ورقہ کا نام عثمان بن الحویرث ہے (کہ ان لوگوں نے قبل نسخ دین نصرانیت کے عہد جاہلیت میں نصرانیت اختیار کر لی تھی۔)

دوسری قسم اہل فترت کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے توحید کی تبدیل اور تغیر کر دی اور شرک اختیار کیا اور توحید اختیار نہیں کی اور اپنے نفس کے لئے ایک شرع ٹھہرا کے احکام مشروع کئے تھے کہ خود حلال قرار دیا اور خود حرام ٹھہرایا تھا یہ لوگ اکثر اہل عرب سے ہیں جیسے عمرو بن لحی (بن قمعہ بن الیاس بن مضر ہے) یہ اول وہ شخص ہے جس نے عرب کے واسطے بتوں کی عبادت کا طریقہ ڈالا ہے اور احکام مشروع کئے ہیں' بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام (یہ چار قسموں کے اونٹ بتوں کے لئے نذر کئے تھے) اور اس کا اتباع کل عرب نے کیا تھا اور ان کے سوا اور بہت سے امور ہیں جن کو عمرو لحی نے اختیار کیا تھا جن کا بیان طول کلام ہے (ملک شام سے عمالیق کے پاس سے ہبل بت کو لایا تھا اور کعبہ کے پاس نصب کیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن لحی کا جن ثمامہ نامی تھا اس نے اس سے کہا کہ جدہ کو جا وہاں پر معبود ہیں لے کر آ نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بت لے کر آیا اور لوگوں کو بت پرستی سکھائی اور دین ابراہیمی کو میٹ کیا۔

تیسری قسم اہل فترت کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہ شرک کیا اور نہ توحید کی اور نہ کسی نبی کی شریعت میں وہ لوگ داخل ہوئے اور نہ اپنے نفس کے واسطے کوئی شریعت اختراع کی اور نہ کوئی دین اختراع کیا بلکہ وہ لوگ ان امور سے اپنی تمام عمر غفلت پر باقی رہے جاہلیت کے جو لوگ ان طریقوں پر تھے وہ بھی اسی تیسری قسم میں داخل ہیں پس جس وقت اہل فترت تین قسموں پر منقسم ہوئے جن لوگوں کی تعذیب صحیح ہوگی تو اہل قسم ثانی پر ان کا حمل کیا جائے گا اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر اختیار کیا تھا اور اعمال خبیثہ کے سبب انہوں نے حق سے تجاوز کیا تھا' اللہ تعالیٰ سبحانہ نے اس قسم کے لوگوں کا نام کافر اور مشرک فرمایا ہے اس لئے کہ ہم قرآن شریف کو ایسا پاتے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے کسی کا احوال حکایت کیا ہے تو اس پر کفر اور شرک کا اطلاق کیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا آخر آیت تک (پس اللہ تعالیٰ کے فرمانے سے یہ لوگ کافر کے جائیں گے کہ انہوں نے کذب کا افترا اللہ تعالیٰ پر کیا ہے اور وہ نہیں جانتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں یہ امور انہوں نے اپنے باپ دادا کی تقلید سے اختیار کئے ہیں اور تیسری قسم حقیقتہً" وہی اہل فترت ہیں جو وہ غیر معذب ہیں اس پر کل علماء کا اتفاق ہے۔ اسی قسم سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین ہیں کہ ان کو زمانہ کے تاخر کی وجہ سے دعوت نہیں پہنچی اور ان کے درمیان اور انبیاء سابقین کے درمیان دوری رہی ہے اور یہ دونوں اس جاہلیت کے زمانہ میں تھے کہ شرق اور غرب میں جہل عام ہو گیا تھا اور جو لوگ شریعت کو پہچانتے تھے وہ مفقود ہو گئے تھے اور دعوت کی وجہ پر تبلیغ دعوت کرنے والے نہیں رہے تھے' مگر تھوڑے چند لوگ علمائے اہل کتاب سے اقطار زمین میں جیسے شام وغیرہ ملک ہیں ان میں پراگندہ تھے اور ان لوگوں کو سوا مدینہ کے کہیں سفر کا موقع نہ ملا اور نہ ان کو

اتنی دراز عمر دی گئی کہ مطلوب **کی** جستجو کی ان کو قدرت ہوتی اور آپ کی والدہ ماجدہ پردہ نشین تھیں مردوں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی تھیں کہ شرائع کا احوال معلوم کر سکتیں۔

تیں اہل قسم اول جیسے قیس اور زید بن عمرو ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں میں سے ہر ایک کے باب میں فرمایا ہے کہ ہر ایک تنہا ایک امت کے درجہ میں مبعوث کیا جائے گا۔ لیکن عثمان بن الحویرث اور تبع اور اس کی قوم جو حمیر سے تھی اور اہل نجران جو ہیں ان لوگوں کا حکم ان اہل دین کا حکم ہے جو اس دین میں داخل ہوئے ہیں جب تک ان میں کوئی شخص اس اسلام سے لاحق نہیں ہوا ہے جو کل ادیان کا ناسخ ہے ابی کا کلام خلاصہ کے طور پر ختم ہو گیا اور ورقہ کے باب میں جو کچھ کہا گیا ہے بعثت کی حدیث میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا کہ وہ صحابی ہیں اور مطلقاً ان لوگوں میں کہ اول ہیں جو مسلمان ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے مسئلہ میں یہ وہ حجت ہے جو آسان ہے اور اولیٰ اس بحث کا ترک کر دینا تھا (جیسا کہ امام سخاویؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایمان کی نفی اور اثبات میں باز رہنا بہتر خیال کیا ہے) ہم اس امر کو طرف نہیں کھینچا مگر اس بحث نے جو علمائے عصر کے درمیان اس باب میں واقع ہے حافظ شمس الدین ابن ناصر الدین دمشقی نے اپنی کتاب (مورد الصادی بمولد الهادی) میں جس مقام پر کہا ہے اچھا کہا ہے۔

حبا الله النبی مزید فضل　　　　علی فضل و کان به رئوفا

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضل پر مزید فضل عطا کیا ہے اور آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ رافت کرتا ہے۔

فاحیا امه و کذا اباه　　　　لایمان به فضلا منیفا

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ کی والدہ ماجدہ کو زندہ کیا اور ایسا ہی آپ کے والد ماجد کو زندہ کیا کہ وہ دونوں آپ پر ایمان لائیں یہ زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے بزرگ فضل سے تھا۔

فسلم فالقدیم بذا قدیر　　　　و ان کان الحدیث به ضعیفا

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے والدین ماجدین کو زندہ کیا تم اس امر کو تسلیم کر لو کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور اس زندہ کرنے پر قادر ہے اور دوسروں کے زندہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے اگرچہ آپ کے والدین کے زندہ ہونے کے باب میں ضعیف حدیثیں وارد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا ذکر اس شے کے ساتھ جس میں کوئی نقص ہو نہ کرو اس سے کمال درجہ حذر کرو اس لئے کہ وہ آنحضرت صلعم کو ایذا دیتا ہے کیونکہ عرف عام اس طور پر جاری ہے کہ جس وقت کسی کا باپ اس صفت سے ذکر کیا جائے جس سے اس پر کوئی نقص لازم آتا ہو۔ یا ایسے وصف سے اس کا باپ وصف کیا جائے کہ اس کے باپ کی ذات کے ساتھ قائم ہوا اور وہ وصف اس میں نقصان ہو تو مخاطبت کے وقت اس کا وصف کا ذکر اس کے

بیٹے کو ایذا دیتا ہے۔ (ابن مندہ نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ سبعہ بنت ابو لہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور کہا یا رسول اللہ آدمی کہتے ہیں کہ تو حمالہ حطب النار کی بیٹی ہے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے حال میں کھڑے ہوئے کہ غضبناک تھے آپ نے فرمایا اقوام کا کیا حال ہے میری قرابت کے باب میں مجھ کو ایذا دیتے ہیں جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔) اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مُردوں کے برا کہنے کے سبب زندہ لوگوں کو ایذا نہ دو اس حدیث کو طبرانی نے معجم صغیر میں روایت کیا ہے اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانا کفر ہے آپ کا ایذا دینے والا ایسے کلام سے ہم شافعیہ کے نزدیک قتل کیا جائے گا اگر وہ اپنے ایسے فعل سے توبہ نہ کرے گا اور (مالکیہ کے نزدیک اس کا قتل واجب ہو گا اگرچہ وہ توبہ کرے) اس کی بحثیں انشاء اللہ تعالیٰ مقصد معجزات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں آئیں گی (قاضی ابوبکر جو ائمہ مالکیہ سے ہیں ان سے اس مرد کے باب میں سوال کیا گیا جس نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین ماجدین دوزخ میں ہیں انہوں نے جواب دیا کہ وہ کہنے والا ملعون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا** اس ایذا سے اعظم کوئی ایذا نہیں ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلعم کے والدین ماجدین دوزخ میں ہیں۔

بعض علماء نے آپ کے والدین ماجدین کے ایمان کے استدلال میں کلام کو طول دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عالم کو اس کے قصد جمیل پر ثواب عطا فرمائے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی بعض کتابوں میں کہا ہے کہ آنحضرت صلعم کی اس آل کے ساتھ یہ ظن ہے جو آپ کے مبعوث ہونے سے پہلے مرگئی ہے کہ قیامت کے دن امتحان کے وقت وہ مطیع ہو گی اور آپ کے اکرام کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گی تاکہ جنت میں ان کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور کتاب الاحکام میں کہا ہے (اور ایسا ہی اصابہ میں ہے) کہ ہم امید کرتے ہیں کہ عبدالمطلب اور آپ کے جملہ اہل بیت ان لوگوں میں جو جنت میں داخل ہوں گے ایسے حال میں جنت میں داخل ہوں گے جو مطیع ہوں گے پس وہ نجات پائیں گے (اس لئے کہ وہ شے وارد ہوئی ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عبدالمطلب حنیفیت اور توحید پر قائم تھے۔)

ام ایمن برکہؓ آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد آپ کی دایہ تھیں اور آپ کو گود میں لیا کرتی تھیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرماتے تھے کہ میری والدہ کے بعد تم میری ماں ہو (یعنی میرے ساتھ رعایت اور شفقت کرنے میں میری ماں کی مثل ہو یا یہ کہ میں تمہارے ساتھ جو رعایت اور احترام کرتا ہوں اس حیثیت سے تم میری ماں ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب جو آپ کے متکفل تھے انہوں نے ایسے حال میں وفات پائی کہ آٹھ برس کے تھے اور کہا گیا ہے کہ آٹھ برس ایک

مہینہ دس دن کے تھے اور کہا گیا ہے نو سال کے تھے اور کہا گیا ہے دس سال کے تھے اور کہا گیا ہے چھ سال کے تھے اور کہا گیا ہے کہ آپ تین سال کے تھے (اس کو ابن عبدالبر مغلطائی نے حکایت کیا ہے) اس قول میں نظر ہے (اس لئے کہ آپ اپنی والدہ ماجدہ کی وفات کے وقت چار برس کے تھے اور علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ان کے بعد عبدالمطلب نے آپ کا متکفل کیا ہے یہ کیونکر ہو گا کہ آپ عبدالمطلب کی وفات کے وقت تین سال کے تھے عبدالمطلب وفات کے وقت ایک سو دس برس کی تھی اور کہا گیا ہے کہ ایک سو چالیس برس کی تھی۔) عبدالمطلب کے بعد ابو طالب آپ کے متکفل ہوئے ابو طالب کا نام عبد مناف تھا' عبدالمطلب نے ابو طالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش کے لئے اس وجہ سے وصیت کی تھی کہ ابو طالب حضرت عبداللہ رسول اللہ صلعم کے والد ماجد کے حقیقی بھائی تھے ابن عساکرؒ نے جلہمہ بن عرفطہ سے روایت کی ہے کہا ہے کہ میں مکہ معظمہ میں ایسے حال میں آیا کہ اہل مکہ قحط میں تھے۔ قریش نے کہا اے ابو طالب جنگل قحط ناک ہو گیا ہے اور عیال قحط زدہ ہو گئے ہیں آپ آیئے اور پانی کے لئے دعا کیجئے ابو طالب گھر سے ایسے حال میں نکلے کہ ان کے ساتھ ایک لڑکا تھا گویا تاریک دن کے لئے وہ آفتاب تھا جس سے سیاہ ابر ہٹ گیا ہو (ابر میں سے آفتاب جب نکلتا ہے تو بڑا نورانی ہوتا ہے اس لئے آپ کو اس آفتاب سے تشبیہ دی ہے) اور اس لڑکے کے اطراف چھوٹی عمر والے بہت سے لڑکے تھے ابو طالب نے اس لڑکے کو لیا اور اس کی پشت کعبہ سے چپکا دی اس لڑکے نے آسمان کی طرف متضرع کی مثل اپنی انگلی اٹھا کر اشارہ کیا (یعنی پانی برسنے کے لئے التجاء کی) اس وقت آسمان میں ابر کا کوئی ٹکڑا نہ تھا ابر چار طرف سے آیا اس کی بارش کثیر ہو گئی اور وہ اتنا برسا کہ جنگل بہہ نکلے اور اہل شہر اور اہل بادیہ سیراب ہو گئے اس باب میں ابو طالب کہتے ہیں۔

و ابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

ثمال بکر ثائے مثلثہ ملجا اور فریاد رس اور کہا گیا ہے کہ شدت کے وقت کھانا کھلانے والا ارامل جمع ارمل اور ارملہ مساکین مرد اور مساکین عورتیں مگر عورتوں کے ساتھ مختص ہے اور استعمال میں اکثر ہے آپ گورے یا شریف القوم یا پاک ناموس ہیں کہ آپ کے چہرہ مبارک کے سبب یا آپ کی ذات مقدس کے سبب لوگ ابر سے پانی طلب کرتے ہیں مراد یہ ہے کہ آپ کی ذات اقدس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے توسل ڈھونڈتے ہیں آپ یتیموں کے ملجا اور فریاد رس ہیں اور مساکین مردوں یا مساکین عورتوں کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔

یلوذ بہ الھلاک من آل ہاشم فھم عندہ فی نعمۃ و فواضل

یلوذ بمعنی ملتجی ہلاک جمع ہالک نعمۃ بخشش فواضل عظیم نعمتیں جو لوگ آل ہاشم سے قریب ہلاکت کے ہیں وہ آپ سے التجا کرتے ہیں آپ ان کی فریاد رسی فرماتے ہیں یا یہ کہ ان کو آپ کھانا کھلاتے ہیں اور عظیم نعمتیں دیتے ہیں یہ اشعار ابو طالب کے اس قصیدہ کے ہیں جس کو ابن اسحٰق نے اس کے طول کے ساتھ

ذکر کیا ہے اور وہ قصیدہ اسی شعروں سے اکثر ہے ابو طالب نے وہ قصیدہ اس وقت کہا ہے جبکہ قریش اگر آپ کی ایذا رسانی پر جمع ہوئے تھے اور جو لوگ اسلام کا ارادہ کرتے تھے قریش نے ان کو آپ کے پاس سے بھگا دیا تھا اول قصیدہ کا یہ ہے

و لما رایت القوم لا و د عندھم　　و قد قطعوا کل العری و الوسائل

رایت بمعنی علمت عری جمع عروہ مراد عہود ہیں وسیلہ بمعنی قربت یعنی جس شے کے ساتھ تقرب حاصل کیا جائے اور وسیلہ بادشاہ کے نزدیک منزلت جبکہ میں نے قوم قریش کو جان لیا کہ ان کے پاس ہماری محبت نہیں ہے حال یہ ہے کہ قریش نے کل عہد اور وسائل قطع کر دیئے ہیں۔

و قد جاہرونا بالعداوۃ و الاذی　　و قد طاوعوا امر العدو المزایل

اور قریش نے ہم معشر بنی ہاشم کی عداوت اور ایذا رسانی کھلم کھلا طور پر کی ہے اور ایسے دشمن کے امر تبع ہو گئے ہیں جو جدائی کرنے والا ہے۔

اعبد مناف انتم خیر قومکم　　فلا تشرکوا فی امرکم کل واغل

واغل خسیس اور کمینہ اور جمیع احوال میں حقیر اے اہل عبد مناف تم لوگ اپنی قوم کے خیر ہو اپنے امر میں ہر ایک شخص کو جو کمینہ اور حقیر ہے شریک نہ کرو۔

فقد خفت ان لم یصلح اللہ امرکم　　تکونوا کما کانت احادیث وائل

تمہارے امر کو اگر اللہ تعالیٰ درست نہ کرے گا۔ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اگر تم ایمان نہ لاؤ گے) میں خوف کرتا ہوں کہ تم لوگ ایسے ہو جاؤ گے جیسے وائل کی باتیں ہیں رب الناس کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں کہ تمہاری بری حالت میں نہ دیکھوں چنانچہ کہتے ہیں۔

اعوذ برب الناس من کل طاعن　　بسوء علینا او ملح بباطل

آدمیوں کے رب کے ساتھ میں اس ہر ایک شخص سے پناہ مانگتا ہوں جو برائی سے ہم لوگوں پر طعنہ مارتا ہے یا اس شخص سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جو امر باطل کے ساتھ مواظبت کرتا ہے۔

و ثور و من ارسی ثبیرا مکانہ　　و راق لبر فی حرا و نازل

ثور اور ثبیر اور حرا تینوں پہاڑ ہیں ابو طالب ان کی قسم ان کی عظمت اور بزرگی کے سبب کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جبل ثور کی قسم ہے اور اس ذات کی قسم ہے جس نے ثبیر کو اس جگہ پر ثابت اور قائم رکھا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اس کی قسم ہے اور اس شخص کی قسم ہے جو نکوکاری سے جبل حرا پر چڑھے اور اس میں نزول کرے۔

و بالبیت حق البیت فی بطن مکہ　　و باللہ ان اللہ لیس بغافل

اور اس گھر کی قسم ہے جو مکہ میں واقع ہے اور وہ بہت حق ہے یعنی کعبہ مکرمہ اور اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ

تم لوگ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو عداوت کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے۔

کذبتم و بیت اللہ نبتزی محمد و لما نطاعن دونہ ونناضل

نبزی بضم نون و سکون بائے موحدہ و فتح زائے معجمہ بمعنی تغیر و غلب قسم ہے بیت اللہ کی کہ تم لوگوں نے یہ جھوٹ کہا ہے کہ ہم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قہراور غلبہ کریں گے حال یہ ہے جبکہ ہم لوگ محمد صلعم کی اس طرف تم لوگوں سے اور جو لوگ تمہارے سوا ہیں ان کے ساتھ نیزوں اور تیروں سے لڑیں گے تو تم ان پر کیوں کر غالب ہو سکو گے یہ مطلب شامی کے موافق ہے اور نہایہ میں صیغہ مضارع مجہول سے یبزی ہے اور لفظ محمد ترکیب میں نائب فاعل ہے اور جواب قسم میں لا محذوف ہے یعنی جبکہ ہم لوگ محمد صلعم کے اس طرف تم لوگوں کے ساتھ نیزوں اور تیروں سے لڑیں گے تو محمد صلعم تم سے مغلوب نہ ہوں گے اور تم ان پر قہر نہ کر سکو گے۔

و نسلمہ حتی نصرع حولہ و نذھل من ابنائنا و الحلائل

اور اے گروہ قریش ہم لوگ تم لوگوں کے سپرد محمد صلعم کو کردیں ایسا نہ ہو گا کہ تم جو معاملہ چاہو ان کے ساتھ کرو یہاں تک کہ محمد صلعم کے اطراف ہم قتل کئے جائیں گے اور یہاں تک کہ ہم اپنے فرزندوں اور اپنی بیبیوں سے غافل ہو جائیں گے یعنی سب کو بھول جائیں گے۔

امام عبدالواحد ابن التین نے کہا ہے کہ ابو طالب کے اس شعر میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو پہچانتے تھے قبل اس کے کہ آپ مبعوث کئے جائیں اس لئے کہ بحیرہ راہب وغیرہ نے ابو طالب کو آپ کی شان کی خبردی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے ابن التین کا تعقب فتح الباری میں اس طور کیا ہے کہ ابن اسحٰقؒ نے اس طور پر ذکر کیا ہے کہ ابو طالب نے یہ اشعار آپ کی بعثت کے بعد انشاء کئے ہیں کثیر احادیث میں آیا ہے کہ ابو طالب کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی معرفت تھی۔

الذکر الحسین

علامہ زرقانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آخری وقت کے اشعار ان واقعات کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

کہ حضرت آمنہ کا یہ قول اس بات کی صریح دلیل ہے کہ وہ موحد تھیں چنانچہ انہوں نے دین ابراہیمؑ اور اپنے فرزند کا اللہ کی طرف سے نبی بن کر مبعوث ہونا بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ آپ کو بتوں کی تعظیم اور عبادت اور ان کی دوستی سے روکا ہے یہی توحید ہے اس کے سوا اور کوئی چیز توحید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی ذات اور اس کی الوہیت کا اعتراف و اقرار اور اس کے شریک کی نفی اور بتوں کی اہانت وغیرہ کی جائے۔ عہد جاہلیت میں بعثت سے پہلے کفر سے بری ہونے اور صفت توحید کے ثبوت کے لیے اس قدر کافی ہے۔ (زرقانی جلد ا ص ۱۶۵)

اس لئے کہ اس زمانے میں دین حق اپنی اصلی حالت پر نہیں رہا تھا۔ یہود و نصاریٰ نے تو تورات و انجیل میں تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ علماء بہت کم تھے اور وہ بھی دور دراز ملکوں میں رہتے تھے۔ دین حق کی تبلیغ و اشاعت نہ ہونے کی وجہ سے جہالت عام تھی اور آپ کے والدین کریمین کی عمریں بھی چھوٹی تھیں ان کو اتنا موقعہ ہی نہیں ملا کہ وہ جستجو کر کے دین حقہ کی تلاش کریں۔ باوجود اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے وہ عارف باللہ تھے چنانچہ علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔

و یشھد لہ فی حملہ وولادتہ من آیاتہ الباہرۃ ما یحمل علی الحنف ضرورۃ و رأت النور الذی خرج منھا لہ قصور الشام حتی رأتھا کما ترے امھات النبیین و قالت لحلیمۃ حین جاءت بہ و قد شق صدرہ اخشیتما علیہ الشیطان کلا و اللہ ما للشیطان علیہ سبیل و انہ لکائن لابنی ھذا شان فی کلمات اخر من ھذا النمط و قدمت بہ المدینۃ عام و فاتھا و سمعت الیھود و فیہ و شھادتھم لہ بالنبوۃ و رجعت بہ الی مکۃ فماتت فی الطریق فھذا کلہ مما یؤید انھا تحنفت فی حیاتھا (زرقانی علی المواہب جلد ا ص ۱۶۵)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حمل میں رہنے اور آپ کی ولادت کے وقت کے روشن دلائل اس پر شاہد ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ مسلمان اور دین ابراہیمی پر تھیں اور پھر ان کا وقت ولادت اس نور کو دیکھنا جو ان سے نکلا اور جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے یہاں تک کہ انہوں نے اس کو ایسے ہی دیکھا جیسے کہ انبیاء کرام کی مائیں دیکھا کرتی ہیں اور پھر جب حلیمہ آپ کے شق صدر ہونے سے گمان آسیب سے ڈرتی ہوئی آپ کو لے کر آئی تھی تو انہوں نے اس کو کہا تھا کہ میرے بیٹے پر شیطان (آسیب) کا اثر گمان کرتی ہو ایسا ہرگز نہیں ہے جاؤ تم اپنی راہ لو خدا کی قسم میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہونے والی ہے اور دوسرے کلمات جو اس طرف رہنمائی کرتے ہیں وہ یہ ہیں کہ جب وہ سال وفات میں مدینہ آئی تھیں تو انہوں نے یہودیوں کو آپ کی نبوت کی شہادت دیتے ہوئے سنا تھا اور پھر وہ کے واپس ہوتے وقت راستے ہی میں وفات پا گئیں تھیں۔ پس یہ تمام باتیں اس کی تائید کرتی ہیں کہ بلاشبہ وہ مسلمان اور دین ابراہیمی پر تھیں۔

قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ و حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہما السلام نے کعبہ مقدسہ کی تعمیر کے وقت دعا کی تھی رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو مسلمین لک اپنا مطیع و فرمانبردار رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت ایسی پیدا فرما جو مُسْلِمَۃً لَّکَ جو تیری مطیع و فرمانبردار ہو پھر عرض کیا وَ ابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ

اور اسی جماعت (مسلمہ) میں سے اس رسول کو مبعوث فرما۔ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا پوری ہوئی معلوم ہوا کہ آپ جماعت مسلمہ میں سے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

اللہ تعالیٰ مجھے اصلاب طیبہ اور ارحام طاہرہ سے منتقل کرتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ مجھے (میرے والدین سے) نکالا۔ (زرقانی علی المواہب جلد۱ ص ۱۷۴، خصائص کبریٰ جلد۱ ص۳۹، دلائل النبوت ص ۲۳)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ

مومن غلام بہتر ہے مشرک سے اور باندی مومنہ بہتر ہے مشرکہ سے

اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ کافر و مشرک اگرچہ کیسا ہی شریف القوم ہو کسی غلام مومن یا باندی مومنہ سے بھی خیر و بہتر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم سے مشرکوں کا نجس ہونا صاف طور پر ثابت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ **اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ** لہذا ثابت ہوا کہ آپ کے والدین کریمین مشرکوں میں سے نہیں تھے اور حسب و نسب کے بیان میں مذکور ہوا کہ خاندان بنی ہاشم اللہ کا چنا ہوا خاندان اور خاندانوں سے افضل ترین خاندان ہے۔ اور اسی برگزیدہ خاندان کے برگزیدہ چشم و چراغ حضرت عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد ہیں۔ مشرک افضل ترین اور برگزیدۂ خدا کس طرح ہو سکتا ہے معلوم ہوا کہ آپ کے والدین ہرگز مشرک نہ تھے بلکہ موحد و مسلمان تھے۔

نیز جس قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں وہ عرش معلیٰ سے افضل ہے غور کیجئے مٹی کے جس ٹکڑے کے اندر آپ ہوں وہ تو عرش معلیٰ سے افضل ہو جائے اور جس باپ کے صلب اور جس ماں کے شکم میں رہے ہوں اور جس ماں کا دودھ پیا ہو وہ جہنمی اور مشرکین ہی رہیں؟ معاذ اللہ۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر آپ کے والدین کریمین تک وہ تمام افراد جن کے اصلاب و ارحام میں آپ کا نور پاک جلوہ گر رہا ہے مسلمان موحد ہوئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کا تذکرہ آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اولاد ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ملاحظہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (قرآن)

اور جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا میں بیزار ہوں تمہارے معبودوں سے مگر وہ جس نے مجھے پیدا کیا وہ عنقریب مجھے راہ دے گا (ابراہیم نے) اپنے اس کلمہ (توحید) کو اپنے پیچھے (اپنی اولاد میں باقی

چھوڑا تاکہ وہ رجوع کریں)
امام عبد بن حمید اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالی اس کے قول وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ کی تفسیر بیان فرماتے ہیں کہ فرمایا لا الہ الا اللہ باقیۃ فی عقب ابراہیم کہ وہ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے جو ابراہیم کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا گیا ہے۔ (الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۳۲۱)
امام ابن جریر و ابن المنذر نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے بھی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ نیز امام عبد بن حمید اور امام عبد الرزاق اپنی اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ وہ کلمہ جو ان کی اولاد میں باقی رکھا گیا۔ وہ شہادت ان لا الہ الا اللہ و الا خلاص و التوحید لا یزال فی ذریتہ من یقولہا من بعدہ اس امر کی شہادت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اور اخلاص اور عقیدہ توحید ہے جو ان کے بعد ان کی اولاد میں ہمیشہ رہے گا۔ (الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۳۲۱)
امام ابن منذر نے امام ابن جریج سے اس کی تفسیر بیان فرمائی کہ انہوں نے فرمایا۔
فلم یزل ناس من ذریتہ علی الفطرۃ یعبدون اللہ حتی تقوم الساعۃ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۳۲۱)
کہ ابراہیم کی اولاد میں کچھ لوگ ہمیشہ دین فطرت پر رہیں گے اور قیامت تک اللہ کی عبادت کریں گے۔
و اذ قال ابراہیم رب اجعل ھذا البلد امنا و اجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام
اور جبکہ ابراہیم نے کہا اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو امان والا کر دے اور میرے بیٹوں کو بتوں کو پوجنے سے بچا۔
امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کے ان بیٹوں کو خصوصاً بتوں کی پوجا سے بچایا جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء و اجداد بننے کا شرف حاصل ہونا تھا۔
رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ و من ذریتی (۱۳/۱۷)
اے میرے رب مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا رکھ۔
امام ابن منذر حضرت جریج سے اس کی تفسیر بیان فرماتے ہیں۔
کچھ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہمیشہ دین فطرت پر رہ کر اللہ کی عبادت کریں گے۔ (الحاوی جلد ا ص ۳۲۳)
امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پاک ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا اس تقدیر پر یہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمیع آبائے کرام مسلمان تھے۔ (جلد ۲ ص ۳۲۳)
علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کا نور طاہرین ساجدین کے اصلاب سے طاہرات ساجدات کے ارحام کی طرف اور ساجدات کے ارحام سے طاہرین کے اصلاب کی طرف یعنی موحدین و موحدات میں منتقل ہوتا رہا۔ اور یہ اس پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آبائے کرام مومنین تھے۔

چند احادیث مبارکہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔
کہ روئے زمین پر ہر زمانے میں کم از کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اہل زمین سب ہلاک ہو جاتے۔

(مصنف عبدالرزاق بسند صحیح و تاریخ مکہ الارزقی و الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۴۱۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔
حضرت نوحؑ کے بعد زمین کبھی سات بندگان خدا سے خالی نہ ہوئی جس کے سبب اللہ تعالی اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے۔

محدث ابن جوزی مرفوعا حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ جبریل نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا۔
اللہ تعالی آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے اس صلب پر جس میں تم رہے ہو اور اس پیٹ پر جس نے تمہیں اٹھایا اور اس گود پر جس نے تجھے کھلایا نار دوزخ کو حرام کر دیا ہے۔ (الحاوی جلد ۱ ص ۴۳۲)

امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی پیغمبر کی والدہ کافرہ و مشرکہ نہیں ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیسے ہو سکتی ہے اور اگر ہو تو یہ آپ کی شان و وقار کے خلاف ہے نیز حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی مائیں تو جنت میں رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ جہنم میں رہیں۔ کیا رب تعالی کو پسند ہو گا؟ ہرگز نہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے۔
وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا اور ہم عذاب نہیں کرتے جب تک کوئی رسول نہ بھیجیں۔
معلوم ہوا کہ مستحق عذاب وہ ہیں جن کو رسول اللہ کی دعوت پہنچے اور وہ اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیں اور حضور کے والدین کو کسی رسول کی دعوت پہنچی ہی نہیں لہٰذا وہ مستحق عذاب یا جہنمی کیسے ہو سکتا ہے۔

اگرچہ ان کے موحد و مسلمان اور جنتی ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا اور یہ روشن دلائل کافی تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ وہ مجھ پر ایمان لا کر میری امت کے برگزیدہ لوگوں میں شمار ہوں' اور اللہ تعالی نے آپ کی رضا کے مطابق کر دیا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حجتہ الوداع کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو ساتھ لے کر مقام حجون میں تشریف لے گئے اس وقت آپ رو

رہے تھے اور بہت ہی زیادہ غمگین تھے۔ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر میں بھی رو پڑی' آپ مجھ کو اونٹ پر چھوڑ کر تشریف لے گئے اور کافی دیر تک وہاں ٹھہرے رہے' جب واپس آئے تو مسرور و خوش و متبسم تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں' جب آپ گئے تھے تو بہت غمگین اور روتے ہوئے گئے تھے اور اب آپ مسرور و متبسم واپس تشریف لائے ہیں۔ کیا بات تھی؟

فرمایا میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا اور میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ اس کو زندہ کر دے اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر دیا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو موت کی طرف لوٹا دیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے رب سے دونوں (والدین) کے زندہ ہونے کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ کر دیا تو وہ دونوں آپ پر ایمان لے آئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی۔ (الحاوی جلد ۲ ص ۴۴۰' زرقانی جلد ۱ ص ۱۶۸)

علامہ عبدالرحمن سہیلی رحمتہ اللہ علیہ جن کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں اپنی کتاب روض الانف میں اس حدیث کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے' اس کی رحمت و قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو جس چیز سے چاہے مختص فرمائے اور جو چاہے ان پر انعام و اکرام فرمائے۔ (شرح زرقانی جلد ۱ ص ۱۶۸' الحاوی للفتاوی جلد ۱ ص ۴۴۰)

حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی مورد الصادی بمولد الہادی میں فرماتے ہیں۔

حبا اللہ النبی مزید فضل　　　علی فضل و کان بہ رؤوفا

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضل پر مزید فضل عطا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ رافت فرماتا تھا۔

فاحیا امہ و کذا اباہ　　　لایمان بہ فضلا لطیفا

اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ (آمنہ) اور آپ کے والد (عبداللہ) کو زندہ کیا' تاکہ وہ دونوں آپ پر ایمان لائیں یہ زندہ کرنا اللہ کے فضل اور لطف عمیم سے تھا۔

فسلم فالقدیم بہذا قدیر　　　و ان کان الحدیث بہ ضعیفا

اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کیا ہے تم اس بات کو تسلیم کر لو کیونکہ وہ قدیم ہے اور اس زندہ کرنے پر ہر وقت قادر ہے اگرچہ اس بارے میں حدیثیں ضعیف ہی کیوں نہ ہوں (مواہب و زرقانی جلد ۱ ص ۱۵۸)

امام المفسر بن محمد ابن احمد بن ابی بکر المعروف علامہ قرطبی کتاب التذکرہ باحوال الاخرہ میں فرماتے ہیں۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و خصائص متواتر اور پے در پے آپ کی وفات تک بڑھتے اور زیادہ ہوتے رہے اور آپ کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا یہ اسی فضل و کرم میں سے ہو گا جو اللہ نے آپ پر کیا ہے اور آپ کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا نہ عقلاً ممتنع ہے اور نہ شرعاً" ممتنع نہ ہونے کی مثال قرآن عزیز میں ہے کہ بنی اسرائیل کا مقتول زندہ کیا گیا جس نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کی خبر دی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کرتے تھے اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر بہت سے مردوں کو زندہ کیا ہے جب یہ ثابت ہے کہ آپ کے والدین کا زندہ ہونے کے بعد ایمان لانا ممتنع نہ ہو گا بلکہ یہ امر آپ کی فضیلت و کرامت میں زیادتی کا باعث ہو گا اور یہ کہنا کہ جو شخص کافر مرگیا اس کو رجعت کے بعد ایمان نفع نہ دے گا اس کا رد کیا گیا ہے اس حدیث کے ساتھ جس سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آفتاب کو اس کے غروب ہونے کے بعد لوٹا دیا (جبکہ حضرت علیؓ کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی) (جیسا کہ امام) طحاویؒ نے (مشکل الاثار) میں اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے (یعنی صحیح ہے) اور اگر آفتاب کا پلٹ آنا نافع نہ ہوتا اور اس کے پلٹنے سے وقت کی تجدید نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو آپ پر واپس نہ لوٹاتا پس اسی طرح آپ کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا ان کے لئے یقیناً نافع ہو گا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق ان کے لئے نافع ہو گی۔

رئیس الفقہاء والمحدثین علامہ شامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بلاشبہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے والدین کو ان کے لئے زندہ کر کے ان کا اکرام کیا یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لائے جیسا کہ حدیث میں ہے اور علامہ قرطبی و ابن ناصر الدین حافظ الشام وغیرہما نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے پس آپ کے والدین کا وفات کے بعد خلاف قاعدہ ایمان سے متنفع ہونا صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعزاز و اکرام ہے۔ (رد المختار جلد ۳ ص ۳۰۰)

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین مومنین اور آپ کی امت کے برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں' اور جنتی ہیں' لہٰذا ان لوگوں کو محتاط رہنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی سے ڈرنا چاہئے جو بلا سوچے سمجھے کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کافر تھے اور وہ دوزخی ہیں' معاذ اللہ معاذ اللہ ان کو سوچنا چاہئے کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی والدین کا معاملہ ہے کیا ہمارے لئے یہ زیبا ہے' اور کیا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت نہ ہوتی ہو گی؟

امام قاضی ابوبکرؒ جو ائمہ مالکیہ میں سے ہیں ان سے پوچھا گیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین دوزخ میں ہیں آپ نے فرمایا۔

انہ ملعون بقولہ تعالی ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا و الآخرۃ و اعد لہم عذابا مہینا۔ و لا اذی اعظم من ان یقال ابویہ فی النار (الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۳۳۲، مواہب و زرقانی جلد ۱ ص ۱۹۶)

بلاشبہ وہ ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ بلاشبہ وہ لوگ جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا ایذا ہو گی کہ کہا جائے کہ آپ کے والدین دوزخ میں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ ابو لہب کی بیٹی سبیعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ!

لوگ کہتے ہیں کہ تو دوزخ کے ایندھن کی بیٹی ہے یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہوئے اور کھڑے ہو کر فرمایا، ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میری قرابت کے بارے میں مجھے ایذا پہنچاتے ہیں، یاد رکھو جس نے مجھ کو ایذا دی در حقیقت اس نے اللہ کو ایذا دی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابولہب دوزخی ہے مگر جب اس کی بیٹی کو یہ کہا گیا کہ تو دوزخی کی بیٹی ہے تو اس سے اس کو بہت اذیت ہوئی اور اس کی اذیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا باعث بنی، یہاں تک کہ آپ کو فرمانا پڑا کہ میری قرابت کے بارے میں اس قسم کی باتیں کر کے مجھے ایذا نہ پہنچاؤ، اس سے اندازہ کیجئے کہ جو شخص آپ کے جنتی والدین کریمین کو دوزخی کہتا ہے وہ کتنی بڑی گستاخی کرتا ہے اور آپ کو کتنی اذیت پہنچاتا ہے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از لطف رب

شبہ

فقہ اکبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے متعلق لکھا ہے ماتا علی الکفر کہ آپ کے والدین کفر پر مرے نیز ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی شرح میں یہی ثابت کیا ہے کہ آپ کے والدین کفر پر مرے ہیں۔

جواب

فقہ اکبر کے معتمد نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار پر فرماتے ہیں وما فی الفقہ الاکبر من ان والدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام و یدل علیہ ان

النسخ المعتمدة طمس فيها شئی من ذلک

یعنی فقہ اکبر میں جو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کفر پر مرے ہیں" یہ امام پر افترا ہے کیونکہ معتمد نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے۔ لہذا یہ عبارت الحاقی ہو گی کہ کسی دشمن نے اپنی طرف سے بڑھا دی۔ اسی طرح بعض لوگوں نے فقہ اکبر کے اس بحث استوی علی العرش میں بھی ایک عبارت اپنی طرف سے بڑھا دی تھی جس کا علمائے حنیفہ نے سخت رد کیا ہے۔ دشمنان دین کی طرف سے اس قسم کی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں جس کی سینکڑوں نظیریں پیش کی جا سکتی ہیں کہ انہوں نے بزرگان دین کے ناموں سے کس قدر ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوششیں کی ہیں اور ان کی طرف کیا کیا منسوب کر کے مسلمانوں کو مبتلائے فتنہ و فساد کیا۔ اور اس عبارت کا الحاقی ہونا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فقہ اکبر میں صرف ایسے مسائل اعتقادیہ لکھے گئے ہیں جو نہایت ہی اہم خیال کئے جاتے ہیں اور یہ مسئلہ اس قسم کا نہیں ہے جس پر اعتقاد واجب سمجھا جائے۔ اور اگر بالفرض و المحال فقہ اکبر میں ہو تو بھی اس کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ آپ کے والدین کافر مرے۔ معاذ اللہ! کیونکہ ماتا کافرین نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہو گا کہ ان کی وفات زمانہ کفر میں قبل از اسلام ہوئی۔ جیسا کہ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کہ اگر بالفرض اس کو امام کا قول تسلیم کر لیا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ آپ کے والدین نے زمانہ کفر میں قبل اسلام وفات پائی اور یہ اس بات کو مقتضی نہیں ہے کہ وہ کفر سے متصف تھے۔

علامہ سید محمد البرزنجی المدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں بڑی مفصل بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے اسلام کے قائل ہیں اور فقہ اکبر کی عبارت میں غالب احتمال یہ ہے کہ ماماتا علی الکفر ہو۔ (کہ ان کی وفات کفر پر نہیں ہوئی) لیکن لکھنے والے سے سہواً" رہ گیا ہو۔

جہاں تک ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے ان سے اس مسئلہ میں لغزش ہوئی ہے۔ چنانچہ فقیہ محمد مرعشی رحمۃ اللہ علیہ ملا علی قاری کے اس قول سے بے حد ناراض ہوئے۔ اور فرمایا

تعجب ہے کہ ملا علی قاری نے اس باب میں رسالہ لکھ مارا ہے اور اس میں تکلف کیا ہے اور وہ سجع و مقفیٰ عبارتیں لکھیں جو دل پر ناگوار گزریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ملا علی قاری کے سر میں سردی الکبر کر گئی تھی جس سے ان کی عقل میں خلل واقع ہو گیا تھا۔

علامہ سید محمد آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر روح المعانی زیر آیت **وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ** فرماتے ہیں۔

اور اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین ایمان پر تھے جیسا کہ اہل سنت کے بڑے بڑے آئمہ زیادہ اسی مسلک پر ہیں۔ اور میں ڈرتا ہوں کہ آپ کے والدینؓ کو کافر کہنے والا

کہیں خود کافر نہ ہو جائے جیسا کہ ملا علی قاری اور ان کے ہم خیال جو اس پر بضد ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۴۴)

شبہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اے کاش کہ مجھے خبر ہوتی کہ میرے والدین کس حال میں ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی **وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ** معلوم ہوا کہ آپ کے والدین جہنمی ہیں (معاذ اللہ)

جواب

یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے متعلق نازل نہیں ہوئی بلکہ کفار اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ چنانچہ خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں **ان المراد باصحب الجحیم کفار اہل الکتاب** (الحاوی للفتاویٰ جلد ۲ ص ۴۳۲)
نیز جحیم دوزخ کا سب سے زیادہ سخت مقام ہے تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے لئے کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے۔

شبہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے والدین کے لئے استغفار کیا تو جبرئیل امین نے آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا **لَا تَسْتَغْفِرْ لِمَنْ مَاتَ مُشْرِکًا** اس کے لئے استغفار مت کرو جو مشرک مرا ہے۔ یہ حدیث بے سند ہے۔ (دیکھو الحاوی للفتاویٰ جلد ۲ ص ۴۳۱)

شبہ

لیکن کے دو بیٹوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی والدہ کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا **امکما فی النار** تمہاری والدہ دوزخ میں ہیں وہ رونے لگے تو فرمایا **ان امی مع امکما** میری والدہ بھی تمہاری والدہ کے ساتھ ہیں۔

جواب

یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کسی کو کافر اور دوزخی ثابت کرنا مناسب نہیں ہے۔

الحمد للہ رب العلمین کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایمان کے متعلق مذکورہ بالا چند سطور اہل ایمان اور اہل ادب کے لئے کافی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ (الذکر الحسین ص ۱۴۵ سطر۱)

حضرت عبدالمطلبؓ کی کفالت

اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ اتنے صغر سنی میں ماں سے مفارقت آنحضرت صلعم کے لئے سخت ترین مصیبت ثابت ہوئی ہو گی۔ لیکن حضرت عبدالمطلب کی شفقت و درد مندی نے اس ودیعت و خداوندی کو نورؐ اپنے کنارۂ عاطفت میں اٹھا لیا اور کیونکر نہ اٹھاتے۔ جناب عبدالمطلبؓ اپنے جواں مرگ صاحبزادے عبداللہ کے بعد اس در یتیم کو ان کا نعم البدل جانتے تھے۔ اور جناب آمنہؓ کی حیات تک آپ کی پرورش و آرام رسانی کی طرف سے آپ کو ایک گونہ اطمینان حاصل تھا' ہاں ان کے انتقال کر جانے کے بعد باوجود اس کے کہ آپ کی عمر اسی (۸۰) برس کی ہو چکی تھی اعضاء و جوارح جواب دے چکے تھے متعدد جوان بیٹے اور ان کے جواں بال بچے بھی موجود تھے تمام گھر بھرا پڑا تھا۔ ممکن تھا کہ پیرانہ سالی کے عذر معقول کے باعث سے حضرت عبدالمطلبؓ یتیم عبداللہ روحی فداہ کی پرورش و پرداخت ان کے کسی چچا سے متعلق کر دیتے اور آپ آرام کرتے مگر نہیں اس ضعف و نقاہت کے عالم میں بھی آنحضرت صلعم کی تمام خدمات اپنے ذمہ لی گئیں جناب عبدالمطلبؓ کو ان کی پرورش و پرداخت میں بڑی آسانی اور سہولت مادر حضرت حمزہؓ کی جہت خاص سے حاصل ہوئی۔ جو حضرت آمنہ کی اپنی چچازاد بہن تھیں۔ اور ان دونوں خواتین باتمکین کی بیک وقت شادی ہوئی تھی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ان تمام قرائن و ذرائع پر غور کرنے کے بعد یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ پرورش و حفاظت جان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی مہتم بالشان خدمت ان تعلقات ظاہری سے زیادہ مشیت کے نظام حقیقی سے متعلق تھی۔

یہ مسلم ہے کہ حضرت عبدالمطلبؓ کو حضرت عبداللہ سے بمقابلہ اور فرزندوں کے مفرط درجہ کی محبت تھی

کیونکہ اصغر اولاد تھے اور فطرت انسانی کے اعتبار سے باپ کے سب سے زیادہ محبوب پھر ایسے محبوب ترین فرزند کا چشم و چراغ۔ ایسے پارہ جگر کا نام و نشان کیونکر تمام گھر سے زیادہ عزیز نہیں ہو سکتا ہے' اور پھر وہ بھی بذاتہ ایسا کہ اس کا دوسرا نعم البدل ممکن نہیں' باپ ولادت سے پہلے اٹھ چکا۔ ماں بچ گئی تھی وہ کل چھ برس کا چھوڑ کر گذر گئی۔ حقیقتاً یہ مصائب ایسے تھے جو بے واسطہ اور غیر سرو کاری اشخاص کو بھی ایسے یتیم بے ماں باپ کے بچہ کے ساتھ دلسوزی اور ہمدردی کی توجہ دلاتے ہیں۔ نہ یہ کہ صرف اس بزرگوار کو جو اپنی جان اور اپنے تمام خاندان سے اس کو زیادہ عزیز رکھتا ہو' ابن سعد نے اپنی ایک جملہ ان تمام مدعا کو تمام کر دیا ہے وہ یہ ہے۔

فلما توفیت قبضتہ الیہ جدہ عبد للمطلب و ضمہ و رق علیہ رقتہ لم یرق علیہا علی ولدہ و کان یقربہ منہ و یدنیہ و یدخل علیہ اذا خلا و اذانام

جناب آمنہ ؑ نے وفات پائی تو جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پرورش و پرداخت کے تمام امور حضرت عبدالمطلب ؑ سے متعلق ہوئے اور حضرت عبدالمطلب نے اپنے محاسن اشفاق کے وہ مسالک آپ کے ساتھ اختیار فرمائے جو اپنی کسی اولاد کے ساتھ بھی نہیں ظاہر فرمائے تھے تمام گھر والوں میں اس وقت قریب ترین و عزیز ترین یہی تھے خلوت و جلوت میں آپ کو برابر ساتھ رکھا کرتے تھے اور آپ کے ساتھ سویا کرتے تھے۔ (طبقات ص ۷۵)

عرب کی یہ قدیم تہذیب تھی کہ وہ کسی بزرگ خاندان کے برابر تعظیماً" کسی عام یا خاص مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے' اس قدیم آداب معاشرت کی خلاف ورزی کے اظہار پر اس کے عامل کو اس سے کہ وہ کسی مایہ یا پایہ کا کیوں نہ ہو۔ نہایت حقارت و نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے' اس قومی دستور و آداب کے وہ اس قدر پابند تھے کہ غیر ممیز اطفال تک کو بھی ان اقسام کی جرات کرتے ہوئے دیکھ کر چشم پوشی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس کو آداب مجلس و طریقہ نشست و برخاست بتلا دینے کی ضرورت سے فوراً متنبہ اور آگاہ اور کر دیتے تھے۔ ان کا یہ قدیم دستور ان کا یہ قومی آداب اقطاع عالم میں کم و بیش تمام قوموں کی تہذیب معاشرت میں آج تک داخل ہے۔

حضور ؐ حضرت عبدالمطلب کی کفالت میں

اس کے بعد ام ایمن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اٹھایا اور مکہ میں لے آئیں عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔ حضرت عبدالمطلب نے اس گرامی بیٹے کو اپنے گھر میں رکھا اور کماحقہ عزت و تکریم بجا لائے ان کی تربیت اور دیکھ بھال میں پوری طرح توجہ دی اور ہمیشہ تمام بنی عبدمناف کے اشراف میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کا تذکرہ واشگاف الفاظ میں بیان کرتے اور کہتے کہ اس فرزند ارجمند کی ذات عالی صفات میں صباحت قریش ' ملاحت یثرب اور فصاحت بنی سعد جمع ہو گئی ہے۔ نظم:

ہرچہ در وصف کمالش بزباں آور دند   قطرۂ داں کہ ز دریا بکراں آور دند

ہیچ پیرے نشنیدست بعہد عمر دراز   ایں خبرہا کہ ازیں طرفہ جواں آور دند

حسن خلقش نگرو خوبی روتا بینی   کہ ملائک خبر از حور نشاں آور دند

کویش آرا مگہ ماست کہ از عالم قدس   گو نما خلد بریں را بجہاں آور دند

حضرت عبدالمطلب حضورؐ کے مشفق تھے

روایت ہے کہ حضرت عبدالمطلب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ اپنے کسی بھی فرزند کے ساتھ اس قسم کی محبت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ سے ملے بغیر سفر نہ کرتے اور ہمیشہ ان کو ذکر خیر میں دوسروں پر ترجیح دیتے۔

حضرت عبدالمطلب کے حجرہ میں اس کی ایک خاص نشست گاہ تھی۔ اس کے بغیر کوئی شخص اس مسند پر نہیں بیٹھتا تھا' شرفائے قریش کو اس نشست گاہ کے ارد گرد بٹھاتے حضرت عبدالمطلب کی اولاد اس مسند کو اس کے ساتھ ہی مخصوص رکھتی چنانچہ کسی شخص میں یہ قدرت و جرأت نہیں تھی کہ اس مسند کے قریب قدم رکھ سکے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس محفل میں تشریف لاتے' رگ ہاشمی کی عظمت و جلالت سے' حضرت عبدالمطلب کے بساط دولت اور تخت اقبال پر فی الفور بیٹھ جاتے اور حضرت عبدالمطلب کے بیٹے اور بزرگان قریش حضرت عبدالمطلب کے احترام کی وجہ سے اس نشست گاہ کو عزیز رکھتے تھے اور بعض اوقات وہاں بیٹھنے سے منع کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب انہیں آواز دیتے اور کہتے **دعوا ابنی لو اللہ ان لہ شانا عظیما** میرے بیٹے کو اس مسند پر بیٹھنے دو۔ خدا کی قسم! اس کا نفس ایک شرف محسوس کرتا ہے جو اس مسند پر بیٹھنے کا تقاضا کرتا ہے میں دیکھتا ہوں کہ اس کی بزرگی کے بہت سے نشانات ہیں اور عنقریب وہ تمہارا سردار ہو گا۔ یہ نور جو میں اس کی پیشانی میں دیکھتا ہوں ایسے شخص کا نور ہے جسے لوگوں کی سرداری اور سرداری کے لئے پیدا کیا گیا ہے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میرا یہ فرزند بہت بڑے ملک کا مالک ہو گا۔ اور خدا تعالیٰ کا اس کے ساتھ ایسا راز ہے جو کسی کے ساتھ نہیں' ہمیشہ آپ کے سر پر دست شفقت رکھتے اور آپ کی حرکات و سکنات اور خصائل سے خوش ہوتے تھے۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبدالمطلب کی مسند پر مربع صورت میں تشریف فرما تھے اور اکثر و بیشتر قریش حرم کے گرد و نواح میں موجود تھے حضرت عبدالمطلب نے سب کو یہ حال دکھایا اور کہا'

دیکھو! سلطنت و وجاہات کے آثار آپ کی حرکات و سکنات سے کس طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ (معارج النبوت جلد ۲ ص ۴۰ سطر آخر)

فی المہد ینطق عن سعادة جدہ — اثر النجابة ساطع البرہان
ہر آنکس کہ فر بزرگی در وست — زپاکی طینت خصائش نکوست
بادر نگ شاہی گذار آمدش — ہر آن کو بزرگی بتار آمدش
نہال جوانی برومند دید — کہ شدہ میوۂ بہارش پدید
تواند ہر آنکو شہنشہ وش ست — بخردی بجائے بزرگان نشست
ہر آن طفل کز عقل شد رو براہ — بجائے بزرگان زند تکیہ گاہ
چہ طفل کہ عالم طفیل وے ست — جہان در جہان جملہ خیل دے ست
در آئینہ ذات او عقل و حس — چو جام جہان بین در منعکس
لب شہ نشانان زمین بوس اوست — بہفتم فلک نعرۂ کوس اوست
کجا عقل و حس بلکہ انوار ذات — در آئینہ او نماید صفات

(معارج النبوت جلد ۲ ص ۱۳۲ سطر ۱)

حضرت عبدالمطلب کی سیف کو مبارکباد

ابن کلبی سے مروی ہے کہ جب سیف بن ذی یزن ارض یمن کا مالک بنا اور حبشیوں کو ہلاک و تہ تیغ کیا تو اشراف قریش اور روساء عرب اس کو ظفر اور فتح مندی کی تہنیت اور مبارکباد دینے کے لئے اس کے پاس یمن پہنچے۔ وفد قریش میں پانچ علماء اور رؤساء تھے' حضرت عبدالمطلب بن ہاشم' امیہ بن عبد شمس' عبداللہ بن جدعان' خویلد بن سوید اور وہب بن عبدمناف بن زہرہ چلتے چلتے جب صنعاء میں پہنچے تو سیف بن ذی یزین بھی وہیں قصر غمدان میں قیام پذیر تھا اور یہ قصران قصور و محلات میں سے تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے بلقیس کے لئے تیار کئے تھے۔ حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے وہیں اونٹوں کو بٹھایا اور سیف کے دربار میں حاضری کی اجازت ملنے کے بعد داخل ہوئے۔

قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ سنہری تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے اردگرد اشراف و رؤساء یمن سنہری کرسیوں پر بیٹھے ہیں اس نے عنبر سے اپنے جسم کو معنبر کیا ہوا تھا اور کستوری کی خوشبو اس کی مانگ سے مہک رہی تھی' سب نے اس کو تحیہ و سلام دیا اور شاہی آداب بجا لائے ان کے لئے سنہری کرسیاں بچھائی گئیں اور سوائے حضرت عبدالمطلب کے باقی سب بیٹھ گئے۔ آپ سیف کے سامنے کھڑے رہے اور کچھ کہنے کی

اجازت طلب کی۔ آپ سے کہا گیا۔ اگر بادشاہوں کے سامنے کلام کرنے کے آداب اور طریقے آتے ہیں تو کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

تو آپ نے فرمایا: اے بادشاہ اللہ تعالٰی نے تجھے رفیع الشان محل اور بلند بام مقام میں محل کرامت و عزت پر متمکن فرمایا ہے اور تجھ ایسے نونہال کو ایسی بنیاد پر قائم فرمایا جو بہت ہی پاکیزہ ہے اور بڑی عزت و عظمت والی ہے اصل اس کا ثابت وراسخ ہے اور شاخیں اس کی خوب بلند اور پھیلی ہوئی ہیں۔ اس نونہال کا محل نزس اور ولادت بہت پاکیزہ ہے اور زمین پیدائش بڑی زرخیز ہے۔

اے بادشاہ تو اہل عرب کی وہ بہار ہے جس کی طرف وہ وقت خزاں میں پناہ پکڑنے والے ہیں اور ان کے لئے وہ شیریں آب حیات ہے جس کی طرف لوگ پیاس بجھانے کے لئے رجوع کرتے ہیں۔ تیرے اسلاف سب اسلاف سے بہتر اور تو ان میں سے ہمارے لئے سب سے اچھا خلف اور قائم مقام ہے جن کا خلف تجھ جیسا نامور شخص ہو' وہ اسلاف ہرگز نہیں مر سکتے اور جن کا سلف تیرے جیسا باکمال ہو وہ گوشہ خمول و گمنامی میں نہیں رہ سکے۔

اے بادشاہ! ہم اہل حرم ہیں اور بیت اللہ کے مجاور و خدام۔ ہمیں تیری طرف وہ فرحت و مسرت لے آئی ہے' جو ان شدائد و مصائب کے دور ہونے سے حاصل ہوئی جنہوں نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی تھی مگر ہم محض تہنیت و ہدیہ تبریک دینے والا وفد ہیں' تجھے اپنے مصائب و مشکلات سنا کر پریشانی میں ڈالنے والا وفد نہیں ہیں۔

سیف بن ذی یزن نے کہا تم وادی بطحا والے قریش ہو انہوں نے فرمایا ہاں۔ تو اس نے مرحبا و خوش آمدید کہا۔ اور کہا تم اپنے گھر میں آئے ہو۔ یہاں کی سواریاں اور ساز و سامان تمہارا ہے۔ زمین ہی نرم نہیں اس کے باسی بھی نرم دل اور نیک خصلت ہیں۔ شہنشاہ بڑا سخی ہے اور عظیم و کثیر عطیات دینے کا عادی ہے۔ میں نے تمہاری بات سنی اور تمہاری فضیلت و برتری کا اندازہ لگایا۔ تم شرافت و عزت کے حامل ہو اور تعریف و تکریم کے لائق جب تک یہاں قیام کرو تمہیں عزت و اکرام سے مہمان بنایا جائے گا اور جب واپسی ہوگی تو عظیم و جزیل عطیات پیش کئے جائیں گے۔

پھر روئے سخن حضرت عبدالمطلب کی طرف کرتے ہوئے کہا تم اپنا خصوصی تعارف کراؤ۔ فرمایا میں عبدالمطلب بن ہاشم ہوں۔ وہ پکار اٹھا میں تو خود تم سے ملنے کا ارادہ رکھتا تھا اور تمہاری ملاقات کے لئے بے قرار تھا کیونکہ تم تو خلق خدا کی ربیع و بہار ہو اور اقوام و قبائل کے سردار' اب مہمان خانہ میں آرام کرو' میں پھر کسی وقت تمہیں بلاؤں گا۔

پھر ان کے متعلق خدام کو حکم دیا کہ انہیں عزت و تکریم کے ساتھ بٹھاؤ اور آرام کا انتظام کرو' یہ وفد ایک ماہ تک وہاں رہا مگر سیف بن ذی یزن نے ان کو کبھی دربار میں نہ بلایا' ایک صبح سو کر اٹھا تو حضرت

عبدالمطلب کے پاس آدمی بھیجا کہ تم اکیلے میرے پاس آؤ۔ جب آپ پہنچے تو وہ بھی تنہائی میں بیٹھا ہوا تھا دوسرا شخص اس کے پاس موجود نہ تھا۔ کہنے لگا اے عبدالمطلب میں اپنے علمی اسرار سے ایک بھید اور راز تم پر ظاہر کرتا ہوں' اگر کوئی دوسرا شخص تمہاری جگہ ہوتا تو کبھی یہ راز اس پر آشکارا نہ کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ تم رازداں ہو اور ایسے اسرار و رموز کے معدن' یہ راز پوشیدہ رہنا چاہئے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کے اظہار میں اپنی قدرت کاملہ کو بروئے کار لائے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو پورا فرمائے گا اس امر کو انتہا تک پہنچائے گا۔ حضرت عبدالمطلب بولے اللہ تعالیٰ آپ کی صحیح رہنمائی فرمائے۔ فرمایئے وہ کونسا بھید اور راز ہے۔

سیف بن ذی یزن نے کہا ہماری کتابیں جو یقیناً سچی ہیں اور وحی آسمانی اور علوم قدیمہ پر محیط و مشتمل ہیں جن کو ہم نے اپنے لئے مخصوص کیا ہوا ہے اور دوسروں سے انہیں پوشیدہ رکھتے ہیں' ان کتابوں میں اور علوم سابقہ میں ہمیں ایک عظیم خبر ہے اور بہت بڑی عزت و عظمت کا پتہ چلتا ہے جو زندگی کے لئے سرمایہ شرف و فضل ہے اور موت کے لئے سرمایہ افتخار و اعتزاز بالعموم سب عرب اور تمہارے سارے قبیلہ کے لئے بالخصوص تمہارے لئے۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا اے بادشاہ پھر تو میں بہت بڑے تحفہ و ہدیہ کے ساتھ لوٹوں گا اتنا عظیم تحفہ کہ کوئی زائر بھی اس سے مشرف نہ ہو سکے گا۔ اگر بادشاہ کی ہیبت شاہی اور اس کی عظمت و رفعت کا احساس نہ ہوتا تو میں ضرور مطالبہ کرتا کہ ذرا اس اجمال کو صورت تفصیل دے کر میری مسرت و فرحت میں اضافہ فرمائیں۔

سیف بن ذی یزن نے کہا تمہاری اولاد میں سے ایک نبی مبعوث ہوں گے اور تمہارے قبیلہ سے ایک رسول ظہور فرما ہوں گے۔ نام نامی ان کا احمد و محمد ہو گا۔ اسی زمانہ میں ان کی ولادت ہو گی اور ممکن ہے کہ پیدا ہو چکے ہوں۔

ان کے والدین بالکل آغاز عمر میں داغ مفارقت دے جائیں گے اور ان کے دادا جان پھر چچا جان ان کی کفالت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو علانیہ مبعوث فرمائے گا اور ہم میں سے ان کے انصار و خدام پیدا فرمائے گا۔ ان کے معاون و مددگار عزت پائیں گے۔ اور بد اندیش دشمن ذلت و رسوائی کا شکار ہوں۔ ان کے وقت ولادت میں آتش پرستوں کا معبود یعنی آتش سرد ہو جائے گی۔ وہ لات و منات اور دیگر اوثان و اصنام کو توڑ دیں گے کفر و شرک اور عصیان و طغیان کو روک دیں گے اور صرف واحد منان کی عبادت کی جائے گی۔ ان کا قول و امر واضح و مبین ہو گا۔ ان کا حکم سراسر عدل و انصاف ہو گا۔ معروف و خیر کا حکم دیں گے اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہوں گے منکر اور بدی سے روکیں گے اور اپنے گرد و دامن سے بھی اس کو دور رکھیں گے۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا تمہارا رتبہ بلند ہو' فضل و احسان دائم ہو' عمر دراز ہو کیا آپ مجھے مزید تفصیل و توضیح اور کشف و اظہار سے خوشی کا موقع بہم پہنچائیں گے؟

سیف نے کہا حجاب اور پردہ میں محجوب مستور خانہ خدا کی قسم اور آیات و کتب الٰہیہ کی قسم تم اسی نبی کے دادا جان ہو اور اس امر میں غلطی اور خلاف واقعہ ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

یہ سنا تھا کہ حضرت عبدالمطلب بارگاہ خداوندی میں سجدۂ شکر بجالانے کے لئے جھک گئے۔

سیف نے کہا حضرت سر اٹھایئے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو ٹھنڈا رکھے اور عمر دراز کرے اور شان و مرتبت میں بلندی عطا فرمائے کیا ان علامات میں سے کسی کو تم نے محسوس کر لیا ہے جو میں نے تمہارے سامنے بیان کی ہیں۔

حضرت عبدالمطلب نے فرمایا ہاں میرا ایک نور نظر تھا جس کے ساتھ مجھے بڑی محبت تھی۔ میں نے اپنی قوم میں سے ایک بڑی باعزت خاتون کے ساتھ ان کی شادی کی جن کو آمنہ بنت وہب کہا جاتا تھا۔ ان سے ایک فرزند دلبند متولد ہوا۔ جن کا نام میں نے محمد و احمد رکھا۔ ان کے والدین فوت ہو چکے ہیں اور ان کا کفیل میں ہوں یا ان کا چچا۔

ذی یزان نے کہا میں جو راز تیرے سامنے افشا کر رہا تھا وہ اس راز کی تفصیل و تعبیر ہیں' ان کا خاص خیال رکھنا اور ان کے دشمنوں سے پر حذر رہنا' اگرچہ اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو اپنے برے عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دیگا' اگر مجھے اس امر کا یقین نہ ہوتا کہ موت کا مضبوط ہاتھ ان کے دعویٰ نبوت سے قبل ہی میرے گل وجود کو دار فانی سے اکھاڑ پھینکے گا تو میں اپنے سواروں اور پیادوں سمیت ان کے دار ہجرت یثرب (مدینہ منورہ) میں جاگزیں ہو جاتا اور اسی کو اپنا دار السلطنت بنا لیتا کیونکہ مجھے اپنے آباؤ اجداد کی کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا امر نبوت وہیں جا کر پایہ تکمیل کو پہنچے گا اور وہی لوگ ان کی دعوت کو قبول کریں گے اور خدمت و نصرت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے اور اسی شہر میں ان کا مزار پر انوار ہو گا۔

اور اگر میری معلومات کے مطابق ان کا غایات و نہایات مراتب تک وصول یقینی نہ ہوتا اور مجھے اگر ان کو آفات سے محفوظ رکھنے اور عاہات و مکروہات سے دور رکھنے کا خیال نہ ہوتا تو ان کا نام ظاہر کر دیتا اور تمام عرب کو ان کے نقش قدم پر چلا دیتا اور اگر میں ان کے زمانہ ظہور و خروج تک زندہ رہا تو میں سب امور سلطنت و حکومت ان کے حوالے کر دوں گا اور لوگوں کو ان کی رعایا بنا دوں گا۔

اس کے بعد کو مع اپنے ہمراہیوں کے واپس جانے کی اجازت دی۔ اس وفد کے ہر رکن کو دو دو سو اونٹ' دس دس حبشی غلام اور دس دس رطل (تقریباً" پونڈ) سونا اور دو دو حلے یعنی چادروں کے عطا کئے۔ اور حضرت عبدالمطلب کو باقی صاحبان کا مجموعہ بطور ہدیہ و نذرانہ پیش کیا اور کہا اے عبدالمطلب جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوان ہو جائیں اور اچھے مضبوط و توانا تو مجھے ان کی حالت و کیفیت سے باخبر کرنا۔ پھر

اہل وفد نے سیف بن یزن سے الوداعی سلام کیا اور مکہ مکرمہ کی طرف لوٹے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے رفقاء سفر سے فرمایا کہ شاہ یمن نے مجھے تمہاری نسبت جس عزت و کرامت سے نوازا ہے وہ اگرچہ جزیل و عظیم ہے اور جس فضل و احسان سے مشرف فرمایا وہ اگرچہ کثیر ہے لیکن تمہارے لئے یہ امر قابل رشک نہیں بلکہ قابل رشک وہ امر ہے جو اس نے بوقت سرگوشی مجھے بتایا جس میں مجھے اور میری اولاد کو حاصل ہونے والے عظیم سرمایہ فخر و مباہات کی اطلاع دی ہے انہوں نے کہا بتلاؤ تو سہی کونسی ایسی بات ہے۔ فرمایا۔ تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا۔

سیف بن ذی یزن چند سال یمن پر حکمران رہا۔ ایک دن وہ حسب معمول شکار کے لئے نکلا اور اس نے حبشیوں کا ایک ایسا جتھا تیار کیا ہوا تھا جو نیزے لے کر اس کے آگے آگے چلتے تھے اور اس دن مڑ کر انہوں نے سیف پر حملہ کر دیا اور اس کو قتل کر دیا۔ جب کسریٰ نوشیرواں کو حادثۂ فاجعہ کی اطلاع پہنچی تو ہرمز کو ان کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمان جاری کیا کہ جو حبشی ملے اس کو قتل کر دیا جائے۔ (الوفا ص ۱۵۷ سطر ۵)

آنحضرتؐ اپنے دادا کے جس کام کو اپنے ذمہ لیتے وہ پورا ہوتا

بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں ابن سعد نے اور ابو یعلی، طبرانی ابن عدی اور حاکم نے روایت کر کے صحیح کہا ہے اور بیہقیؒ، ابو نعیم اور ابن مندہ نے کندیر بن سعید کی سند سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی کہ زمانہ جاہلیت میں زیارت بیت اللہ کو میرا جانا ہوا، میں نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا جو یہ پڑھ رہا تھا۔

ردالی راکبی محمدا　　　　یا رب رده و اصطنع عندی یدا

اے میرے رب! مجھ پر سواری کرنے والے محمد کو مجھے لوٹا دے۔ اے میرے رب اسے پلٹا دے اور میرے ہاتھ مضبوط کر دے۔

میں نے دریافت کیا یہ کون شخص ہے جو مناجات کر رہا ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ عبدالمطلب ہیں۔ انہوں نے اپنے فرزند (محمدؐ) کی تلاش شتر کے لئے بھیجا ہے اور وہ عبدالمطلب کے جس کام کی انجام دہی کے لئے جاتے ہیں اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس وقت ان کو واپسی میں کچھ دیر ہو گئی ہے جس کی وجہ سے وہ دعا کر رہے ہیں۔ اس بات کو زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ حضورؐ اونٹ لے کر آ گئے۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۱۹۳ سطر ۱۰)

بیہقی اور ابن عدی نے بہز بن حکیم سے روایت کی کہ (میرے جد امجد) حیدہ نے عہد جاہلیت میں عمرہ کیا۔

انہوں نے ایک بوڑھے شخص کو طواف کے دوران یہ دعا کرتے سنا۔

"یا رب ردہ و اصطنع عندی یدا   ردالی راکبی محمدا"

میں نے دریافت کیا۔ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے بتایا۔ یہ سردار قریش عبدالمطلب ہیں' ان کے بہت سے اونٹ ہیں' جب ان میں سے کوئی گم ہو جاتا ہے تو اپنے بیٹے کو بازیابی کے لئے بھیجتے ہیں اور جب بیٹے تلاش میں ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر اپنے پوتے کو روانہ کرتے ہیں' اس وقت انہوں نے اپنے پوتے کو روانہ کیا ہوا ہے' کیونکہ ان کے بیٹے اونٹ کی تلاش میں ناکام ہو چکے تھے' اس گفتگو کو کچھ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ لے کر آ گئے۔ (ص ۱۸۳ سطر ۱)

عبدالمطلب کو معرفت رسولؐ اللہ حاصل تھی

ابن اسحاق' بیہقی اور ابو نعیم نے اپنی سند سے روایت کی کہ ہم سے عبداللہ بن عباس بن معبد نے اور ان سے ان کے بعض گھر والوں نے حدیث بیان کی کہ' عبدالمطلب کے لئے سایہ خانہ کعبہ میں مسند لگائی جاتی اور مسند پر کوئی بھی ان کی اولاد میں سے نہ بیٹھتا مگر جب رسولؐ اللہ تشریف لاتے تو آپ اسی مسند پر بیٹھ جاتے۔ کوئی چچا جب یہ دیکھ لیتا اور حضورؐ کو مسند سے ہٹنے کے لئے کہتا تو پھر عبدالمطلب فرماتے۔ "میرے بیٹے سے کچھ نہ کہو۔" پھر آپؐ کی پشت پر شفقت اور پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے:

"بلاشبہ میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہے۔"

جب عبدالمطلب کی وفات ہوئی تو حضورؐ آٹھ سال کے تھے۔ عبدالمطلب نے وفات سے پہلے حضورؐ کے لئے ابو طالب کو وصیت کر دی تھی۔ اس بنا پر بعض ارباب علم و فضل یہ استدلال کرتے ہیں کہ عبدالمطلب کو اپنے نبیرۂ محترم کی ان خصوصیات سے منجانب اللہ آگہی حاصل تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں ودیعت فرمادی تھیں۔

ابو نعیم نے بہ طریق عطاء حضرت ابن عباسؓ سے اسی کے مانند روایت کی۔ البتہ اس میں اس قدر زیادہ ہے کہ "میرے بیٹے کو چھوڑ دو کہ وہ مسند پر بیٹھا رہے وہ اپنی ذات کے بارے میں شعور اور معرفت رکھتا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ ایسے مرتبہ اعلیٰ پر پہنچے گا کہ نہ اس سے پہلے کوئی پہنچا نہ بعد میں پہنچ سکے گا۔"

(خصائص کبریٰ جلد ۲ ص ۱۸۳ سطر ۱۰)

ابن سعد اور ابن عساکر نے زہری' مجاہد اور نافع بن جبیر سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسند عبدالمطلب پر بیٹھ جایا کرتے' کوئی چچا آتا اور آپؐ سے ہٹ جانے کو کہتا' تو عبدالمطلب فرماتے "میرے بیٹے کو کچھ نہ کہو کیوں کہ اس میں شاہانہ صفات ہیں۔"

بنی مدلج نے عبدالمطلب سے کہا۔ "آپ محمدؐ کی حفاظت کیجئے کیونکہ ہم نے حضرت ابراہیمؑ کے نشان قدم کے مشابہ (جو مقام ابراہیم میں ہے) کسی کا قدم نہیں دیکھا۔ مگر محمدؐ کا نشان قدم اس سے بہت مشابہ ہے۔"
حضرت عبدالمطلب نے ام ایمن سے فرمایا: "اے کنیز! اس فرزند سے بے پروا نہ ہونا' اس لئے کہ اہل کتاب میرے اس بیٹے کو نبی بتاتے ہیں۔"
ابو نعیم نے واقدی کی سند کے ساتھ ان کے مشائخ سے روایت کی کہ' ہم ایک روز حجر اسود کے قریب عبدالمطلب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور نجران کا پادری جو ان کا دوست تھا ان سے باتیں کر رہا تھا کہ ہم ایک نبی کی خبر پاتے ہیں جو بنی اسمٰعیل سے ہو گا یہ شہر مکہ اس کی ولادت گاہ اور اس کی یہ اور علامات ہیں۔ اتفاقاً" اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ پادری نے آپ کی آنکھوں' پشت اقدس اور قدم شریف کو بغور دیکھا' اور کہنے لگا۔ وہ نبی یہی ہیں۔ اس نے پوچھا' آپ کا ان سے کیا رشتہ ہے؟
انہوں نے جواب دیا: "یہ میرا فرزند ہے۔"
پادری نے کہا: "نہیں ان کے بارے میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس نبی کے والد حیات نہ رہیں گے۔"
عبدالمطلب نے کہا: "دراصل یہ میرا پوتا ہے اور اس کے باپ نے اس وقت وفات پائی جب کہ یہ حمل میں تھے۔" پادری نے کہا۔ آپ نے سچ فرمایا۔ اس کے بعد عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو آپؐ کی حفاظت کے لئے ہدایت کی۔
بیہقی' ابو نعیم اور ابن عساکر نے عفیر بن زرعہ کی سند سے روایت کی کہ جب سیف بن ذی یزن کا تسلط حبشہ پر ہوا' (یہ واقعہ آنحضورؐ کی ولادت کے دو سال بعد ہوا تھا) تو عرب کے وفود اسے مبارک باد دینے آئے جن میں قریش کے وفد کے سربراہ عبدالمطلب بھی تھے' ان سے سیف نے کہا "اے عبدالمطلب! میں اسرار علمی کی ایک بات تم سے بیان کرتا ہوں' اس کا تعلق تم سے بھی ہے' جو اس کے وجود کا تعلق ہے مگر میرا بیان اس شرط پر ہو گا کہ آپ اسے بدون حکم خداوندی کسی پر ہرگز ظاہر نہ کریں گے۔ اس میں کچھ لوگوں کے لئے خیر اور کچھ کے لئے خطرہ ہے۔ اس میں دنیا کی فلاح اور آخرت کی نجات ہے اور جس کے اثرات کا دائرہ وسیع ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے پوچھا: "ایسی کونسی بات ہے؟"
سیف نے کہا: "اس زمانہ میں تہامہ کی سرزمین پر ایک بچہ پیدا ہوا ہے جس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک دائرہ ہے' اس فرزند جلیل کو شرف امانت و ہدایت حاصل ہے اور تم سب اور ساری نوع انسانی کے لئے اس کی پیشوائی اور ہدایت قیامت تک کے لئے مخصوص ہے۔ اس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا یہی وہ زمانہ ہے جس میں اس کو پیدا ہونا ہے یا وہ پیدا ہو چکا ہے۔ نام اس کا محمد ہے۔ اس کے والدین

فوت ہو جائیں گے اور اس کے دادا اور اس کے چچا کفالت کریں گے' اس کا حکم غالب ہو کر رہے گا اور ہم میں سے اس کے لئے مددگار پیدا کرے گا۔ اس کے ذریعہ دشمن' دوست بنیں گے اور سچائی کے مخالفوں کو ذلیل و خوار کر دیں گے' ہلاکت کے گہرے غاروں سے لوٹ کر لوگ سلامتی کی راہ پر گامزن ہوں گے' ان کے لئے مادی وسائل فراہم کرنا آسان ہو گا وہ زمین کے خزانوں سے اپنے ارادہ کی قوت باہر نکال لیں گے۔ وہ صرف رحمان کی عبادت کریں گے اور طاغوت کی قوت اور سرکشی کو توڑ دیں گے' آتش کدے سرد اور بت کدے تباہ ہوں گے' اسکے عدل اور انصاف گستری کا انعام خویش و بیگانہ سب کو پانی' ہوا اور سورج کی شعاعوں کی طرح یکساں ملے گا' اے عبدالمطلب! تم اس کے دادا ہو' یہ بات جھوٹ نہیں ہے' تو اے خوش قسمت بوڑھے سردار! اور پاسبان حرم! تو کیا تم نے سمجھ لیا جو میں کہہ رہا تھا؟"

انہوں نے کہا: "ہاں اے واقف حال بادشاہ! میں نے اپنے محبوب ترین فرزند کا نکاح ایک شریف خاندان' شریف خصلت زہری خاتون سے کیا ہے جس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمد رکھا گیا۔ بچہ کے والدین وفات پا گئے لہٰذا میں اور اس کا چچا اب اس کے کفیل ہیں۔"

سیف نے کہا: "میری باتوں کو یاد رکھنا' بچہ کو یہودیوں سے محفوظ رکھنا کیونکہ وہ اس کے دشمن ہیں' اگرچہ ان کی رسائی بچہ تک نہیں ہو گی۔ بلاشبہ میرے زمانہ اقتدار میں وہ مبعوث ہو جاتے تو میں سوار اور پیادوں سے ان کی مدد کرتا۔"

ابو نعیم' فرائطی اور ابن عساکر نے بہ طریق کلبی ابو صالح سے' انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے جو مندرجہ بالا حدیث ہی کے مطابق ہے۔

واقدی اور ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن کعب سے روایت کی کہ مجھ سے میری قوم کے بزرگوں نے ذکر کیا کہ ایک مرتبہ عبدالمطلب کی حیات میں ہم اپنے علاقہ سے عمرہ کے لئے روانہ ہوئے' جحا کا ایک یہودی بغرض کاروبار تجارت ہمارے ساتھ ہو گیا۔ مکہ پہنچ کر اس نے عبدالمطلب کو دیکھا تو اس نے کہا کتب سماوی میں ہے کہ اس شخص کی نسل سے ایک نبی پیدا ہو گا جو ہماری قوم کو عاد کی طرح قتل کرے گا۔

ابن سعد نے ابو حازم سے روایت کی کہ ایک کاہن مکہ آیا۔ اس نے حضورؐ کو عبدالمطلب کے ہمراہ دیکھ کر کہا "اے قریش! اس بچہ کو مار ڈالو' یہ تمہارے طریقوں کو ختم کرے گا اور تمہاری مزاحمت بے سود اور بے نتیجہ رہے گی۔" (خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۷۰ سطر ۳)

قدیم آئین تعظیم سے رسولؐ خدا کا استثنا

جناب عبدالمطلب نے اپنے جگر گوشہ یتیم عبداللہ کو اس قیود سے بالکل مستثنیٰ فرما دیا۔ ذیل کا واقعہ اس کا

شاہد ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے۔
جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے جد بزرگوار حضرت عبدالمطلب کی کفالت میں تھے۔ ایک بار ایک قومی مجلس کی ترتیب دی گئی تھی اور وزیر کعبہ مشرفہ عبدالمطلبؑ کے لئے جو اس زمانہ میں امیر مکہ اور متولی خانہ کعبہ تھے ایک فرش خاص بچھایا گیا تھا۔ اور آپ کی تمام اولاد و فرزندان اپنے اعزازی مراتب و مناصب کے لحاظ سے اس فرش کے دور میں چاروں طرف بیٹھے تھے اور صدر میں حضرت عبدالمطلبؑ کے لئے خاص جگہ چھوٹی تھی اور ان کی ذاتی عظمت کے اعتبار سے آپ کے خاص فرزندوں میں سے بھی کوئی صاحب اس مقام خاص پر بیٹھنے کے مجاز نہیں تھے۔ حسن اتفاق سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ اس وقت تک کم سن بچے تھے۔ تشریف لاتے ہی سیدھے اپنے جد بزرگوار کے مقام پر جا بیٹھے۔ آپ کے چچاؤں نے اٹھ کر آپ کو تھام لیا' اور بائیں میں اپنے پاس بٹھالینا چاہا۔ اسی اثناء میں حضرت عبدالمطلبؑ آگئے اور یہ کیفیت دیکھ کر اپنے بیٹوں سے کہنے لگے کہ میرے فرزند کو کیوں روکتے ہو۔ چھوڑ دو خدا کی قسم اس کے لئے ایک شان خاص ہے۔ یہ کہہ کر آپ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر اپنے مقام پر بیٹھ گئے اور ان کی پشت مبارک پر اپنا دست شفقت پھیرنے لگے۔ اور جو دلشکنی آپ کی ہوئی تھی اس کی نسبت تشفی اور دلجوئی فرمائی۔ (سیرت ابن ہشام ص ۵۷)
ظاہر میں تو اس واقعہ سے حضرت عبدالمطلب کے انتہائی اشفاق ظاہر ہوتے ہیں موجودہ سلسلہ بیان کا اصلی مدعا ہے مگر حقیقت میں یہ واقعہ نظام قدرت کی طرف سے مراتب رسالت کی معرفت کا مقدمہ ہے۔

دعائے استسقا میں رسول صلعم کی شرکت

ہم اپنے سلسلہ بیان میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بالترتیب و تفصیل وہ تمام واقعات لکھیں گے جو حضرت عبدالمطلبؑ کے زمانہ حیات میں واقع ہوئے اسی سلسلہ میں دعائے استسقا کا بھی ایک واقعہ ہے جس میں جناب رسول خدا صلعم کی برکت شرکت معلوم ہوتی ہے۔ ہم اس کو ابن سعد کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔
رقیقہ بن ابی صیفی بن ہاشم بن عبد مناف کا بیان ہے کہ ایک بار مکہ میں متواتر کئی برسوں تک قحط پڑتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگوں کے مال و اسباب تلف ہو گئے اور ہلاکت خیز جانوں کے جانے کی نوبت آئی۔ انہیں ایام میں میں نے ایک شخص کو خواب میں یہ کہتے سنا کہ اے قوم قریش نبیؐ زمانہ تو پیدا ہو چکا اور اس کے ظہور کا وقت بھی قریب پہنچ گیا جس کی برکت سے تمہیں فراغت و خوشحالی نصیب ہو گی۔ تم لوگ ایک ایسے شخص کو تلاش کرو جو تم میں شریف النسل ہو اس کے بدن کی ہڈیاں لمبی ہوں جس کی جلد بدن پر دہائے

چشم کے پاس چمکدار ہو جس کے آگے سر کے بال کم ہو گئے ہوں دونوں رخسار ہموار ہوں اور بھویں قریباً جتی ہوں اور دونوں ابرو تک ناک باریک ہو۔ ایسے آدمی سے کہو کہ اپنی تمام اولاد اور احفاد کو ساتھ لے کر باہر نکلے اور تم میں سے بھی ہر قبیلہ اور ہر عشیرہ کا ایک ایک آدمی اس کے ساتھ ہو پہلے تم لوگ غسل کرو' پاک و پاکیزہ ہو' خوشبو لگاؤ اور رکن کعبہ کا استیلام بجا لاؤ۔ اس کے بعد کوہ ابو قیس کی چوٹی پر چڑھ جاؤ' اور اس شخص کو اپنا پیشوا بناؤ' اور اس سے کہو کہ پانی برسنے کی دعا کرے۔ یقین رکھو کہ اسی تدبیر سے تم لوگ ضرور سیراب ہو گے رقیقہ کا بیان ہے کہ صبح کو اٹھ کر میں نے اپنا خواب بیان کیا سب نے مل کر اس پر غور کیا۔ اور پھر تلاش و فکر کے بعد حضرت عبدالمطلبؑ کو ان صفات سے موصوف پایا۔ تمام قبائل و عشائر کے لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے۔ صورت حال عرض کی۔ یہ فوراً مستعد ہو گئے۔ پھر تمام لوگوں نے مل کر مراسم و لوازم مذکورہ انجام دیئے اور حضرت عبدالمطلبؑ کو ان کی تمام اولاد و احفاد کے ساتھ لے کر کوہ ابو قیس کی سب سے اونچی چوٹی پر چڑھ گئے اور انہیں بزرگواروں کے ساتھ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تھے۔ اور آپ اس وقت کمسن تھے۔ جماعت موجودہ کی اقتدا حضرت عبدالمطلبؑ نے کی اور دعائے استسقا ان الفاظ میں ادا فرمائی۔ الٰہی یہ جماعت کی جماعت تیرے بندے ہیں۔ اور تیرے بندوں کی عیال تیری کنیزیں ہیں اور تیری کنیزوں کی اولاد۔ جو مصیبت ہم پر لوگوں پر پڑی وہ تجھ پر ظاہر ہے ہم لوگوں پر گذشتہ کئی برسوں سے آفت پر آفت ہے اور تباہی و پریشانی اور اب تو ان کی جان پر آبنی ہے۔ الٰہی اب اس مصیبت کو ہم پر سے اٹھا لے اور ہم کو خوشحالی اور وسعت رزق عطا فرما۔ رقیقہ کا بیان ہے کہ قوم قریش کو کچھ نہیں نصیب ہوا تھا۔ تاوقتیکہ اس تدبیر سے جماعت کی جماعت نے درگاہ رب العزت میں دعا نہیں کی۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے سب کے سب سیراب ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد جلد ا ص ۵۲ مطبوعہ جرمن)

حضرت عبدالمطلبؑ کی کفالت پر عیسائیوں کا اعتراض مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۲۷ میں لکھتے ہیں۔ عبدالمطلب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہے لیکن مارگولوس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہیں فرماتے ہیں۔ یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ اور آخر زندگی میں ان کے چچا حمزہؓ نے نشہ حالت میں محمدؐ کو طنزاً" اپنے باپ کا غلام کہا تھا۔ (مارگولوس لائف آف محمد ص ۴۵۔۴۹) حضرت حمزہ کے جس قول سے استدلال کیا جاتا ہے مارگولوس خود تسلیم کرتے ہیں وہ نشہ کی حالت تھی۔ اس کی تفصیل جیسا کہ بخاری میں ہے یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ نے بار برداری کے لئے اونٹ خریدے اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ حضرت حمزہ شراب میں مخمور اس طرف سے گذرے' اور اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل و جگر کا کباب بنایا۔ آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی۔ تو آپ حضرت حمزہؓ کے پاس آئے اور ان کو ملامت کی۔ حضرت حمزہؓ سخت مخمور تھے اس حالت میں وہ الفاظ ان کی زبان

سے لگے تھے کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ (سیرت النبی جلد ا ص ۲۰۶)
مارگولوس کا یہ اعتراض ابی طالب کی کفالت کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے اس لئے عبدالمطلبؑ کے زمانہ میں شبلی صاحب کا اسکو مندرج فرمانا اور اس پر تنقید لکھنا قبل از وقت ہے اور ایک بے موقع تقدیم۔
مولوی شبلی صاحب کا اکثر مقامات پر یہ لکھنا کہ "ابھی تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔" یہ بتلاتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اسلام میں شراب کسی وقت حلال بھی تھی۔ اگر تنزیل حرمت کے اعتبار پر یہ قیاس فرمایا جاتا ہے تو اور بھی تعجب انگیز ہے چونکہ کل حرمت والی تمام آیات قرآنی اس کی ام دقبح کو بتلا رہی ہیں۔ یہ امت اسلام کی بد اخلاقیاں ہیں۔ اور شامت اعمالیاں کہ خدا کے بار بار بتلانے پر بھی وہ اسے برا نہیں جانتی اور پی جاتی ہے۔ اخلاق الٰہی نے تھوڑے دنوں تک اس کے نیک و بد کی تمیز امت کے فیصلہ پر چھوڑی لیکن امت کے اخلاق ذمیمہ ان کے خلوص ایمانی اور اعضائے روحانی پر ایسے غالب آ گئے تھے کہ وہ اس کو ترک نہ کر سکی تو بالآخر تعذیب الٰہی کی تمدید کے ذریعہ سے یہ ناہنجار عادت چھڑوائی گئی۔ اگر امت رسولؐ کو اتباع کا دعویٰ تھا یا سیرت رسولؐ کی تاسی کو وہ اپنے دینی اور دنیاوی مقاصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتی تھی تو اس کو اپنے رسولؐ برحق کی عادت پر نظر ڈالنی تھی۔ اور یہی اس ناہنجار عادت کے ترک کے لئے کافی تھی۔ لیکن اس کی توفیق ہی نہیں ہوئی۔ اور تعذیب الٰہی کی آسمان سے تمدید و تاکید بلوائی گئی۔ اس بنا پر تاخیر تنزیل کو کسی مدت تک جو ازیا علت خمر کا باعث سمجھنا سخت غلطی ہے۔ خمر، زنا، چوری وغیرہ وغیرہ ہمیشہ سے اخلاقی اور روحانی جرم قرار دیئے گئے ہیں اور تمام شریعت ہائے سابقہ میں یہ افعال ذمیمہ کبائر معاصی بتلائے گئے ہیں۔ شراب شریعت اسلام میں ازل اول تا آخر وقت تک ویسے ہی حرام مطلق تھی۔ جیسے حضرت موسیٰ عیسیٰ علیٰ نبینا و آلہ علیہم السلام کی سابق شریعتوں میں۔ فافہم فتدبر
ہم اس ناہنجار عادت کی حضرت حمزہؓ سے نسبت بھی اعتبار کے قابل نہیں سمجھتے، کیونکہ حضرت عبدالمطلبؑ کے متعلق تمام محدثوں کی کتابوں میں بالاتفاق لکھا ہے۔ انہ حرم الخمر فی حیاتہ (آپ نے اپنی عمر بھر شراب کو حرام کر لیا تھا) تو ہم مشکل سے ان کے صاحبزادے حضرت حمزہ سے بخلاف سیرت پدری اس کا یقین کر سکتے ہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب یہ واقعہ ان کے اسلام لانے کے قبل کا بھی نہیں بتلایا جاتا۔ بلکہ مشرف باسلام ہو جانے کے بعد کا اور پھر ان الفاظ اضافی کے ساتھ کہ رسول اللہ صلعم اس واقعہ کی خبر پا کر بنفس النفیس ان کی تادیب کے لئے تشریف لے جاتے ہیں اور ان کی دونوں آنکھوں کے سامنے کھڑے ہو کر ان کو ملامت کرتے ہیں۔ مگر حمزہؓ پر نعوذ باللہ کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اور وہ کچھ نہیں سنتے، اول فول بکتے چلے جاتے ہیں مخالفین اسلام تعجب سے کہیں گے کہ یہ وہی رسولؐ ہے جس کی ایک نگاہ سرسری نے فوراً اس واقعہ کے بعد ہی حضرت عمر کے غیر متحمل غصہ کو ایسا ٹھنڈا کر دیا۔ ان سے فوراً قدم

رسالت پر سر جھکا دینے اور اسلام لے آنے کے سوا اور کچھ بن نہ آیا۔ لیکن حمزہؓ کے مقابل میں نہ رسول کی روحانی آثار کارگر ہوئے نہ ذاتی اور صفاتی اقتدار فاعتبروا یااولی الابصار۔ ہم ان تمام اقسام کے افسانوں کو خاندان رسالت کے عادات و معاشرت کے قطعی خلاف سمجھتے ہیں۔ خصوصاً" حضرت حمزہؓ وغیرہم ممدوحین بنی ہاشم کے متعلق ان لغویات کو تو قطعی ممنوع اور موضوع یقین کرتے ہیں۔ یہ بخاری صاحب کی رکاکت طبعی ہے جو ان لغویات کو مندرج کرکے مساوات فی الامت تو ایک طرف بنیاد قائم کرتے ہیں اور دوسری طرف مخالفین اسلام کو اہانت اسلام اور حقارت حضرت خیرالانام علیہ السلام پر آمادہ اور تیار فرماتے ہیں۔

اس واقعہ سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم کی برکت و سعادت ثابت ہوتی ہے۔ وہاں حضرت عبدالمطلب کی ذاتی وجاہت و عظمت کا بھی اظہار کامل ہوتا ہے۔ آپ کی اس وجاہت و اقتدار کا یہ مرتبہ نہ صرف اس لئے تھا کہ آپ مکہ کے رئیس تھے اور قریش کے سردار بلکہ اس شہرت عامہ اور اعتبار و اختیار کے باعث نہ آپ کے خاص اخلاق ایثار و آثار تھے جو آپ کی ذات ستودہ صفات کو ممدوح روزگار بنائے تھے۔

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

حضرت عبدالمطلبؑ باعتبار ذاتی وجاہت کے تمام قریش میں وجیہہ ترین بزرگ تھے اور جسامت کے لحاظ سے سب سے زیادہ جسیم اور طویل حلم و تحمل میں سب سے بڑھ کر حلیم جود و سخاوت میں سب سے زیادہ سخی و کریم۔ فتنہ و فساد کے موقع پر سب سے دور رہنے والے جو دیکھتا تھا وہ آپ کی تعظیم و تکریم کرتا تھا اور آپ کی ہدایتوں کو بجا لاتا تھا اور سلاطین معاصرین میں قبیلہ قریش کی امارت مادام الحیات آپ سے متعلق رہی۔ ایک بار بنی خزاعہ کے لوگ آپ کی خدمت میں آکر کہنے لگے۔ کہ ہم لوگ آپ کے ہمسایہ ہیں اس وقت اس استدعا کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہم لوگوں کو اپنا حلیف بنا کر اپنی پناہ میں لے لیں آپ نے فوراً ان لوگوں کی استدعا کو قبول کر لیا اور بنی عبدالمطلبؑ میں سے سات آدمیوں کو لے کر ارقم بن نضلہ بن ہاشم اور ضحاک و عمر پسران ابی صیفی بن ہاشم کو بھی ان میں شامل کرکے دار الندوہ میں تشریف لائے۔ اس معاہدہ میں بنی عبد الشمس (امیہ) اور بنی نوفل میں سے کوئی فرد واحد شریک نہ ہوا۔ دار الندوہ میں جانبین سے مواسات و حمایت کے باہمی معاہدے لکھے گئے اور دستور قدیم کے مطابق کعبہ میں آویزاں کردیئے گئے۔

بنی ہاشم کے یہ وہ حقیقی معارف ہیں جو قدیم سے ان کے اخلاق اعزاز و امتیاز کے خصوصیات میں داخل ہیں۔ اور یہ وہی مفاخر ہیں اور اصلی مفاخر مشارف جو تمام قریش کیا تمام قبائل عرب پر ان کی تفضیل و ترجیح کے سچے معیار ثابت ہوتے ہیں اور یہ تمام صفات و محاسن جس طرح قصی کو اپنے وقت میں' ہاشم کو اپنے زمانہ میں' حاصل تھے' اسی طرح عبدالمطلبؑ کو اپنے عہد میں قدرت کی طرف سے بدرجہ اولیٰ حاصل تھے۔

بدرجہ اولیٰ اس لئے کہ ان تمام محاسن و صفات سے آراستہ و پیراستہ بزرگوار کے متعلق شہنشاہ رسالت کی کفالت و تمم نبوت کی حفاظت بھی سپرد ہونے والی تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ا ص ۵۷)

آنحضرتؐ کی رفاقت سے عبدالمطلب کا دعائے استسقاء کرنا

اسی سال میں حضرت عبدالمطلب روسائے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ سیف ذی الیزن کی تہنیت کے لئے حبشہ کی طرف گئے۔ تفصیل وسط سے یہ واقعہ بشائر کے باب میں گزرا۔ جب اس سفر سے واپس آئے، قریش پانی کی کمی سے ان کی احتیاج کی بنا پر فریاد کر رہے تھے۔ اشراف و اہالی مکہ میں مسلسل کئی سال عظیم قحط ظہور پذیر ہوا۔ چنانچہ زراعت اور جانوروں کے پستانوں سے دودھ خشک ہو گیا۔ لوگ شدید فاقہ اور زحمت میں مبتلا ہو گئے۔ رقیقہ بنت ابی صیف بن ہاشم جو کہ حضرت عبدالمطلب کے بھائی کی لڑکی تھی، کہتی ہیں کہ ایک رات دوران غنودگی میں نے ایک ہاتف کو کہتے ہوئے سنا کہ اے گروہ قریش! پیغمبر آخرالزماں کے ظہور کا وقت ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تم میں سے پیغمبر پیدا ہونے کا وقت ہے۔ عمدہ زندگی اور باران رحمت تمہیں حاصل ہو گی، احتیاط سے دیکھو کہ تمہارے درمیان بزرگ بلند و بالا، سفید اندام، ستواں ناک، تازہ رو جس کی پلکیں دراز ہیں فخرو حسب والا ہے، اسے کہو کہ وہ اپنے فرزند کو لے کر لوگوں کے درمیان سے باہر نکلے۔ اور ہر قبیلہ سے ایک لڑکا اور ہر بطن سے ایک مرد لئے ہوئے اور خوشبو لگائے ہوئے اس کے ساتھ ہو۔ کعبہ کے گرد سات مرتبہ طواف کریں اور اس کی معیت میں کوہ ابو قبیس پر جائیں وہ موصوف بارش کی دعا کرے اس کے ساتھ آمین کہیں تاکہ بارش برسے اور ان کی زندگی اچھی ہو جائے۔ رقیقہ کہتی ہیں کہ صبح ڈرتی اور کانپتی ہوئی بستر خواب سے اٹھی اور جس کے سامنے بھی صورت واقعہ بیان کی قسم ہے حق و حرمت کی کہ اس نے کہا یہ شخص حضرت عبدالمطلب ہے۔ جب یہ خبر مشہور ہو گئی قریش کی ایک جماعت عبدالمطلب کے پاس جمع ہوئی۔ اور ہر بطن سے ایک شخص نے پاک ہو کر خوشبو لگائے ہوئے طواف کیا۔ عبدالمطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا کر جبل ابو قبیس کی طرف گئے اور دوسرے لوگ بھی ساتھ گئے۔ حضرت عبدالمطلب باوجودیکہ آہستہ چل رہے تھے دوسرے لوگ اگرچہ بھاگتے تھے مگر اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ جب سفر طے کر لیا جبل ابو قبیس پر گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کاندھوں پر بٹھا کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا اے حاجات کو پورا کرنے والے، مصائب کو دور کرنے والے، بغیر بتائے ہوئے جاننے والے، غیر مختتم عطا کے بخشنے والے، اے فکر کو روکنے والے اور اے اندوہ غم کو زائل کرنے والے یہ تیرے حرم کے بندے اور غلام ہیں، تنگی اور قحط کی شکایت کرتے ہیں۔ ان کی بھیڑ بکریاں اور اونٹ ہلاکت کے کنارے پر پہنچ گئے

ہیں۔ خدایا بارش بھیج جو سبزے کے اگنے کا سبب ہو اور ہماری زندگی کی بقاء کا باعث بنے' راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم' ہم نے ابھی واپس آنے کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا کہ بارش شروع ہو گئی اور اس قدر برسی کہ نہریں جاری ہو گئیں اور سرداران قریش مثل عبداللہ مرعان اور شہاب بن معنزہ وغیرہ حضرت عبدالمطلب کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے ابو البطحی تجھے یہ نعمت خوشگوار ہو اور رقیقہ نے جسے یہ خواب آیا اس باب میں چند شعر لکھے جن میں سے بعض یہ ہیں۔ (معارج النبوت جلد ۲ ص ۱۳۸ سطر ۱۰)

بشیتہ الحمد استقی اللہ بلدتنا لما فقد الحیاء و الجلوذ المطر

فجا و بالغیث حوری لہ سیل سخا فعاشت بہ الانعام و الشجر

منا من اللہ بالمیمون بالجبہ و خیر من یشرب بو مابہ مطر

مبارک الوجد یستقی انعام بہ

مانی الانام لہ عدل و لا خطر

رحمت کا بادل گھر گیا

فی الحقیقت اس گروہ کو کرب و اندوہ کی تنگنائیوں سے نجات رسول ثقلین کی وجہ سے ہوئی' اور حضرت عبدالمطلب تو صرف وسیلہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ روایت ہے کہ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یتیمی' بے کسی' بے مالی اور بے یار و غمگسار ہونے کی وجہ سے حضرت عبدالمطلب بہت زیادہ خیال رکھتے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و تکریم میں مبالغہ کرتے تھے۔ اور آپ کے حالات کی دیکھ بھال میں انتہائی کوشش کرتے' جہاں تک ہو سکتا اس کی رعایت و محافظت کے جھنڈے بلند رکھتے۔ کہتے ہیں کہ شفقت و محبت اور مہربانی جو حضرت عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں رکھتے تھے کسی دوسرے فرزند کے حق میں نہیں کی تھی۔ اگر حضرت عبدالمطلب نیند میں ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی شخص انہیں خواب سے بیدار نہیں کر سکتا تھا' اگر اپنے احباب کے ساتھ یا تنہا کسی جگہ خلوت میں ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی شخص اندر نہیں جا سکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کسی کو ان کے بستر پر بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے متعلق ام ایمن کو تاکید کی ہوئی تھی کہ خبردار اس کے حال سے غافل نہ ہونا' اور اس کی پرورش اچھی طرح کرنا' کیونکہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ امت کا پیغمبر ہو گا۔ کہتے ہیں کہ اسی اثناء میں بنی مدلج کی ایک جماعت نے فن قیافہ میں مہارت حاصل کی۔ وہ بیٹے کو باپ کی طرف منسوب کرتے تھے اور علم قیافہ میں مشہور تھے۔ انہوں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا ہم نے

آپ کے اس فرزند کے قدموں کو ملاحظہ کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قدم کے ساتھ جس کا نشان مقام ابراہیم میں ظاہر ہے۔ کسی قدم کو اس کے قدم سے زیادہ اس کے مشابہ نہیں دیکھا۔ عبدالمطلب نے حضرت ابو طالب سے کہا' سنو! یہ جماعت کیا کہتی ہے' بس حضرت ابو طالب اس روز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافظت کے لئے کوشاں ہوئے اور ان کا لحاظ کرنے لگے۔

حضرت عبدالمطلب کی وفات

جب حضرت عبدالمطلب کا وقت وفات نزدیک آیا اور ان کی عمر ایک سو دس اور بعض کے قول کے مطابق ایک سو بیس سے متجاوز ہو گئی تھی ان کی اس جہان میں آنکھیں بند ہو گئیں۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ کل نفس ذائقۃ الموت کے چنگل سے کسی مخلوق کو راہ نجات نہیں۔
بر ہیچ آدمی اجل ابقا نمیکند۔
ان کی تمام تر توجہ جس کی طرف ان کا دل متوجہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امور تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت آٹھ سال کے تھے اور ماں باپ سے یتیم ہو چکے تھے' دونوں جہانوں سے ہاتھ جھٹک کر کہتے تھے اس فرزند کا میرے بعد کیا حال ہو گا۔ انتہائی محبت سے رحلت وقت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طلب کیا۔ اپنے سینہ پر بٹھایا۔ اپنے بیٹوں ابی لہب' حمزہ' عباس اور ابو طالب کو طلب کیا اور کہا کہ اس وقت آباد سے میری رحلت اور رب العباد کی ملاقات کا وقت ہے۔ اس فرزند کے علاوہ کوئی حسرت میرے دل میں نہیں ہے' کاش! میری عمر وفا کرتی اور میں خود اس کی تربیت کرتا اس پر زیادہ سے زیادہ شفقت و رحمت اور رعایت و جانبداری کرتا۔ لیکن کیا کروں عمر ساتھ نہیں دیتی۔
بیت

وفاز عمر چہ خواہی کہ ہر نفس کہ زدی   چنان برفت کہ ہرگزد گر نیاید باز

اب میں اس حسرت کے ساتھ عزم رحلت رکھتا ہوں اور جان شیریں اس اندوہ میں دیتا ہوں۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے کون اس فرزند دلبند کی دیکھ بھال اور نگرانی کرے گا جو کماحقہ اس کی تربیت سے عہدہ برآ ہو سکے۔ ابی لہب عمر میں سب سے بڑا تھا۔ دو زانو ہوا اور آداب بجا لایا اور کہا اے شاہ عرب خدا تعالیٰ آپ کو آپ کی مرادوں تک پہنچائے اور اتنی عمر عنایت فرمائے کہ عزت و اقبال اور عظمت و جلال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل کریں۔ جیسا کہ آپ کی آرزو ہے اور اگر اسے پاس خاطر کے لئے کسی کے سپرد کرنا چاہتے ہیں تو میرے سپرد کر دیجئے۔ میں اس کی دیکھ بھال جان و دل سے کروں گا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا ہاں' تیرے پاس مال و دولت اور عزت و حرمت ہے اور اس کی تربیت تم کر سکتے

ہو لیکن تم قدرے سخت دل اور بے رحم واقع ہوئے ہو۔ یتیم خستہ دل اور مجروح ہوتے ہیں اور تھوڑی سی تکلیف کی بھی قوت برداشت نہیں رکھتے' ممکن ہے تو اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے' آداب بجا لا کر عرض کیا اے آبروئے عرب اگر اس خدمت کے میں لائق اور سزاوار ہوں تو میرے سپرد کیجئے۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا تم اس کی حفاظت و مضانت میں سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہو۔ اور میری مراد پوری کرنے میں سب سے زیادہ مناسب ہو۔ لیکن تمہارا کوئی فرزند نہیں ہے اور وہ شخص جس کا کوئی فرزند نہ ہو فرزند کی قدر نہیں جانتا اور اس کی پرورش صحیح طور پر نہیں کر سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ تو جنگجو اور شکار دوست آدمی ہے ممکن ہے شکار کے دوران میرے فرزند سے تو غافل ہو جائے اور وہ دشمن سے تکلیف اٹھائے اور تو شرائط حفاظت سے عہدہ برآ نہ ہو سکے اور میں قبر میں آزردہ ہو جاؤں' اس کے بعد عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے' وظائف دعوات اور مراسم آداب بجا لا کر عرض کیا' اے امید گاہ ملک و ملت اور پشت پناہ دین و دولت! اگر اس خدمت کے میں لائق ہوں تو اجازت فرمایئے اور مجھ پر یہ نوازش کیجئے۔ فرمایا تو اس خدمت کے سزاوار ہے۔ اور مراعات و حرمت کا اہل ہے اور تو درست پیمان ہے' مہربان اور کم آزار اور جان کے لئے مرہم کی حیثیت رکھتا ہے' لیکن تو کثیر العیال ہے اور جس کے بچے بہت زیادہ ہوں' اپنے بچے ہوتے ہوئے دوسرے کے فرزند کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اور آسانی کے ساتھ اپنے صلبی بیٹے پر دوسرے فرزند کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد ابو طالب اٹھے اور اپنے پدر بزرگوار کی مجلس پر دعاؤں کے جواہرات نچھاور کئے اور کہا' اے سردار صنادید قریش! اور اے اہل عیش کی راحتوں کے سرمایہ' مجھے اس مہم کے اہتمام اور اس مقصد کو پورا کرنے میں پوری خوشی ہو گی' لیکن بڑے بھائیوں کی عزت کا خیال دامنگیر تھا' اس لئے سب سے آخر میں یہ گزارش پیش کی ہے' اگرچہ مال و دولت کا سرمایہ میرے پاس سب سے کم ہے لیکن اس مقصد کا عشق سب سے زیادہ ہے' اس امر کی دوستی' سلطنت' دنیا سے زیادہ ہے لیکن اگر سعادت موافقت کرے اور دولت رفیق ہو امیدوار کے دامن میں دست مراد کی طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتا ہوں' رباعی

مال و ہنر اگر ندارم در دست ... با فقر بسازم کہ مرا فقر خوش است
اندیشہ چرا کنم زے مہر گئی خویش ... اگر ہیچ ندارم چو تو دارم است

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے کہا' اس خدمت کے لائق' اور اس دولت کے سزاوار تو ہی ہے کیونکہ تو نرم دل اور شیریں گفتار ہے' اور عہد و پیمان کو نبھانے والا ہے لیکن چونکہ امور کلیہ و جزیہ میں وہ میرا معاون و مددگار ہے اور استشار مشیر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا' جس مہم میں میں عاجز آ جاتا' اسے بلاتا اس کے ارشادات و مراعات کو غور سے دیکھتا اور اس کی باتوں کو توجہ سے سنتا' جب میں اس کے اشاروں کے مطابق عمل کرتا اس مہم کو سر کر لیتا' اب اس مہم میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں حکم بناتا ہوں'

اپنے چچاؤں میں سے جسے وہ اختیار کرے گا میں اس کے سپرد کر دوں گا' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر کہا' اے میری آنکھوں کے نور اور اے میرے پسندیدہ فرزند! میں تیرا داغ حسرت سینہ میں لگائے دنیا سے رخصت ہوتا ہوں تم اپنے چچاؤں میں سے کس کو اختیار کرتے ہو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر حضرت ابو طالب سے بغلگیر ہوئے اور ان کے زانو پر بیٹھ گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا' الحمد للہ! میری پسند' محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسند کے موافق آئی' پھر حضرت ابو طالب کو وصیت کی اور آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کی کیفیت تعلیم دیتے ہوئے کہا۔ اے ابو طالب خیال رکھنا' اس درگراں مایہ کی کس طرح حفاظت کرے گا' جسے باپ کی ہوا تک نہیں لگی اور والدہ کی شفقت کو نہیں دیکھا' اے ابو طالب! اس فرزند کو اپنے جسم میں دل کی مانند سمجھنے میں باقی اولاد کے متعلق وصیت کو موقوف کر کے خصوصیت کے ساتھ تجھے صرف اسی کے متعلق وصیت کرتا ہوں' کیونکہ تو اور اس کا باپ ایک ہی ماں سے ہو اور تیرے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اس قدر زیادہ محبت ہو گی جس کی بدولت تو دوسرے اعمام سے ممتاز ہو گا۔ اے ابو طالب! اگر تجھے زمانہ بعثت مل جائے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اس فرزند ارجمند کے اوصاف کمال اور نعوت جلال کے متعلق جو کچھ میں نے کہا ہے' دانش و فراست کی رو سے کہا ہے مجھے اس کے حالات سے تمام مخلوق سے زیادہ علم ہے' اگر ہو سکے تو اس کی اتباع کرنا' اور قطعاً'' تقصیر نہ کرنا' کماحقہ اس کی مدد و اعانت کرنا' کیونکہ وہ جلد ہی قوم کا سردار' بلکہ تمام اولاد آدم' اور اٹھارہ ہزار عالم کا سرور و سردار ہو جائے گا۔ اور وہ سعادت و نیک بختی جس تک ہمارے کسی بھی آباء و اجداد میں سے کسی کی رسائی نہیں ہو سکی اور اس کا عشر عشیر بھی نہیں دیکھا ہو گا' وہ حاصل کر لے گا اور اس کی بلندیوں کو پا لے گا' تجھے چاہئے کہ اس کی یتیمی و تنہائی پر شفقت و مہربانی کرے' پھر کہا تو نے میری وصیت کو قبول کیا ہے۔ ابو طالب نے کہا میں نے قبول کیا' اس نے کہا میرا خدا گواہ ہے اور عالم الغیوب دلوں کے رازوں سے آگاہ ہے' پھر کہا میری طرف ہاتھ بڑھاؤ' حضرت ابو طالب نے ہاتھ بڑھا دیا' حضرت عبدالمطلب نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اب موت میرے لئے آسان ہو گئی ہے پھر آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اور چہرہ کو بوسے دیئے اور آپ کی عنبر شمیم خوشبو کو سونگھا اور کہا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ میں نے کسی بھی فرزند کے سر سے ایسی عمدہ اور بہترین خوشبو نہیں سونگھی جیسی کہ تمہارے سر سے سونگھی ہے۔ نظم۔

ہم بوت خوش ہم روت خوش ہم شیوہ ات ہم خوش لقا
ہم قہر تو خوش ہم غضب ہم مہر تو خوش ہم رضا
اے صورت عشق احد وے حسن تو بیرون زحد
دے ماہ روئے سروقد اے جانفزائے دل کشا

اے طوان لطف انداختہ دے یا یتیماں ساختہ
طوطی و کبک و فاختہ گفتہ ترا مدح و ثنا
اے جان باغ و یاسمیں دے شمع افلاک و یمن
اے مستطاش ماؤطین دے شہسوار بل اتے
یاماشقانت جفت من امشب نخواہم خفت من
خواہم رعایت گفت من اید دست در قعت دعا
اے خسروان درویش تو سرہا نمادہ پیش تو
جملہ وفا اندیش تو اے شاہ خیل اصفیا
اے صبر بخش زاہداں اخلاص بخش عابداں
اے گلستان عارفاں اے نور چشم انبیاء
دریاب کا قتادم زرہ شدہ نامہ عمرم سیاہ
پشتم زبار غم دو تا دست شفاعت برکشا

جب حضرت عبدالمطلب نے اس جہان فانی سے رخت زندگانی باندھا' مکہ کے قبرستان حجون میں انہیں دفن کیا گیا۔ ام ایمن کہتی ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے روز میں نے ان کا جنازہ لے جاتے ہوئے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جنازہ کے پیچھے چل رہے تھے اور رو رہے تھے' پھر حضرت ابو طالب آپ کی دیکھ بھال اور پرورش کے لئے کمربستہ ہوئے۔ (معارج النبوت جلد۱ ص ۳۲ سطر۲)

وفات حضرت عبدالمطلبؑ

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اس کفالت و حفاظت کا زمانہ کل چار ہی برسوں میں تمام ہو گیا۔ حضرت عبدالمطلب بوڑھے تو ہو ہی چکے تھے' شیوخیت سے گذر کر کہولیت کا وقت آ ہی گیا تھا' بیاسی برس کی عمر ہو چکی تھی۔ بیمار پڑے' ضعیف تو تھے ہی ضعف اور علالت دونوں مل کر مرض الموت بن گئے۔ وفات کا وقت قریب ہوا تو باوجودیکہ تمام عرب میں کثیر الاولاد مشہور تھے'ابن سعد لکھتے ہیں **فلم یکن فی العرب ہو اب مثل عبدالمطلب** عرب میں عبدالمطلبؑ کے ایسے کسی باپ کی اولادیں نہیں تھیں' اس لئے محض تعلقات قلبی کی بنا پر ایسے بڑے خاندان کے بزرگ کی آنکھوں کے سامنے اس کے بستر مرگ پر اپنی اولاد و احفاد میں سے ایک ایک کی صورت موجود رہنی چاہئے۔ لیکن اس فطرتی جذبات کے برخلاف وہ بزرگ خاندان اپنی

اتنی کثیر اولاد میں سے نہ کسی فرد واحد کو بلاتا ہے نہ یاد کرتا ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی وصیت فرماتا ہے۔ ایک ہشت سالہ بچہ کی یاد و تعلقات اس کو ایسا بے چین اور مضطرب الحال کئے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتا ہے یا وصیت کرتا ہے وہ صرف اسی کے لئے اور کسی کے لئے بھی نہیں۔ اس طرح کہ اپنے قائم مقام اور اپنے وارث و وصی کو اپنے پاس بلاتا ہے اور اپنی شرعی وصیت کے الفاظ میں اس بچے کی کفالت، حفاظت حمایت اور اعانت کے لئے اپنے بعد اس کو ذمہ دار بناتا ہے۔ طبری، ابن سعد اور ابن ہشام کے منقولہ عبارت سے ذیل میں مندرجہ بالا مضامین کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔

لتوفی عبدالمطلب بعد الفیل بثمانی ستین و کان عبدالمطلب ہو صی بوسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمہ ابا و ان ابا طالب و عبداللہ ابا رسول اللہ صلعم کان لام لکان ابا طالب ھو الذی یلی امر رسول اللہ بعد جدہ و کان یکون معہ۔ (طبری جلد اول ص ۱۱۲۳ جرمن)

واقعہ فیل سے آٹھ برس بعد حضرت عبدالمطلب انتقال فرما گئے۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق حضرت ابی طالب کو وصیت فرما گئے۔ کیونکہ حضرت ابی طالب اور حضرت عبداللہ ماں جائے بھائی تھے۔ اس خصوصیت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت کا منصب حضرت ابی طالبؑ کو تفویض ہوا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ابی طالب کے ہمراہ رہے۔

ان مشاہد تاریخی سے حضرت عبدالمطلب کے ان دلی جذبات اور قلبی تعلقات کے تمام تر حالات کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے اور اسی کے ساتھ رسول اللہ صلعم کے منصب ولایت و حفاظت کی مخصوص اہمیت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس عہدہ جلیل اور منصب عظیم کے لئے حضرت ابی طالب کی تخصیص کی ظاہری توجیہ تو مذکورہ بالا تاریخی اسناد سے معلوم ہو چکی۔ مگر غور و تلاش کے بعد یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ نے اس ودیعت الہی کی ولایت کی تجویز و تفویض میں صرف ابی طالب اور عبداللہ کی صلبی اور بطنی یکجہتی ہونے پر اعتبار نہیں کیا ہے، بلکہ حکم الہی کا انتظار اور استشار فرما لیا ہے۔ چنانچہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں۔

عبدالمطلبؑ نے دونوں کے درمیان قرعہ ڈالا تو قرعہ ابی طالب ہی کے نام نکلا۔ (زرقانی ص ۲۲۸)

حضرت زبیر کی کفالت

حضرت زبیر کی تجویز ولایت ان کا خود غرضانہ اضافہ ہے۔ جو مراتب ابی طالب کی استخفاف اور استیصال کے لئے آمادہ و پیادہ ہیں سوائے ان حضرات کے نہ کسی عربی تاریخ میں اس کا ذکر ہے اور نہ کسی عربی سیرت میں۔ زرقانی نے شرح مواہب الدنیہ قسطلانی میں صرف اس قیاس کی بنا پر بعض تاریخوں میں زبیر کو بھی

عبداللہ اور ابی طالب کا ماں جایا لکھا ہے۔ کفالت و ولایت کو بھی ضم کر دیا ہے۔ حالانکہ جس خلاف قیاس اور خلاف واقع دعویٰ کا ذکر کیا ہے اس کی اسی کتاب میں پھر تردید و تکذیب کر دی ہے۔ ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسے قیاسی اور محض بے بنیاد دعوے کے اظہار کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ زرقانی کی محض نادانی ہے۔ چنانچہ ہم اس کی نسبت خود انہیں کی تحریر ذیل میں لکھتے ہیں۔

لا برءان الزبیر شقیقہ ایضاوقد قیل شارکہ فی کفالتہ و خص ابی طالب بذکرہ لا متداد حیاتہ فان الزبیر لم یدرک الاسلام و قیل اقرع عبدالمطلب بینہما فخرجت القرعتہ لابی طالب و فی اسد الغابتہ الحافظ اعز الدین ابن الاثیر کفلہ ابی طالب لانہ شقیق ابیہ و کذالک الزبیر لکن کفلہ ابی طالب و اما لوصیتہ عبدالمطلب الیہ لان الزبیر کفلہ حتی ما تکفلہ ابی طالبؑ ھذا غلط لان الزبیر شھد حلف الفضول و لمصطفیؐ نیف و عشرون سنتہ و اجمع العلماء علی انہ شخص مع ابی طالب الی الشام بعد موت عبدالمطلب باقل من خمس سنین فھذا یدل علی ان ابی طالب ھو الذی کفلہ زرقانی ص ۲۲۸ ج ا۔ زبیر کا شقیق عبداللہ ہونا خلاف نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زبیر کفالت رسول میں ابی طالبؑ کے شریک تھے مگر اس کے لئے حضرت ابی طالب خصوصیت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں اس وجہ سے کہ حضرت ابی طالبؑ زیادہ دنوں تک زندہ رہے۔ اور زبیر قبل اسلام زندہ رہے۔ اور یہ بھی ایک قول ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اس امر میں قرعہ اندازی کی مگر قرعہ ابی طالب ہی کے نام نکلا اور اسد الغابہ میں حافظ اعز الدین ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ ابی طالبؑ نے آنحضرت صلعم کی پرورش کی۔ کیونکہ وہ عبداللہ کے ماں جائے بھائی تھے اور ایسے ہی زبیر بھی مگر کفالت ابی طالب ہی نے کی۔ اس کی وجہ عبدالمطلب کی خاص وصیت تھی اب رہا یہ قول کہ زبیر اپنی حیات تک کفیل رہے' جب وہ مر گئے تو ابی طالب نے کفالت کی بالکل غلط ہے کیونکہ زبیر حلف الفضول تک زندہ تھے اور آنحضرت صلعم اس وقت ساڑھے بیس برس کے ہو چکے تھے اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ عبدالمطلب کے تقریباً پانچ برس بعد ابی طالبؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر شام کا سفر کیا تھا یہ اس امر کی قوی دلیل ہے کہ آنحضرت صلعم کی کفالت ہمیشہ ابی طالب ہی کے ساتھ مخصوص رہی۔ (اسوۃ الرسول)

حضرت عبدالمطلبؑ کے انتقال پر

آنحضرت صلعم کا حزن و ملال

حضرت عبدالمطلبؑ نے جیسا بیان ہو چکا ہے مکہ میں وفات پائی اور مقام حجون میں مدفون ہوئے۔ سن وفات

۸ ہجری عام الفیل مطابق ۵۲۰ء ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے جد بزرگوار کی مفارقت کا بے حد ملال ہوا۔ ام ایمن کی اسناد سے ابن سعد نے لکھا ہے۔
میں نے دیکھا رسول صلعم اس دن عبدالمطلبؑ کے جنازہ کے پیچھے پیچھے دوڑتے جاتے تھے۔ (اسوۃ الرسول)

حضرت ابو طالب کی تربیت میں

حضرت عبدالمطلبؑ کے روز وفات سے حضرت ابی طالبؑ کی کفالت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ حضرت ابی طالبؑ اپنے پدر بزرگوار حضرت عبدالمطلب کے وصی تھے، جانشین تھے، اور قائم مقام، اس لئے تمام خاندانی اور قومی اعزاز و امتیاز جو عبدالمطلب کو حاصل تھی وہ "وراثتاً" ان کو تفویض ہوئے اور انہیں ظاہری مشارف و معارف کے ساتھ کفالت و حفاظت رسول صلعم کے روحانی مفاخر بھی انہیں کی سعادت اور خوش نصیبی کا حصہ ٹھہرے۔ حالانکہ حارث سے لے کر عباس و حمزہ تک حضرت عبدالمطلب کے متعدد بیٹے تھے۔ جن میں اکثر ان سے سن میں بڑے تھے۔ اور گھر میں موجود تھے۔ مگر عبدالمطلب کو قدرت کی طرف سے انہی کے انتخاب کا اشارہ ہوا، اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے کہ یہ انتخاب ایسا لاجواب ہو کہ تمام قریش کیا تمام عرب میں اس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔
جناب ابی طالبؑ کی کفالت کا زمانہ آپ کے استقلال، پاداری، ہمت، صبر اور استقامت کی آماجگاہ تھا۔ زمانہ کی ناسماعدت، قوم کی مخالفت، دشمنوں کی یورش، اپنی کثیر العیالی اور تنگ حالی ہمہ وقت دامنگیر رہتی تھی، مگر ان تمام تعلقات و ترددات سے قطع نظر کر کے جگر گوشہ عبدالمطلب یتیم عبداللہ کی حفاظت و حمایت کے خیال ہر وقت دل سے لگے تھے اور کیونکر نہ لگے رہتے۔ گھر بھر میں خدا کی ودیعت تھا، تو یہی تھا۔ باپ کی وصیت تھا۔ تو یہی تھا اور ماں جائے بھائی کی نشانی اور مٹی ہوئی صورت تھا تو یہی تھا۔
انہی خصوصیات کے مقابلہ میں آنحضرت صلعم کو اپنی تمام اولاد پر کیونکر ترجیح نہ دیتے۔ انہیں روحانی تعلقات اور قلبی جذبات نے ان کے دل پر سوائے یتیم عبداللہ کے اپنی کسی صلبی اولاد کی محبت و الفت کے نقش نہ جمنے دیئے۔ اور حقیقت میں ایسی ہمت و استقلال، استحکام، خلوص اور محبت پر جو بزرگوار فائز ہو گا، وہی ودیعت الٰہی کی حفاظت و حمایت کا خاص محافظ اور تنہا ذمہ دار بن سکتا ہے۔ اور یہی صفات کمالیہ حضرت ابی طالب کی ذات میں مخصوص طور پر ثابت ہوتے ہیں۔ جو مدبرین قدرت کی بارگاہ میں ان کے منتخب کئے جانے کے باعث ہوئے۔ (اسوۃ الرسول)

الذکر الحسین

حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ اپنے شفیق چچا حضرت ابوطالب کے پاس رہنے لگے' انہوں نے آپ کو بڑی شفقت و محبت سے رکھا' اپنی اولاد سے زیادہ بڑھ کر آپ کو چاہتے تھے اور آپ کو محبوب رکھتے تھے۔ آپ کے بغیر کھانا نہ کھاتے' اور نہ استراحت فرماتے' کہیں باہر جاتے تو بھی آپ کو ہمراہ لے جاتے' کھانے کے وقت اہل و عیال سے فرماتے کما انتم حتی یحضر النبی تم لوگ تو جیسے ہو ظاہر ہے۔ ٹھہرو میرے بیٹے کو آ جانے دو' جب آپ تشریف لے آتے تب کھانا کھاتے۔ آپ کی برکت سے سب سیر ہو جاتے اور کھانا بچ جاتا' اگر آپ کھانے میں شریک نہ ہوتے تو کسی کو سیری نہ ہوتی' اسی واسطے حضرت ابو طالب آپ سے فرمایا کرتے۔ انک لمبارک بلاشبہ تو بہت مبارک ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۱۹)

بظاہر آپ ان کی کفالت میں تھے' لیکن درحقیقت آپ کی برکت خود ابو طالب کی کفالت کرتی تھی' اور پھر بھی اس احسان کے بدلے میں آپ نے ابو طالب کے بیٹے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا تھا۔

حضرت جلیمہ بن عرفطہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مکے میں آیا' اس وقت ساکنان مکہ قحط سالی کی سخت مصیبت میں گرفتار تھے' قریش مل کر حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہا اے ابو طالب لوگ سخت مصیبت میں مبتلا ہیں' نکلو اور خدا سے دعا مانگو۔

معارج النبوت

حضرت ابو طالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلیٰ درجہ کی محبت تھی۔ اپنے کسی بھی فرزند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے برابر محبت نہیں کرتے تھے' شب و روز آپ کے حالات کا جائزہ لیتے تھے' رات کو اپنے پہلو میں سلاتے تھے اور کسی شخص سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مطمئن نہیں تھے۔ خصوصاً" تمام مجالس اور محفلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت اپنے اوپر لازم قرار دیتے تھے اور ان کی عزت و احترام کے شرائط کو بجالاتے تھے۔ ان کی موجودگی کے بغیر ہرگز دوپہر اور شام کا دسترخوان نہیں بچھاتے تھے۔ حضرت ابو طالب کے اہل و عیال اس نقطہ دائرہ مطالب کی برکت سے اپنے مقاصد اور آرزوئیں حاصل کرتے تھے اور آپ کی موجودگی کے بغیر آئینہ امن و سکون میں رفاہیت و جمعیت نہیں دیکھتے تھے۔ حضرت ابو طالب ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے اور جس طعام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ نہ لگاتے'

نہیں کھاتے تھے۔ حضرت ابو طالب کے اہل خاندان بھی جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے لئے ہاتھ نہ بڑھاتے کھانا شروع نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ جس طعام تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک پہنچ جاتا ...... متبرک ہو جاتا تھا۔ اور جلدی ختم نہیں ہوتا تھا۔ وہ تمام سیر ہو جاتے اور کھانا بچ رہتا۔ وگرنہ بھوکے رہتے۔ حضرت ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چمڑے کے گدیلے پر بٹھا کر کہتے۔ خدائے ربیعہ کی قسم! اس فرزند کی بڑی شان ہو گی۔

حضرت ابو طالب نے کہا' میں ایک روز ذی المجاز میں تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ تھے' مجھ کو پیاس نے غلبہ کیا' میں نے کہا' میں پیاسا ہوں' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الفور اٹھے اور دو زانو ہو بیٹھے' میں نے دیکھا کہ آپ کی ایڑی کی جگہ سے پانی کا چشمہ پیدا ہو گیا ہے مجھے اس میں سے پانی دیا' میں نے پیا اور سیر ہو گیا' باقی امور غریبہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشاہدہ ہوتے تھے۔ ہر ایک اپنی جگہ پر مذکور ہو گئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابو طالب کہتے ہیں و اللہ انک مبلوک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں اشعار لکھے ان میں سے ایک یہ ہے۔

و شق لہ من اسمہ لیجلہ　　فذو العرش محمود و ھذا محمد

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان اشعار پر شعر کہے یہ شعر ان کے اشعار میں سے ہے۔

الم تر ان اللہ ارسل عبدہ　　بآیاتہ و اللہ اعلی و امجد

سیرت دحلانیہ

حضرت ابو طالب قلیل المال اور عیالدار شخص تھے۔ جب وہ لوگ اکٹھے ہو کر یا اکیلے اکیلے کھانا کھاتے تو سیر نہ ہوتے۔ اور جب ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شامل ہوتے تو خوب سیر ہو جاتے۔ چنانچہ جب وہ لوگ صبح یا شام کے کھانے کا ارادہ کرتے تو حضرت ابو طالب فرماتے۔ تم جس حال میں بھی ہو رک جاؤ' یہاں تک کہ میرا بیٹا آ جائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے اور ان لوگوں کے ساتھ شریک طعام ہوتے تو وہ لوگ شکم سیر ہو جاتے بلکہ مزید کھانا بچ جاتا۔

جب وہ لوگ دودھ پیتے تو حضرت ابو طالب پہلے دودھ کا برتن جو کہ لکڑی کا پیالہ تھا حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے اور پھر ان کے گھر والے اس پیالے سے پیتے جاتے اور آخری فرد تک سیراب ہو جاتے۔

حضرت ابو طالب آپ کی خدمت میں عرض کرتے بیشک آپ برکت والے ہیں۔ (جلد ۱ ص ۲۴۴ سطر ۳)

تاریخ طبری

واقعہ فیل کے آٹھ سال بعد عبدالمطلب وفات پا گئے۔ چونکہ ابو طالب اور رسول اللہ کے باپ عبداللہ حقیقی بھائی تھے۔ اس لئے عبدالمطلب نے اپنے بعد رسول اللہ کی پرورش اور ولایت ابو طالب کے سپرد کی تھی اور حسن سلوک کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولی تھے۔ آپ انہی کے پاس اور ساتھ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو طالب قریش کے قافلہ کے ساتھ تجارت کے لئے شام جانے لگے۔ جب قافلہ کی روانگی کا وقت آیا اور وہ جانے کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔ رسول اللہ صلعم ان سے لپٹ گئے۔ ابو طالب کو ان پر ترس آیا اور انہوں نے کہا خدا کی قسم ہے میں اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور اب آئندہ کبھی ان کو اپنے سے علیحدہ نہ رکھوں گا۔ (طبری جلد ا ص ۵۸ سطر ۲)

بحیرہ راہب

چنانچہ وہ رسول اللہ کو ساتھ لے کر قافلہ میں روانہ ہو گئے۔ یہ قافلہ شام کے علاقے میں بصریٰ مقام پر فروکش ہوا۔ یہاں بحیرا نام ایک راہب اپنی خانقاہ میں رہا کرتا تھا یہ نصرانیوں کا بڑا عالم شخص تھا ہمیشہ سے اس خانقاہ میں جو راہب ہوتا تھا اسے وراثتاً علم کتابی ملتا رہتا۔ جب یہ قریش کا قافلہ اس سال اس کے ہاں فروکش ہوا۔ بحیرا نے ان کے لئے بہت سے کھانا پکوایا اور یہ اس لئے کہ اس نے اپنے صومعہ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا کہ اور تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف آپ پر ایک بدلی سایہ فگن چلی آتی ہے۔ جب یہ قافلہ اس کے قریب آ کر ایک درخت کے سایہ میں اترا۔ اس نے اس بدلی کو دیکھا کہ اس نے درخت کی شاخوں کو رسول اللہ پر سایہ ڈالنے کے لئے جھکا دیا ہے اور اب وہ پورے سایہ کے نیچے فروکش ہیں۔ یہ دیکھ کر بحیرا اپنی خانقاہ سے اترا اور ان سب کو اس نے اپنے پاس بلا بھیجا۔ رسول اللہ پر نظر پڑتے ہی اس نے آپ کو غور سے دیکھنا شروع کیا اور ان نشانیوں کی مطابقت کرنے کے لئے جو اسے پہلے سے معلوم تھیں وہ آپ کے جسم کی بعض چیزوں کو بغور دیکھنے لگا۔ جب تمام قافلہ کھانے سے فارغ ہو کر چلا گیا' اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی حالت بیداری اور خواب کی کیفیت دریافت کی۔ آپ نے اسے بتانا شروع کیا۔ یہ باتیں ان صفات کے عین مطابق تھیں جو اسے پہلے سے معلوم تھیں' اس کے بعد اس نے آپ کی پیٹھ دیکھی تو دونوں شانوں کے بیچ میں اسے مہر نبوت نظر آئی۔ اس نے ابو طالب سے کہا کہ یہ لڑکا تمہارا نہیں معلوم ہوتا۔ انہوں نے کہا یہ میرا بیٹا ہے۔ بحیرا نے کہا یہ ہرگز تمہارا بیٹا نہیں ہے۔ اور اس بچہ کا باپ تو اب زندہ بھی نہ ہونا چاہئے۔ ابو طالب نے کہا یہ میرا

بھتیجا ہے۔ بحیرا نے پوچھا اس کا باپ کیا ہوا؟ ابو طالب نے کہا ابھی یہ لڑکا بطن مادر ہی میں تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ بحیرا نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ اچھا تم اسے اپنے گھر لے جاؤ اور یہودیوں سے اس کی حفاظت کرنا اگر وہ اسے دیکھ پائیں گے اور وہ علامات جن کو میں نے شناخت کر لیا ہے انہوں نے بھی شناخت کر لیں تو وہ ضرور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ یہ ایک عظیم الشان انسان ہونے والا ہے۔ تم فوراً اسے گھر لے جاؤ۔ یہ سن کر ابو طالب آپ کے چچا آپ کو لے کر فوراً روانہ ہو گئے اور ان کو مکہ لے آئے۔

ہشام بن محمد کہتا ہے کہ جب ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر بصریٰ کے علاقہ شام آئے تھے اس وقت آپ کا سن شریف نو سال کا تھا۔ (تاریخ طبری جلد ۱ ص ۵۸ سطر ۳)

بحیرا راہب کی پیشین گوئی

ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ ابو طالب شام روانہ ہوئے۔ رسول اللہ صلعم قریش کے اور شیوخ کے ساتھ اس کے ساتھ ہوئے۔ جب ان کو وہ راہب نظر آیا۔ یہ اتر پڑے اور انہوں نے اپنے کجاوے کھول دیئے۔ اس مرتبہ وہ راہب ان کے پاس آیا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اس کے پاس سے گزرتے تھے وہ نہ کبھی ان کے پاس آتا تھا اور نہ التفات کرتا تھا۔ یہ اپنے کجاوے کھول رہے تھے کہ وہ راہب ان میں آکر مل گیا اور لوگوں کو دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا یہ تمام عالم کا سردار ہے' یہ رب العالمین کا رسول ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ رحمتہ للعالمین کرکے مبعوث فرمانے والا ہے۔ قریش کے شیوخ نے اس سے پوچھا۔ تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔ اس نے کہا جب سے تم گھاٹی سے برآمد ہوئے کوئی درخت یا پتھر ایسا نہ تھا جو سجدے میں نہ گر پڑا اور جمادات و نباتات صرف نبی کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ دوسرے میں اس مہر نبوت سے بھی جو سیب کے برابر ان کے شانے کے جوڑ کے نیچے واقع ہے اس بات کو جانتا ہوں۔

رومی وفد اور بحیرا

راہب اپنی خانقاہ سے آیا۔ یہاں آکر اس نے ان کے لئے کھانا پکوایا اور اسے ان کے پاس لے کر آیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ چرا رہے تھے۔ راہب نے قریش سے کہا کہ اسے بلواؤ۔ جب آپ آ رہے تھے' اس وقت بھی ایک بدلی آپ پر سایہ فگن تھی۔ راہب نے کہا دیکھو لو بدلی

آپؐ پر سایہ کر رہی ہے۔ جب آپؐ اپنی جماعت کے پاس آئے' آپؐ نے دیکھا کہ درخت کا تمام سایہ قریش نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے مگر جب آپؐ بیٹھے تو درخت کا سایہ بڑھ کر آپ پر بھی آگیا۔ راہب نے کہا دیکھو درخت کا سایہ بھی آپ پر جھک پڑا ہے۔ راہب اب تک کھڑے کھڑے ان کو اللہ کا واسطہ دے کر سمجھا رہا تھا کہ تم اس بچے کو روم نہ لے جاؤ۔ کیونکہ اگر وہ اسے دیکھ پائیں گے تو شناخت کر لیں گے اور قتل کر دیں گے یہ کہہ کر اس نے مڑ کر دیکھا تو وہاں سات آدمی روم کے فرستادے موجود تھے۔ راہب نے خود ہی سبقت کر کے ان سے پوچھا تم کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اس لئے آئے ہیں کہ ایک نبی اس ماہ میں خروج کرنے والا ہے۔ ہر راستے کے ناکے پر پہرے متعین کر دیئے گئے ہیں اور ہم کو اچھا سمجھ کر آپ کی سمت بھیجا گیا ہے۔ راہب نے کہا کیا جن لوگوں کو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو ان میں کوئی تم سے بہتر رہ گیا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں ہمیں سب سے بہتر سمجھ کر ہی آپ کے اس راستے پر بھیجا گیا ہے۔ اس نے کہا' اچھا تم اس بات سے واقف ہو کہ اگر اللہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے تو کسی میں یہ مجال ہے کہ اسے نہ ہونے دے۔ انہوں نے کہا ہرگز نہیں اور اب وہ اس راہب کے تابع ہو گئے۔ اور اسی کے پاس ٹھہر گئے۔ (طبری جلد ا ص ۶۰ سطر ا)

حضرت محمدؐ کی واپسی

راہب قریش کے پاس آیا اور اس نے خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ اس لڑکے کا ولی کون ہے۔ انہوں نے کہا ابو طالب۔ اب وہ ابو طالب کو خدا کا واسطہ دے کر اصرار کرتا رہا کہ تم اس بچے کو واپس لے جاؤ اور جب تک اسے واپس نہ بھجوا دیا' اس نے ابو طالب کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ واپسی کے لئے ابوبکرؓ نے بلال کو آپؐ کے ساتھ خدمت کے لئے کر دیا اور اس راہب نے زاد راہ کے لئے بسکٹ اور زیتون آپ کو دیا۔

سفر شام اور راہب بحیرا کا مشہور واقعہ

بارہ برس کے سن میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عم محترم حضرت ابی طالبؑ کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا۔ ابن سعد' طبقات میں اس سفر کی کیفیت یوں لکھتے ہیں۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ برس کی عمر کے ہوئے تو جناب ابی طالبؑ ان کو ہمراہ لے کر قریش کے قافلہ تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے اور بحیرا نامی راہب عیسائی کے مسکن پر منزل گزیں ہوئے۔ راہب بحیرا نے حضرت ابی طالبؑ سے جناب رسول خدا صلعم کی نسبت وہ سب باتیں کہہ

دیں جو اس کو آپ سے کہنی تھیں اور آپ کی حفاظت و نگرانی کے متعلق تاکید کر دی۔ چنانچہ حضرت ابی طالب آپ کو وہیں سے اپنے ہمراہ مکہ واپس لائے۔ (طبقات ص۷۶)

اس عربی کی مستند ترین سیرت میں تو یہ واقعہ اتنا ہی ہے جو لکھا گیا ہے سیرۃ النبیؐ میں شبلی صاحب نے حق ناحق اس کو ایک معرکتہ الارا مسئلہ تاریخی بنا دیا ہے اور حدیث و سیرت کی تحقیق و تنقید کے باوجود اختراع سے وہ غلط بحث تیار کیا ہے کہ صاف جبعان زمانہ کی عام بد مزگی اور ناگواری کا باعث ہوتا ہے۔ شبلی صاحب کی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو۔

ابو طالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا۔ سال میں ایک مرتبہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی۔ کہ ابو طالب نے سفر شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور خیال سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن آنحضرت صلعم کو ابی طالبؓ سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابی طالبؓ چلنے لگے تو آپ ان سے لپٹ گئے۔ ابو طالب نے اب ان کی دل شکنی گوارا نہ کی۔ اور ساتھ لے لیا۔ عام مورخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابو طالب بصرے میں پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے۔ جس کا نام بحیرا تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر کہا۔ کہ یہ ختم المرسلین ہیں۔ لوگوں نے پوچھا تم نے کیسے جانا۔ تو اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے نیچے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدہ کے لئے جھک گئے۔ طبری نے مختلف طریقوں سے اس واقعہ کو لکھا ہے۔

طبری کے مختلف طریقوں میں سے صرف ایک طریقہ کا خلاصہ اور ماحصل شبلی صاحب نے لیا ہے۔ اور اس پر ذیل کی تنقید لکھی ہے۔ یہ روایت مختلف طریقوں میں بیان کی گئی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اس روایت سے جس قدر تمام مسلمانوں کو شغف ہے اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے۔ سر ولیم میور، ڈریپر اور مارگولوس وغیرہ سب اسے عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں۔ اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہب کے حقائق اور اسرار اسی راہب سے سیکھے۔ اور جو نکتے اس نے بتا دیئے تھے انہیں پر آنحضرت صلعم نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے تمام عمدہ اصول انہیں نکتوں کے شروح اور حواشی ہیں۔ عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اسی طرح ماننا چاہئے جس طرح روایت میں مذکور ہے اس میں بحیرا کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں۔ قیاس میں بھی نہیں آسکتا کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام حقائق سکھا دیئے جائیں۔ اگر یہ کوئی خرق عادات تھا تو راہب بحیرا کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

مولوی شبلی صاحب اپنی جبلی عادت سے مجبور ہیں۔ آپ ایک حد تک معقول اور کافی جواب دے چکے۔ اب

اس سے زیادہ انکشاف تو پھر وہی اپنا ہی پردہ فاش کرنا ہے۔ اب ان الفاظ میں اس روایت کی تنقید یا تکذیب فرمائی جاتی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اس روایت کے جتنے طریقے ہیں۔ سب مرسل ہیں۔ یعنی راوی اول واقعہ کے وقت موجود تھا۔ اور اس راوی کا نام بھی نہیں بیان کرتا۔ جو شریک واقعہ تھا۔ اس کاسب سے زیادہ مستند طریقہ یہ ہے۔ جو ترمذی میں مذکور ہے۔ اس کے متعلق تین باتیں قابل لحاظ ہیں (۱) ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ حسن اور غریب ہے اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ سے نہیں جانتے ہیں۔ (۲) حسن کا مرتبہ حدیث صحیح سے کم ہوتا ہے اور جب غریب ہو تو اس کا رتبہ اور بھی گھٹ جاتا ہے۔ (۳) اس حدیث کا ایک راوی عبدالرحمن ابن غزوان ہے۔ اس کو بہت سے لوگوں نے اگرچہ ثقہ بھی کہا ہے لیکن اکثر اہل فن نے اس کی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ عبدالرحمن سن کر حدیثیں بیان کرتا ہے جن میں سب سے منکر وہ حدیث ہے جس میں راہب بحیرا کا واقعہ مذکور ہے۔ (۴) حاکم نے مستدرک میں اس روایت کی نسبت لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔ علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ میں اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔ (۵) اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت بلال اور ابوبکر بھی اس سفر میں شریک تھے حالانکہ بلال کا اس وقت وجود ہی نہیں تھا۔ اور حضرت ابوبکر بچے تھے۔ (۶) حدیث کے آخری راوی ابو موسیٰ اشعری ہیں۔ جو خود شریک واقعہ نہیں تھے۔ اور اوپر کے راوی کا نام بھی نہیں بتاتے۔ (۷) ترمذی کے علاوہ طبقات ابن سعد اور مستدرک وغیرہ میں جو سلسلہ سند مذکور ہے سب مرسل ہیں۔ یعنی بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے۔ (۸) حافظ ابن حجر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں لیکن چونکہ حضرت ابوبکر اور بلال کی شکایت روایتہً غلط ہے۔ اس لئے مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعا بھی صحیح نہیں۔ کہ اس روایت کے تمام رواۃ قابل سند ہیں۔ عبدالرحمن ابن غزوان کی نسبت خود انھیں حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ خطا کرتا تھا۔ اس کی طرف اس وجہ سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے مالک کی روایت نقل کی ہے۔ مالک کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں۔ (سیرۃ النبی ص ۱۳۰، ۱۳۱)

چونکہ شبلی صاحب نے اپنی تنقیدی عبارت پائین صفحہ نہیں لکھی ہے۔ بلکہ اصلی کتاب کی عبارت میں داخل کر دی ہے۔ اس لئے اس کی نسبت مجھ کو جو کچھ عرض کرنا ہے وہ میں بھی حاشیہ زیرین کی عبارت میں نہیں۔ بلکہ اپنے اصلی سلسلہ بیان میں منضم کرتا ہوں۔

شبلی صاحب کے ایسے محقق زمانہ کی مرقومہ بالا تنقید جو خاص کر عیسائیوں کے اعتراض کی تردید میں لکھی گئی

ہے جس وقت حقیقت کی نظر سے دیکھی جاوے گی تو جیسا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اس وقت بھی پھر وہی عرض کریں گے۔ کہ آپ کے اس ناگوار اور غیر استوار طریقہ تنقید و استدلال سے نہ معترضین کی تردید ممکن ہو سکتی ہے اور نہ تسکین۔ بلکہ آپ کی موجودہ تنقید تو آپ کے محدثین و محققین کی کوتہ رتی کو نظری اور کوتہ عقلی کی حقیقت مخالفین و معترضین اسلام پر واضح اور روشن کرتی ہے۔ اور یہ آپ کی جدت پسندی کا وہ طریقہ ہے جو معترضین کے ارادہ تعریض اور حوصلہ تکذیب کو اور وسیع کر دیتا ہے۔ ہر شخص آپ کے مرقومہ بالا تنقید کو پڑھ کر بلا تکلف سمجھ لے گا کہ اسلامی مولفین اور مصنفین محدثین سے لے کر مورخین تک سب کے سب غلط نگار تھے اور کورانہ نقل کرنے کے عادی۔ بدقسمتی سے اس سلسلہ میں مورخین کا کیا ذکر محدثین صحاح' امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی' امام مالک وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔

آپ کی تنقید کی صورتحال کا ایک رخ تو یہ قائم ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا رخ یوں نمایاں ہوتا ہے کہ ترمذی صاحب اپنی صحیح میں اس واقعہ کو لکھتے بھی ہیں اور پھر اس کی صداقت میں عیب بھی لگا دیتے ہیں۔ پھر صحیح میں ایسے مشکوک یا ساقط از اعتبار مرویات کے اندراج کی ضرورت ہی کیا تھی۔ حاکم صاحب بڑے شد و مد سے بخاری صاحب اور مسلم صاحب کے شروط پر اس کی صداقت و صحت کا چیلنج دیتے ہیں۔ لیکن ذہبی صاحب حاکم صاحب کی انتہا پسندی کو اعتدال کے درجہ تک گھٹا لاتے ہیں۔ اور چونکہ امامین بخاری و مسلم کی شرط صحت لگی ہے۔ اس بنا پر اس کو بالتمامہ غلط ٹھہرانے کی جرات کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔

اگر غور سے موجودہ صورت حال پر نظر ڈالی جائے تو شبلی صاحب کی اس تنقید میں مرقومہ بالا دونوں رخوں کے علاوہ ایک تیسرا پہلو بھی نظر آتا ہے اور وہ حافظ ابن حجر شارح صحیح بخاری کا خاص طرز بیان ہے۔ ان بزرگ پر آخر شبلی صاحب کو غصہ آ ہی گیا۔ اور ان پر رواۃ پرستی کا الزام لگا ہی دیا گیا۔ آپ کے نزدیک' ابن حجر نے نہایت نازیبا اور بدنما پہلو بدلا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس روایت کی صحت کو بھی تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن چونکہ حضرت ابوبکر اور بلال کی شرکت بداہتہ "غلط ہے اس لئے مجبوراً" اقرار بھی کر لیا ہے۔ کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے یہاں تو ابن حجر نے اس حدیث کی صحت کی تصدیق کی۔ وہاں کتاب تہذیب التہذیب میں عبدالرحمٰن ابن غزوان کو حدیث میں خطا کرنے والا بھی لکھ دیا ہے۔ ابن حجر کی اسی دو رخی رائے پر شبلی صاحب کو طیش آ گیا۔

مگر ہم شبلی صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ آپ کا یہ عتاب بے جا ہے۔ اور طیش بے کار جب آپ صاف صاف ابن حجر کا یہ قول خود لکھ رہے ہیں کہ روایت میں اس حصہ واقعہ کے داخل ہو جانے سے جو بدیہی غلط ہے۔ ان کو اس کے کل و صحیح ہونے میں کلام ہے تو وجہ پا کر آپ کو بے وجہ برافروختہ ہونے کا کیا حق ہے۔ اب رہا یہ امر کہ ابن حجر بھی آپ اور آپ کے چند ہم خیال مولفین و مورخین کی طرح اس روایت

کے سراپا موضوع اور بالکل غلط ہونے کے کیوں قائل نہ ہوئے تو آپ کا یہ تحکم آپ کے حسن و تعقل کا
پتا اور ناز بے جا کا پورا مزہ دیتا ہے۔ اس کی وجہ بالکل صاف ہے اور روشن۔ ابن حجر معمولی پایہ کے بزرگ
نہیں تھے۔ صحیح بخاری کے شارح۔ شروح بخاری میں ان کی شرح کا سب سے پہلا نمبر ہے۔ وہ اپنے اصول
اور مختار مقررہ کے بڑے پابند تھے۔ وہ جانتے تھے کہ صحیحین کے شروط کے مطابق۔ جن میں بقول آپ کے
ایک ضعیف سے ضعیف روایت بھی نہیں درج کی گئی۔ پھر وہ ان کی مرویات کو سراپا غلط اور موضوع
بتلاتے ہیں اور ایسی معتبر اور مستند اصح الکتاب کی عظمت گھٹاتے۔ ان کی شرح آپ کی سیرۃ النبیؐ کا مقدمہ تو
تھی ہی نہیں جس میں ابتدا" تو کتاب صحاح کو عموما" اور صحیحین بخاری و مسلم کو خصوصا" صحت و صداقت
میں گویا قرآن مجید کا مترادف بتلایا جاتا ہے۔ مگر بالآخر تمام سلسلہ بیان اور مباحث تالیفی میں ان کو
موضوعات کا انبار اور افتریات کا دفتر ٹھہرایا جاتا ہے۔ اب فرمایا جائے کہ آپ کا یہ طریقہ موجودہ صورت
حال میں آپ کے لئے کون رخ تیار کرے گا۔ اور آپ اپنی ایسی روش انحراف کے مقابلہ میں ابن حجر کے
اختلاف کے لئے ان پر رواۃ پرستی کا کیسے الزام لگا سکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ بخاری ہوں' یا مسلم ہوں یا
ترمذی' مالک ہوں یا ابن حجر یا مولوی شبلی اصلیت سے سب جدا اور حقیقت سے سب علیحدہ۔

چون ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ یہ واقعہ روایت اور درایت دونوں طریقوں سے صحیح ہے۔ حضرت ابوبکر
اور حضرت بلال کی شرکت کے غلط اضافے نے یہ سارے مفسدے پیدا کر دیئے۔ جو حقیقتاً" ایسا سفید
جھوٹ ہے جو کسی طرح نہیں چھپ سکتا۔ ایسی کوری بے عقلی ہے جس کی تاویل ممکن نہیں۔ کیا بنے بات
جہاں بات بنائے نہ بنے۔ حقیقتاً ابن حجر سے کوئی بات نہیں بن سکتی تھی۔ انہوں نے صرف اس حصہ
حدیث کے غلطی سے اصلی حدیث میں مخلوط ہو جانے کا اعتراف کر دیا۔ تو کیا برا کیا۔ یہ تو اس کا ضعف
تمدن نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اس کا عین تمدن اور اپنے اصول کی کمال پابندی قرار دی جائے گی۔ شبلی صاحب
اپنے مولفانہ تلون پر ذرا بھی خیال نہیں فرماتے۔ میری دانست میں ابن حجر نے ذہبی سے زیادہ قصور نہیں
کیا ہے۔ آپ خود تلخیص مستدرک سے ذہبی کا یہ قول اوپر نقل فرما چکے ہیں کہ میں اس حدیث کو موضوع
جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔ اب اس بیان کو ابن حجر کے کلام سے ملایا جاوے تو مدعا دونوں کا ایک ہی
پایا جاوے گا۔ فرق یہ ہے کہ ذہبی نے بڑے حزم اور احتیاط سے اس غلط حصہ روایت یا واقعہ کا نام نہیں
بتلایا۔ اور ابن حجر نے اپنے کمال تدین سے اس غلط حصہ روایت یا اضافے حدیث کو بتلایا لیکن مشکل تو یہ
ہے کہ اب آپ کو یہ کون بتلائے کہ کن لوگوں نے کس غرض و غایت سے یہ بے جوڑ جوڑ لگایا۔

افسوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

صحیحین کے استحفاظ مراتب کا یہ مستحسن طریقہ تھا کہ یہ بحث یہیں تک رہنے دی جاتی اور اس اضافہ کی وجہ
اور اضافہ کرنے والے کی تلاش نہ کی جاتی۔ ہم کو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ یہ حدیث جو صحاح کے

معتبر کتابوں میں سے لے کر حدیث کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں میں اس وقت سے لے کر اس وقت تک نقل ہوتی چلی آئی ہے صرف اپنے ایک حصہ کی غلطی کی وجہ سے بالکلیہ غلط ہو جائے گی۔ یہ اصول آپ کی تحقیق کے مطابق ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ قواعد کلام کے موافق۔ عبدالرحمٰن ابن غزوان کی جرح و قدح بھی اصولاً" ایسی مستحکم اور ناقابل التاویل نہیں معلوم ہوتی۔ اسی روایت کی نسبت آپ خود "اعترافاً" تحریر فرما چکے ہیں کہ اس کو بہت سے لوگوں نے ثقہ بھی لکھا ہے اور بعض نے منکر بھی۔ اس بنا پر اس کے قطعی کاذب اور وضاع ہونے کی بھی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ صرف ذہبی نے اس کو منکر لکھا ہے۔ اور اس کے مرویات سے خصوصاً" واقعہ راہب بحیرا کو موضوع بتلایا ہے۔ تو گویا اس کی تنقید میں وہ متفرد ہیں۔ اب ان کی متفرد رائے کو کثیر التعداد محدثین کے مختار سے مقابلہ فرمائیں جو اس کی توثیق و صحت کے قائل ہیں۔ تو ذہبی کے مختار منفرد کا کیا وزن رہ جاتا ہے۔ اس لئے شبلی صاحب کی یہ تمام کد و کاوش بے کار اور غیر مفید کوشش ہے۔

اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ عبدالرحمٰن نے حضرت ابوبکر وغیرہ کی شرکت کے قبل تک اس واقعہ کو پوری اصلیت کے ساتھ بیان کیا۔ اور بقیہ حصہ کو اس موضوعیت کے ساتھ بیان کیا جیسا کہ اس نے غیروں سے غلط سنا تھا۔ اب رہا یہ امر کہ اس روایت کے تمام طریقہ مرسل ہیں۔ تو اولاً" اصول نقد حدیث کے مطابق مراسل صحابہ قطعاً" درست ہیں۔ یہ اعتراض بے جا ہے۔ ثانیاً" اس کے لئے صاحبان شیخین جوابدہ ہیں۔ جنہوں نے نقل و نقد حدیث کے اصول اقسام اور ابواب بھی قائم کئے۔ اور اپنی اپنی تالیفات کو ان اصول موضوعہ کا بظاہر سخت پابند بھی بتلایا۔ پھر ان موضوعات اور لغویات کی بھرتی بھی انہیں کتابوں میں بھر دی۔ اس کا جواب شیخین دے سکتے ہیں یا خود شبلی صاحب جو اپنے مقدمہ کتاب میں اتنے طمطراق سے ان بزرگوں کی مدح سرائی کر چکے ہیں۔

حقیقت میں شبلی صاحب کی یہ تنقید عیسائیوں کی فتح عظیم کی تردید تو کیا کرے گی۔ تائید البتہ کرتی ہے۔ کیونکہ یہ خانہ جنگی باہمانہ تکذیب و تردید تغلیط۔ بعد تصحیح جو اسلامی دائرے میں اکابرین صحاح سے لے کر عام محدثین و شارحین تک میں پھیلی ہوئی دکھلائی گئی ہے۔ جس وقت مخالفین کی نگاہ سے گذرے گی۔ ان کی تعریض و تردید کے حوصلوں کو اور بھی کشادہ کر دے گی۔ اور سمجھ لیں گے کہ بس یہ حضرات ایسے تھے اور اتنے۔ اپنے خیال میں شبلی صاحب نے عیسائیوں کو اس تنقید سے اپنی صفائی دکھلائی ہے مگر اس سے بھی ان کی قیاسی فتح عظیم کی بیخ کنی نہیں ہوئی۔ اور اسی کے دفعیہ کا کوئی پہلو بھی اس تحریر سے نہیں نکلا۔ سچ تو یہ ہے کہ شبلی صاحب کو وہ پہلو معلوم ہی نہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ عیسائیوں کی ذرا سی تعریض پر آپ اس قدر مضطرب الحواس ہو جاتے ہیں کہ حقیقی واقعات کو چھوڑ کر زوائد اور دور از قیاس ذرائع سے جواب دینا چاہتے ہیں اور اپنے علماء کی تغلیط کے ثبوت دے کر ان کی تردید پیش کرتے ہیں۔ جو گویا جواب

خلیفی ہو جاتا ہے۔ دیکھئے شبلی صاحب اس روایت کو عیسائیت کی فتح عظیم سمجھتے ہیں۔ وہ حقیقتاً" ان کی شکست فاش ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جیسا آپ کو خوف ہے۔ عیسائی اس روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راہب بحیرا سے رموز نبوت اور اصول شریعت کی تعلیم حاصل کرنا ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ دعویٰ محض افترا اور قطعی بے دلیل ہے۔ یہ مسلم ہے کہ یہی دلیل ان کا اصلی ماخذ ہے۔ مگر اس کی بالتمامہ عبارت سے ان کے دعویٰ کا ایک حرف بھی ثابت نہیں ہوتا۔ روایت موجود ہے عبارت حاضر ہے۔ الفاظ پیش نگاہ ہیں۔ کوئی عیسائی بتلا دے کہ اس کے کس جملہ کس حروف اور کس لفظ کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ راہب بحیرا نے محمدؐ کو نبوت کے رموز اور شریعت کے اصول بتلائے۔ جب ایسے معنی نہیں نکلتے تو وہ ضرور جھوٹ بولتے ہیں اور ان کا دعویٰ سراسر جھوٹا ہے اور ان کی فتح عظیم خالی ہوا میں قلعہ بندی ہے۔ یہ تو سرسری طور پر ان کی موہوم فتح عظیم کی حقیقت بیان کی گئی ہے جو شبلی صاحب کو اتنا مخوف اور مضطر بنائے ہوئے تھی۔ ہم نے اس کو ان کی شکست فاش قرار دیا ہے۔ ہم اب اس کو ثابت کرتے ہیں دیکھئے تاریخ طبری کے الفاظ روایت میں یہ ہیں۔

جناب ابی طالب قریش کے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کے قصد سے جانے لگے۔ جب اسباب سفر اور سواری کا سامان درست ہو گیا تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملول ہوئے اس وجہ سے کہ مشہور تھا کہ آپ کے عم محترم آپ کو اپنے ہمراہ اس سفر میں نہیں لے جائیں گے۔ حضرت ابی طالب نے آپ کو ملول دیکھ کر اور ملال کا باعث اس غلط خبر کو پا کر فرمایا کہ میں اپنے جگر گوشہ کو لئے بغیر کہیں باہر نہیں جا سکتا۔ اور نہ کسی حالت میں کسی وقت اپنے جگر پارہ کو جدا کر سکتا ہوں۔ چنانچہ ابی طالب نے آنحضرت صلعم کو اپنے ہمراہ لیا۔ جب قافلہ شہر بصریٰ میں جو علاقہ شام کے توابعات سے ہے۔ پہنچا تو وہاں ایک راہب نصرانی رہا کرتا تھا۔ جس کا نام بحیرا تھا۔ اس کا وہاں خاص صومعہ تھا۔ (خانقاہ) اور وہ اس زمانے کے تمام نصرانیوں میں باعتبار علم کتب سماویہ اعلم الناس تھا اور یہ کمالات علمی اس کو وراثتاً" اس کے سلسلہ میں ایک بزرگ کے بعد دوسرے بزرگ سے ملے تھے۔ اب کی بار یہ قافلہ تجار قریش وہاں منزل گزیں ہوا تو بحیرا نے ان کی ضیافت کے لئے بافراط کھانا تیار کیا۔ اور یہ اس باعث سے تھا کہ اس نے جناب رسول خدا کو اس حالت میں دیکھ لیا اور پہچان لیا تھا۔ کہ بخلاف اور اہالیان قافلہ کے آپ کے فرق مبارک پر ایک پارۂ ابر سایہ فگن تھا۔ اس اثناء میں قافلہ کے لوگ آ گئے اور اس کے صومعہ کے پاس ایک درخت کے سایہ میں فروکش ہوئے۔ راہب بحیرا اس ابر سایہ فگن کو برابر دیکھ رہا تھا۔ کہ اس درخت کی ڈالیاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سایہ کر دینے کی غرض سے جھکنے لگیں۔ تا آنکہ انہوں نے آپ کے فرق مبارک پر پورا سایہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر راہب بحیرا اپنے صومعہ سے نیچے اتر آیا۔ اور تمام مجمع قریش کو اپنے پاس بلایا۔ جب بحیرا کی نظر آپ کے روئے منور کی طرف پڑی تو بڑی دیر تک آپ کے جمال

مبارک کی زیارت کرتا رہا اور آپ کے جسم مطہر میں ان اشیاء کا مشاہدہ کرتا رہا جو آپ کی صفات کے متعلق اس کی کتابوں میں لکھے تھے اور اس نے پڑھے تھے تمام لوگوں نے جب کھانے سے فراغت کی۔ تو بحیرا نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے خواب و بیداری کے حالات استفسار کئے۔ آپ نے اسے بتائے۔ تو اس نے آپ کے جوابات کو بھی ان صفات مخصوصہ کے مطابق پایا جو اس کی کتابوں میں لکھی تھیں۔ اس کے بعد اس نے آپ کی پشت مبارک پر غور کیا تو مہر نبوت کو دوش مطہر کے مابین پایا۔ پھر آپ کے عم محترم ابی طالب کی طرف مخاطب ہوا۔ اور کہنے لگا۔ یہ لڑکا تمہارا کون ہے حضرت ابی طالب نے کہا میرا بیٹا ہے۔ راہب بحیرا نے کہا کہ یہ آپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ میرے علم کے مطابق اس کے باپ کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ حضرت ابی طالب نے جواب دیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ بحیرا نے کہا کہ اس کا باپ کیا ہوا۔ ابی طالب نے کہا کہ وہ مرگیا اور اس کی ماں بھی گذر گئی۔ بحیرا نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ اچھا تو آپ اس کو اپنے ہمراہ اپنے شہر کی طرف یہاں سے واپس لے جائیں۔ اور اس کے متعلق یہودیوں سے ہمیشہ خائف رہا کریں۔ قسم خدا کی اگر وہ اسے دیکھ پائیں گے اور اسی معرفت کے ساتھ جیسا کہ میں نے اس کو پہچان لیا ہے وہ بھی پہچان لیں گے۔ تو پھر اس کے ساتھ شر و فساد برپا کریں گے۔ کیونکہ اس کے لئے ایک شان عظیم ودیعت ہوئی ہے۔ یہ سن کر آپ کے عم محترم آپ کو اپنے ہمراہ لے کر وہاں سے واپس ہوئے اور داخل مکہ ہو گئے۔

دوسری روایت طبری کی یہ ہے۔

حضرت ابو طالب نے شام کا سفر کیا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اور تمام اکابرین قریش بھی قافلہ میں شامل تھے۔ جب یہ لوگ دیرا راہب کے پاس پہنچے تو اتر پڑے اور اپنے سامان قیام کرنے کے قصد سے اتار لئے۔ وہ راہب اپنے صومعہ سے باہر نکلا۔ حالانکہ اس سے قبل قریش کا قافلہ چند بار آ چکا تھا اور وہیں قیام کر چکا تھا مگر وہ راہب نہ کبھی ان کے پاس آیا تھا اور نہ ان لوگوں سے ملتفت ہوا تھا۔ راہب کی اس صورت حال اور طرز سلوک سے سامان اتارنے والوں کو ایک حیرت انگیز فکر دامن گیر ہوئی۔ یہاں تک کہ اس راہب نے آتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک تھام لیا اور کہا کہ سید العالمین اور رسول رب العالمین ہیں۔ اور یہ وہی ہیں جن کو خدائے سبحانہ تعالیٰ نے دونوں جہان کی رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ یہ سن کر اکابر قریش نے پوچھا کہ یہ تم نے کیسے جانا راہب نے جواب دیا کہ جس وقت تم لوگ یہاں آئے اور اپنا راحلہ اور سامان سفر وغیرہ اتارنے لگے تو میں نے دیکھا کہ کوئی شجر اور کوئی حجر ایسا باقی نہیں رہا جو ان کے سجدہ تعظیمی کے لئے جھک نہ گیا ہو اور سوائے نبی کے اور کسی کے لئے سجدۂ تعظیمی نہیں کیا جاتا اور میں نے ان کو مہر نبوت سے بھی پہچان لیا۔ جو ان کے دوش مبارک کے حصہ زیریں کی طرف نمایاں ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اور ان لوگوں کی

دعوت کے لئے کھانے پکوا کر اپنے ہمراہ لایا۔ تو آنحضرتؐ اونٹوں کو چرا رہے تھے۔ راہب نے کہا کہ ان کو بلا بھیجو۔ جب آپ آئے تو فرق مبارک پر پارہ ابر سایہ گستر تھا۔ بحیرا نے قریش سے خطاب کر کے کہا کہ اس پارہ ابر کو دیکھتے جاؤ جو ان کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ پھر جب آپ قوم سے قریب آ گئے تو اس شجر سے بھی وہی کیفیت ظاہر ہوئی جو پہلی روایت میں بیان ہو چکی ہے۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم درخت کے نیچے بیٹھ گئے تو وہ درخت آپ کے اوپر جھک گیا۔ بحیرا نے پھر مجمع قریش سے کہا۔ کہ اس درخت کے جھکنے کو دیکھو۔ پھر وہ راہب مجمع قریش میں کھڑے ہو کر مناشدہ کے طریقہ میں کہنے لگا۔ کہ میں تم پر تاکید کرتا ہوں کہ تم ان کو (آنحضرت صلعم کو) روم میں (علاقہ شام اس وقت روم کا ماتحت تھا) نہ لے جاؤ۔ کیونکہ اہل روم اگر ان کو ان صفات کے ساتھ پہچان لیں گے تو قتل کر ڈالیں گے۔ چنانچہ وہ سات آدمی جو روم سے ہو آئے تھے بحیرا پہلے انہیں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ کہ کہو ان مشاہدات کا تم پر کیا انکشاف ہوا۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ یہ خدا کے فرستادہ نبی ہیں اور کوئی طریقہ مذہب ایسا نہیں ہے جس میں ایک نبی نہ مبعوث کیا گیا ہو۔ اور ہم لوگ بھی اس طریق کو بہتر سمجھتے ہیں اور جو اس طریقہ میں نبی مبعوث ہوا ہے۔ اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ بحیرا نے کہا۔ کیا تم ایسے شخص کو چھوڑ دو گے جس کو تم اپنے اخلاف میں سب سے بہتر سمجھتے ہو۔ سب نے کہا کہ نہیں کیونکہ ہم اس کو اس کے طریق میں نیکو کار سمجھ کر اختیار کر چکے ہیں۔ بحیرا نے کہا کیا تم ان اقرار و اعتراف کے بعد خدائے سبحانہ تعالیٰ کو جھٹلا سکتے ہو۔ کیا کوئی تم میں سے اس کی مشیت کو روک سکتا ہے۔ سب نے کہا کوئی نہیں ہم سب اس کی بیعت کریں گے اور اس کے ساتھ رہیں گے۔ بحیرا ان کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کہ تم میں سے اس شخص کا ولی کون ہے۔ سب نے کہا ابو طالب اس کے ولی ہیں۔ پھر بحیرا نے ابو طالب کے ساتھ اپنے مناشدہ کو تمام کیا۔ جب تک کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وہاں سے لے کر واپس ہوئے اور ابوبکرؓ اور بلالؓ بھی آپ کے ہمراہ واپس آئے۔ اور بحیرا نے کعک اور زیت کے تحائف آپ کے ہمراہ کر دیئے۔

تاریخ طبری میں انہیں دونوں مرقومہ بالا طریقوں سے یہ روایت مندرج ہے جن کی اصل عبارت نقل کر دی گئی ہے آخر روایت کا کچھ حصہ کا غیر مسلسل طور پر مولوی شبلی صاحب سے بھی سیرۃ النبی میں ترجمہ فرمایا ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ شبلی صاحب نے تالیف کتاب کے وقت طبری کی دونوں روایتیں اور ان کی عبارتیں ایک بار نہیں کئی بار ملاحظہ فرمائی ہوں گی۔ شبلی صاحب عیسائیوں کے اس متعصبانہ اور مغویانہ دعوے کی اہمیت اور اصلیت کو خود تحقیق فرما کر عربی ماخذوں کو سیرۃ النبی میں نقل فرما دیتے اور مورخین کو دکھلا دیتے کہ تم جن عربی ماخذوں پر صرف اتہام لگا کر اپنی فتح عظیم کے ہوائی قلعہ باندھ رہے ہو۔ وہ تو ان اصلی ماخذوں کے ایک لفظ سے کیا ایک حرف سے بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ بس یہی سے عیسائیوں کے غلط اتہام

والزام کی حقیقت کھل جاتی اور آپ کی خاطر مبارک سے بھی عیسائیوں کے اس اعتراض کا خوف واندیشہ
نکل جاتا۔ جس کی وجہ سے سخت اضطراب کے ساتھ اس قدر خامہ فرسائی کی بیکار زحمت اٹھائی گئی۔ ہم
نے اس واقعہ کو حدیث و تاریخ کے معتبر ماخذوں میں دیکھا ہے۔ سب سے زیادہ مفصل اور مسلسل طور پر
ابن ہشام نے اس واقعہ کی پوری کیفیت قلم بند کی ہے۔ ہم ان کی اصل عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔
حضرت ابی طالب نے بغرض تجارت شام کا قصد کیا۔ اور سامان سفر وغیرہ جمع ہو گیا۔ جناب رسالت مآب
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملول خاطر ہوئے جیسا کہ مشہور تھا کہ ابی طالب اس سفر میں آپ کو ہمراہ نہ لے
جائیں گے۔ یہ معلوم کر کے حضرت ابی طالب نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے بغیر کہیں باہر نہیں چل سکتا اور
میں کبھی تم کو اپنے ساتھ سے جدا نہیں کر سکتا۔ یہ فرما کر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ
لے کر ہمراہی قافلہ تجار قریش روانہ ہوئے۔ یہ قافلہ شہر بصریٰ میں جو متعلقات شام ہے پہنچا تو وہاں ایک
راہب رہتا تھا۔ جس کو بحیرا کہتے تھے اور اس کا ایک صومعہ خاص رہنے کے لئے تھا۔ اور وہ نصرانیت کا
عالم مشہور تھا۔ اور اس صومعہ میں اس سے بڑھ کر کوئی عالم ترین راہب نہیں گذرا تھا۔ اور اس کی نسبت
یہ مشہور تھا کہ اس کا علم و کمال وراثتاً" ایک بزرگ کے بعد دوسرے بزرگ سے سینہ بسینہ پہنچا تھا۔
اب کی بار یہ قریشیوں کا تجارتی قافلہ بخلاف اس کے کہ قبل میں وہیں اکثر بار اتر چکا تھا۔ مگر نہ اس راہب
نے ان لوگوں سے گفتگو کی تھی اور نہ ان سے کسی قسم کا تعرض کیا تھا۔ اب کی بار جب یہ لوگ اس کے
صومعہ کے قریب اترے تو بحیرا نے ان لوگوں کی ضیافت کے لئے افراط سے کھانے پکوائے اس کی نسبت
ان لوگوں نے خیال کیا کہ آنحضرت صلعم کو دیکھ کر اس نے یہ نوعیت کی ہے۔ کیونکہ جب یہ لوگ اترتے
تھے تو وہ اپنے صومعہ سے دیکھ رہا تھا۔ کہ اہل قافلہ کے درمیان آپ کے سر مبارک پر ایک پارۂ ابر سایہ
افگن ہے۔ تا آینکہ اسی حالت سے قافلہ کے سب لوگ ایک درخت کے نیچے جو وہاں سے بالکل قریب تھا
فروکش ہوئے تو پھر اہل قافلہ نے اس پارۂ ابر کی طرف نظر کی تو اس کو اس درخت پر سایہ گستر دیکھا اور
درخت کی شاخوں کو بھی جناب رسول خدا صلعم پر سایہ افگنی کی غرض سے سرنگوں پایا۔ جب بحیرا نے یہ
مشاہدہ کیا۔ تو وہ اپنے صومعہ سے نیچے اترا۔ تب ان لوگوں کی دعوت کا انتظام کیا' اور جب کھانے پک چکے
تو ان لوگوں کے پاس کہلا بھیجا کہ حضرات قریش میں نے آپ کی مہمانی کے لئے کھانے پکوائے ہیں۔ اور
میری استدعا ہے کہ آپ سب لوگ چہ بزرگ چہ اطفال چہ غلام چہ آزاد تشریف لا کر ماحضر تناول فرمائیں۔
قریشیوں سے ایک صاحب کہنے لگے۔ کہ اے بحیرا شاید آج کے دن کے لئے کوئی مخصوص شان ہے کیونکہ
تم نے ہمارے ساتھ اس سے قبل کبھی ایسے محاسن سلوک ظاہر نہیں کئے تھے۔ آج کی کیا شان ہے۔ بحیرا
نے جواب دیا آپ لوگ سچ فرماتے ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ آپ لوگ مہمان ہیں۔ آج میری یہ خواہش
ہوئی کہ میں آپ حضرات کا اکرام و تواضع کروں۔ اور آپ کے لئے کھانا تیار کراؤں آپ سب لوگ مل کر

کھائیں چنانچہ سب لوگ خوان دعوت پر جمع ہوئے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو صغر سنی اور نیز سامان کی نگرانی کی وجہ سے اسی درخت کے نیچے چھوڑ دیا جب بحیرا نے تمام لوگوں کے مجمع پر نظر کی اور کسی کو بھی ان میں سے اس صفت کا نہیں دیکھا جس کو وہ پہچان چکا تھا' کہنے لگا۔ کہ حضرات قریش کیا آپ نے کسی آدمی کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اور اس کو دعوت میں شریک نہیں کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے ان تمام لوگوں میں سے جن کو تم نے دیکھا ہے کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔ مگر وہاں ایک لڑکے کو البتہ اپنے سامان کی نگرانی کے لئے چھوڑ آئے ہیں۔ بحیرا نے کہا نہیں ایسا نہ کیجئے ان کو بھی بلا لیجئے اور دعوت میں شریک کر لیجئے۔ اسی اثناء میں مجمع میں سے ایک صاحب بول اٹھے کہ لات و عزٰی کی قسم یہ ہماری لئیم الطبعی ہے کہ اگر ہم اس دعوت میں حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے یتیم فرزند کو چھوڑ دیں اور اس کو کھانے میں اپنا شریک نہ کریں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھے اور آنحضرت صلعم کو لا کر تمام قوم کے ساتھ خوان دعوت پر بٹھا دیا۔ جب بحیرا نے آپ کو دیکھا تو لحاظ خاص سے دیر تک خوب غور کرتا رہا اور پھر آپ کے جسم مبارک پر کچھ اشیاء کو دیکھتا اور تلاش کرتا رہا۔ تا آنکہ ان تمام اشیاء کو پا گیا جن کو وہ آپکی صفات خاص کے متعلق خاص طور پر جانتا تھا۔ جب تمام لوگ کھانے سے فراغت پا چکے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے تو بحیرا نے آپ سے کہا کہ اے نوجوان تجھ کو لات و عزٰی کی میں قسم دیتا ہوں۔ کہ میں تم سے اس وقت جو پوچھوں تم اس کا پورا جواب دو۔ بحیرا نے اس وجہ سے آپ کو لات و عزٰی کی قسم دی تھی کیونکہ وہ آپ کے اہل قافلہ کو ان کی قسم کھاتے ہوئے سن چکا تھا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بحیرا کا یہ سوال سن کر ارشاد کیا کہ مجھے لات و عزٰی کی قسم دے کر کوئی شے نہ پوچھو مجھے کسی شے سے اتنی نفرت اور اتنا بغض نہیں جتنا ان دونوں سے ہے یہ سن کر بحیرا نے کہا۔ کہ اچھا تو آپ کو اب خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ میں جو کچھ آپ سے اب پوچھتا ہوں آپ مجھے ان کا پورا جواب دیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اب جو پوچھنا ہو وہ پوچھو۔ یہ سن کر بحیرا نے آپ سے آپکی خواب و بیداری اور دیگر حالات وغیرہ کے متعلق سوال کئے۔ اور آپ نے اس کے مستفسرات کے جواب اس کی معلومات کے مطابق دیئے تھے۔ جو اس کو آپ کی صفات مخصوصہ کی نسبت پہلے سے حاصل تھے۔ اس کے بعد اس نے آپ کے دوش مبارک کے درمیان مہر نبوت کا مشاہدہ کیا اور یہ بھی ان علامات میں داخل تھی جو اس کو آپ کی صفات کے متعلق پہلے سے معلوم تھی۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ مہر نبوت نشان حجامت یعنی پچھنے کے ایسے نشان تھے جب بحیرا آپ کی تلاش حالات اور مشاہدہ صفات وغیرہ سے فراغت کر چکا تو جناب ابو طالب سے مخاطب ہوا اور پوچھنے لگا۔ کہ یہ نوجوان آپ کا کون ہے۔ ابی طالب نے کہا میرا بیٹا ہے۔ بحیرا نے کہا یہ آپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مجھے جہاں تک اس کے متعلق علم و اطلاع ہے اس کا باپ زندہ نہ ہو گا۔ ابی طالب نے کہا [illegible] کے باپ کیا ہوئے۔ ابی طالب بولے انہوں نے قضا کی۔ اور ان کی ماں بھی

گذر گئیں۔ بحیرا نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ آپ اپنے بھتیجے کو اپنے ہمراہ لے کر اپنے شہر کی طرف پھر واپس جائیے۔ اور ان کی نسبت یہودیوں سے ہمیشہ خائف رہا کیجئے۔ کیونکہ وہ لوگ اگر انہیں دیکھ پائیں گے اور اسی معرفت سے جس معرفت سے میں نے انہیں پہچان لیا ہے۔ پہچان لیں گے تو انکے لئے بہت سے مفاسد پیدا کریں گے۔ کیونکہ آپ کے اس بھتیجے کے لئے مرتبہ عظیم حاصل ہونے والا ہے۔ اس لئے آپ جلد انہیں لے کر یہاں سے چلے جائیں۔ بحیرا کے یہ کلام سن کر حضرت ابی طالب' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر بسرعت تمام وہاں سے روانہ ہو گئے اور داخل مکہ ہو گئے۔ جب اس قافلہ تجار کو شام میں تجارت سے فراغت ہوئی۔ جیسا بقول مشہور ہے۔ اہالیان قافلہ سے زریر۔ تمامہ اور دریس نامی یہودیوں نے آنحضرت صلعم کو بہمراہی ابی طالب اس سفر میں دیکھ لیا تھا۔ اور انہیں صفات مخصوصہ سے پہچان لیا تھا۔ تو آنحضرت صلعم کی نسبت اسی وقت سے ارادہ بد کر لیا تھا۔ لیکن بحیرا نے ان پر سخت اعتراض کیا اور کہا خدا کی قسم کیا تم نے اپنی کتاب میں اس کی یہ صفات اور حالات نہیں پائے ہیں اور اس خیال سے کہ وہ بدبخت آپ کے ساتھ ارادہ بد کر چکے ہیں اس لئے بحیرا نے ان کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ ان لوگوں نے بحیرا کے اقوال معرفت آنحضرت صلعم کی صداقت نہ کر لی۔ اس کے بعد وہ لوگ اپنے مفسدوں کی نیت سے باز آئے۔ اور وہاں سے چلے گئے۔

ہم نے مضمون زیر بحث کے متعلق عربی ماخذوں کی متعدد عبارتیں نقل کر دیں۔ صرف اس لئے کہ دنیا دیکھ کر اور پڑھ کر بتلا دے کہ ان طویل اور پر تفصیل عبارتوں کے کس جملہ اور کس فقرے سے عیسائی مؤلفین آنحضرت صلعم کی راہب بحیرا سے تعلیم پانے کے معنی لیتے ہیں اور اس بنا پر شبلی صاحب کو عیسائیت کی فتح عظیم کا خوف دلاتے ہیں۔ واقعات تو صاف صاف بتلاتے ہیں کہ بحیرا نے عادت انبیاء اور سیرت مرسلین کے مطابق آپ سے آپ کے ذاتی حالات و صفات کے متعلق چند مستفسرے پیش کئے اور آپ نے اس کے تمام سوالوں کے کافی جواب دیئے۔ جن کو سن کر بحیرا نے آپ کو موصوف بصفات چند انبیاء ہونا بطور کامل یقین کر لیا اور بس۔

اتنی قلیل مکالمت اور مخاطبت سے کون بے عقل آنحضرت صلعم کی نسبت تعلیم و تلقین یا تدریس پانے کے معنی لگائے گا۔ ہاں اگر اس قلیل مکالمت کے علاوہ بحیرا کے ساتھ آپ کی صحبت' خلوت اور مشورت کسی کتاب میں منقول ہوتی تو عیسائیوں کی ان بدگمانیوں کے لئے کسی قدر گنجائش ہو سکتی تھی مگر یہاں تو سرے سے اس خیال کا وجود ہی نہیں۔ پھر ایسے بے وجود اور لا اصل خیال کی فکر کیسی اور خوف ہی کیا یہ سب توہمات متعصبانہ ہیں جو مختلف قسم کے مہیب صورتوں میں پیدا ہو ہو کر انقطاع عالم میں عالم فریبی کے خاص عالم دکھلا رہے ہیں۔ حقیقت شناس تو اس فتح عظیم کے وسواس کے پاس بھی نہیں جاتا بلکہ حقیقت کی نگاہوں سے جیسا کہ ہم اوپر لکھے آئے ہیں۔ انکی اس قیاسی فتح عظیم کو شکست کامل بتلاتا ہے۔ کیونکہ صورت واقعہ

ثابت کر رہی ہے کہ عیسائیت کے اتنے بڑے عالم بحیرا نے جو علم و کمال کے اعتبار سے اس زمانہ کی عیسائی دنیا میں اپنی مثال اور اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ آنحضرت صلعم کی نبوت کی کامل طور پر تصدیق کر لی پھر تصدیق بھی کیسی عامیانہ اور کورانہ نہیں بلکہ محققانہ اور عارفانہ علاوہ بریں۔ یہ تصدیق اور یہ توثیق بھی کیسے کی اور کیونکر کی۔ اس طرح کہ کتب سماویہ کے صفات مندرجہ سے مطابق کرنے کے بعد اپنی تصدیق و تحقیق معرفت کا اظہار و اقرار کیا۔ اس تحقیق و تصدیق پر بھی اکتفا نہیں کی گئی۔ مشاہدہ کے بعد تجربہ بھی کر لیا گیا۔ جس طرح ابھی ابھی ابن ہشام کی عبارت سے ثابت ہوا کہ اول راہب نے ان صفات کو آپ میں مشاہدہ کر کے تمام قریش کی دعوت کا سامان کیا۔ لیکن مہمان جب کھانے کو بیٹھے تو بحیرا کی دانست کار نور محو انکار آنکھوں نے اس صفت کا تمام مجمع میں کسی ایک کو بھی نہ پایا۔ جس کے خیر مقدم میں اس ضیافت خاص کا اہتمام کیا گیا تھا اور حقیقت حال یہ تھی کہ ان صفات سے موصوف اور ان خصوصیات سے مخصوص جو ذات مقدس تھی وہ اس مجمع میں بحیرا کے پیش نظر نہیں تھی۔ تا آنکہ آنحضرت صلعم خاص طور پر بلوائے گئے جب تشریف لائے تو بحیرا کو پھر وہ تمام اوصاف و خصائص نظر آنے لگے اس کے بعد طبری کے الفاظ میں راہب بحیرا کا کہنا هذا سيد المرسلين بعثه رحمة للعالمين اس کی تصدیق رسالت اور اقرار نبوت کا کامل ثبوت ہے۔ بحیرا کی یہ تصدیق نبوت ایسی کامل اور جامع تھی جس کی توثیق و تحقیق قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ تو گویا راہب بحیرا کی معرفت تمام کتب سماویہ کے مطابق تھی۔ پھر اس کے کمال میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر اکثر علمائے اسلام نے اس کے سابق الایمان ہونے کی تصدیق فرمائی ہے۔ دیکھو زرقانی جلد اول تذکرہ راہب بحیرا۔ علاوہ بریں۔ امام المتکلمین فخرالدین رازی کی معرفت نبوت کے قرار داد اصول کے مطابق اگرچہ ایسے شخص نے اقرار شہادتین بھی نہ کیا ہو تاہم ایسے شخص کا ایمان بھی خاص ثابت ہے۔ اور اسلام بھی کامل۔ (دیکھو الکلام حصہ اعتدال مولوی شبلی مطبوعہ حیدر آباد)

بحیرا کے اقرار نبوت کے بعد اور اس کا اعلان بھی مرقومہ بالا مشاہدہ تاریخی سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابی طالب کو آنحضرت کی شان عظیم سے آگاہ کرنا اور بصرے سے فوراً ہی مکہ واپس لے جانے کی تاکید شدید کرنا۔ اشرار یہود کا جو ظاہر میں احبار یہود کہلاتے تھے مگر حقیقت میں تو غدار تھے اور سفاک۔ آنحضرت صلعم کے متعلق ارادہ بد کرنا۔ بحیرا کا ان کے منصوبوں پر ان کو سرزنش کرنا اور انہیں کی کتابوں سے ان کو معقول کرنا۔ یہ سب کا تھا۔ نبوت کی سچی پہچان تھی۔ اور رسالت کا نمایاں اعلان۔ مندرجہ صورت حال کو دیکھ کر اور پڑھ کر ہر شخص بلا تکلف سمجھ لے گا کہ اس عالم نصرانی کے موجودہ طرز عمل نے نصرانیت کی حقانیت پر محویت کا قلم پھیر دیا اور عیسائیت کو شکست کامل پہنچا کر صداقت اسلام کی فتح عظیم کا اعلان عام کر دیا۔

مسیحی مصنفین کی خاص عادت ہے اور عیسائی مستشرقین کا قدیم طرز تحریر کہ اسلام کی حق واقعات میں

طرح طرح کی قلم کاریوں سے کام لیتے ہیں اور اپنے مغویانہ اغراض و مقاصد سے ان کے غلط معانی لگا کر اور خلاف مطلب بتلانے میں ذرا بھی شرم نہیں کرتے۔ جیسا کہ راہب بحیرا کی حقیقت حال سے منکشف ہوا۔

اس بحث طولانی کے خاتمہ میں ہم کو اتنا اور بتلا دینا ضروری ہے کہ شبلی صاحب ہوں یا سرسید احمد خان۔ ان حضرات کا اس واقعہ کے وجود ہی سے انکار کرنا ایک بیکار کوشش ہے۔ کیونکہ ایسے صریح انکار سے مورخین اور محدثین اسلام پر کیا منحصر ہے۔ موضوعیت اور کذب و افترا کا التزام صحیحین تک پہنچ جاتا ہے اور معترضین کی نگاہوں میں اسلام کے ایسے مستند اور معتبرین علماء و محدثین کی بے اعتباری اور غلط نگاری ثابت کرنا ہے جن کی تالیفات اور تصنیفات کے اعتبار پر اصول اسلام کے دفتر کی شیرازہ بندی منحصر ہے۔ ایسی حالت میں یہ تردید انکاری تمام کتب حدیث و صحاح کی کساد بازاری کر دے گی۔ حالانکہ ان کی خطا ذرا بھی ثابت نہیں۔ واقعہ صحیح ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں مگر خوش قسمتی سے عقیدت مندوں نے جو جوڑ لگایا ہے وہ ایسا بے موقع اور بے تکا ہے کہ اصل و پیوند کا فرق صاف نظر آتا ہے۔ یہ اہل صحاح کی سادہ لوحی ہے یا اپنے اصول اور طریقہ کی پابندی کہ اس عیب کو آج تک نکال نہ سکے۔

اب رہا یہ امر کہ اس واقعہ کے سراپا موضوع ہونے کے متعلق شبلی صاحب نے صحیح ترمذی کا قول یا تاریخ طبری کے رواۃ کی جرح و قدح تعلیل و تعدیل قائم کی ہے۔ وہ سب دور از کار اور بے کار کا طومار ہے۔ خود شبلی صاحب نے سیرۃ النبی کے جلد اول اور جلد دوم بہت سی ایسی حدیثیں مندرج کی ہیں جو مراسیل کیا غریب اماد اور ضعاف میں داخل ہیں اور ان کتابوں سے برابر حوالے دیئے ہیں۔ جو تمام اقسام کی حدیثوں پر حاوی ہیں۔ ہم تو شبلی صاحب کے اس محققانہ اور مقتدانہ احتیاط کے اس وقت قائل ہوتے جب ہم دیکھتے کہ آپ نے ایسی کتابوں کو اپنا ماخذ نہ بنایا ہوتا۔ شبلی صاحب کو سمجھنا چاہیئے کہ ان کتابوں پر منحصر نہیں۔ ایک ترمذی کیا تمام کتب صحاح احادیث مراسل سے پر ہیں۔ شبلی صاحب اگر صحاح صرف مصدوق و مرفوع کی تنہا شرط پر قائم کر دیں گے تو اس معیار پر نہ بخاری، بخاری رہے گی اور نہ مسلم، مسلم۔ چونکہ ہم اس بحث کو کسی قدر اوپر لکھ آئے ہیں۔ اس لئے اس میں زیادہ طوالت بے کار ہے۔

باقی رہا شبلی صاحب کا یہ کہنا کہ ابو موسیٰ الاشعری طبری کے ایک طریقہ کا آخر راوی ابو موسیٰ الاشعری چونکہ شریک واقعہ نہیں تھا اس لئے اس کا قول قابل قبول نہیں۔ یہ آپ کا وہم ہے جو سرسید کی طویل حسن خدمت سے عارض ہوا ہے۔ ان کو بھی خطبات کے اکثر مقامات میں ایسے توہمات پیش آچکے ہیں۔ اعتراض پہلے دونوں حضرات کو اپنی تعریض کی حقیقت اور مطابقت قائم کر لیتی تھی۔ اور وہ کسی طرح قائم نہیں ہو سکتی۔ ظہور رسالت کے واقعات جو صحابہ کی زبانی مرقوم ہیں۔ ان میں آپ حضرات ان کی ذاتی شرکت کی تلاش کیونکر کر سکتے ہیں اور ان کی شرکت کو کیسے مانتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے ایسے قدیم صحابی کی شرکت کی

ابھی ابھی آپ خود موضوع و مجہول ثابت کر چکے ہیں۔ اور حقیقتاً ہے بھی ایسا ہی تو پھر ابو موسیٰ الاشعری اور دیگر متاخرین صحابہ کی شرکت کی تلاش تو ایک کھوئی ہوئی عقل والے کا کام ہو گا۔ حضرت ابوبکر مذکورۂ بالا واقعہ میں اگر شریک نہیں تھے تو پیدا تو ضرور ہو چکے تھے۔ اس لئے ان کا اس واقعہ کا ذکر کرنا اگرچہ عقلاً مستبعد ہو گا۔ مگر محال و ناممکن نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کے ذکر شرکت پر ایسا شدید انکار کیا گیا۔ تو پھر اس واقعہ میں ابو موسیٰ الاشعری کے ایسے متاخرین صحابہ کی تلاش شرکت تو اپنے معیار سے خود انکار کرنا ہے۔ اس لئے شرکت واقعہ کی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ ہاں آپ کو اس کے پوچھنے کا حق ضرور حاصل ہے کہ ابو موسیٰ نے کس سے سنا؟ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عالمان احادیث اور امامان مرویات نے قول صحابہ کو اتنی اہمیت اور عظمت دے کر نقد احادیث کے اصول میں صاف صاف لکھ دیا ہے کہ مراسیل صحابہ صحیح ہیں اور معتبر تو ایسی حالت میں اس مستفسر کا حق بھی آپ کو مشکل سے حاصل ہو سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم اس بحث کو اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتے اور اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔

راہب بحیرہ کا واقعہ اسلام کی صداقت اور آنحضرت صلعم کی رسالت و نبوت کا معیار عظیم ہے۔ رحمتہ للعالمین کے صفات قدسیہ اور سید المرسلین کے کمالات نبویہ کے متعلق اس عالم نصرانی کا اقرار۔ اعتراف اس کی تصدیق و توثیق حقیقت میں اصول اسلام کی بنیاد کو ایسی مستحکم اور استوار کرتی ہے جو نصرانیت اور رہبانیت کے بڑے بڑے زور آزما پہلوانوں کے ہلائے نہ ہل سکتی ہے نہ گرائے گر سکتی ہے۔ عیسائیوں کو دراصل یہ کمزوری ہے اور ان کے اصول کا حقیقی ضعف جو اسلام کی ایسی عظیم الشان فتح کو صرف عالم فریبی کی غرض سے عیسائیت کی کامیابی بتلاتے ہیں۔ یہ ان کا ایسا غلط دعویٰ ہے جو نہ عقل سے ثابت ہوتا ہے نہ نقل سے۔

ہم کو آخر میں یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ مولفین اسلامی سے اس واقعہ کی نقل و اندراج میں غلطی بھی واقع ہوئی ہے۔ اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ محدثین سے زیادہ مورخین کا طبقہ اس کے لئے زیادہ جواب دہ ہے۔ وہ غلطی یہ ہے کہ بحیرا کے واقعہ کو تمام مورخین اسلامی نے عموماً واقعات تاریخی کے سلسلے میں بیان کیا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نزدیک یہ واقعہ اس زمانہ میں پیش آیا تھا جب سن مبارک بارہ تیرہ برس کا ہو چکا تھا۔ اس بنا پر تمام تاریخوں نے ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہویں سال کے تفصیلی حالات میں اس واقعہ کو قلم بند کیا ہے۔ مورخین کو اس کے نقل سے پہلے اس کی اصلیت اور مناسبت پر لحاظ کرنا چاہئے تھا۔ ہم کو اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ واقعہ آپ کی عمر کے بارہویں سال میں واقع ہوا۔ لیکن سوائے اس تعلق اور مناسبت کے اس واقعہ کو آپ کے ذاتی حالات سے جو سیرت کا نہ اصل موضوع ہے اور نہ مقصود ہے۔ کوئی علاقہ اور واسطہ نہیں۔ اس واقعہ میں جس قدر حالات ... کہ صفات و علامات نبوت وغیرہ کے انکشاف کرتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ

اس واقعہ کے نقل و ذکر کا یہ مقام نہیں تھا۔ بلکہ اس کو اعلان نبوت اور اظہار رسالت کے قریب جگہ دینا چاہئے تھی اور نبوت کی پیشین گوئیوں اور سلسلہ بشارت میں ان کو قلم بلند کرنا بہتر تھا۔ لیکن ایں ہمہ یہ مقامی نامناسبت اس واقعہ کی موضوعیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ مورخین نے چونکہ عام طور سے آپ کی بشارت کو وقوعات قبل از ولادت سمجھ کر اپنی اپنی تالیفات میں بہت کم بیان کیا ہے اور اپنی موضوع تالیف سے زائد سمجھا ہے۔ اور ایک حد تک صحیح سمجھا ہے اس لئے اس واقعہ کو آپ کی صغر سنی کے حالات میں نقل کر دیا ہے۔ مگر وہ نقل بھی اسی حد تک ہے جس حد تک اس کی اصلیت ہے اور وہ اتنی ہی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات میں بحیرا کی نبوت و رسالت کے وہ تمام صفات و علامات جو اپنی کتب و صحائف میں اس نے پڑھے تھے تمام و کمال مشاہدہ کئے خود ان کی تصدیق کی اور دوسروں سے کرائی۔

مورخین اسلام کا اس واقعہ کے نقل و ذکر سے صرف اسی قدر مدعا تھا۔ اور اس کی حقیقت اور اصلیت بھی اتنی ہی تھی۔ عیسائی مصنفین کی دیانت داری اور حقیقت نگاری کا مقتضا یہی تھا۔ کہ اس واقعہ کو وہیں تک محدود رکھتے جہاں تک انہوں نے اصل ماخذوں میں پایا تھا جیسا کہ مولوی شبلی صاحب بتلا آئے ہیں۔ اور منشاء دیانت و عدالت یہی تھا کہ اس کے مقاصد و مطالب میں مغویانہ قلم کاریوں سے کام نہ لیتے۔ تو اہل اسلام کو ان کے ان تحریفانہ طرز علم کی تنقید و تردید کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن مقتضائے میعتش انیت کے مطابق ان کے متعصب اور نفسانیت نے اس موقع کو اپنی عالم فریب قلم کاریوں کے لئے غنیمت سمجھا۔ اور اس سے وہ لا یعنی اور مہمل معنی و مطالب نکالے جن کو نہ حقیقت سے واسطہ ہے اور نہ اصلیت سے سروکار۔

مرقومہ بالا واقعات سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابی طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر اس مقام سے واپس چلے آئے۔ اور اپنے جگر گوشہ کی حفاظت جان کے مقابلہ میں مال تجارت کے نقصان یا اصل سرمایہ کے تاوان کا کوئی خیال اور کوئی پرواہ نہیں کی۔ قریش کا یہ سالانہ تجارتی قافلہ تھا اور اس میں ان کے قدیم دستور کے مطابق تمام قبائل عشائر کے اکابر و عمائد شامل تھے۔ یہاں تک کہ ابی طالب کے سوا عبدالمطلب کے اور صاحبزادے بھی شامل تھے۔ بحیرا نے جناب رسالت مآب صلعم کی حفاظت و نگرانی کے متعلق جو کچھ کہا تھا۔ اور تائید کی تھی وہ ان سب کے سامنے کی تھی اور نیز آپ کی ذات میں نبوت و رسالت کے جو صفات و علامات پائے تھے ان کا اعلان کیا تھا۔ وہ سب کے مقابلہ میں کیا تھا۔ لیکن بحیرا کی اس صلاح و تاکید کا جو کچھ اثر ہوا۔ وہ صرف حضرت ابی طالبؑ کے قلب پر اور کسی پر نہیں۔ یہاں تک کہ عبدالمطلب کے اور بیٹوں میں سے کوئی صاحب اتنا بھی موثر نہ ہوئے کہ تجارت کے کاروبار میں چند دنوں بھائی بھتیجے کو بصرے سے مکہ تک پہنچا دیں۔ ابی طالب اس کی اصلیت کو خوب سمجھتے تھے اس لئے اس کی

نسبت نہ بھائیوں سے اصرار کیا اور نہ التماس کس لئے؟ اس لئے کہ وہ اپنے موجودہ منصب کی ذمہ داریوں سے خوب واقف تھے اور سمجھتے تھے۔ کہ حضرت عبدالمطلب نے اس منصب کی تفویض میں تعمیم نہیں اختیار کی۔ اور اس ودیعت الٰہی کی حفاظت و نگرانی کے لئے تخصیص جاری فرمائی جو حقیقتاً نظام مشیت کا اصلی منشا و مدعا تھا تو پھر اس میں دوسروں کی امداد و امانت کا خواستگار ہونا نظام قدرت میں خلل ڈالتا ہے۔ حضرت ابی طالب کی یہ احتیاط یہ استقلال اور یہ پاداری ان کے ان ذاتی خصوصیات و صفات کا پورا ثبوت رہی ہے جن کی بنا پر حفاظت رسول صلعم کے منصب اعلیٰ کے لئے مدبرین قدرت نے ان کا انتخاب فرمایا تھا۔ اور ان کے موجودہ اور نیز آئندہ طرز عمل اور حسن خدمات نے اس کے لئے پورا موزوں اور مناسب ثابت کر دیا۔ (اسوہ رسول)

مواہب لدنیہ

جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ برس کی عمر کو پہنچے تو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کی طرف تشریف لے گئے (اکثر علماء کا یہ قول ہے اور کہا گیا ہے کہ آپ کی عمر اس وقت نو سال کی تھی۔ یہ طبری وغیرہ کا قول ہے اور کہا گیا ہے کہ تیرہ سال کی عمر تھی اس کو ابو عمر نے حکایت کیا ہے اور ابن الجوزیؒ نے کہا ہے کہ اہل سیر اور تاریخ نے کہا ہے کہ آپ اس وقت بارہ سال دو مہینہ دس دن کے تھے اور سیرت مغلطائی میں ہے کہ آپ بارہ سال ایک مہینہ کے تھے۔ یہاں تک کہ آپ شہر بصریٰ میں پہنچے آپ کو بحیرا راہب نے جو عالم دین نصاری تھا' اور اس کا نام جرجیس تھا' اس نے آپ کو آپ کی صفت سے پہچان لیا۔ اس نے ایسے حال میں کہا وہ آپ کا دست مبارک پکڑے ہوئے تھا یہ سید المرسلین ہیں یہ سید العالمین ہیں یہ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو رحمتہ للعالمین مبعوث کرے گا (جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ** اس میں یہ ہے کہ آیت شریفہ کا معنی نصاریٰ کے پاس کتب قدیم میں تھا) کسی نے بحیرا سے پوچھا کہ تجھ کو اس کا علم کیونکر ہوا ہے اس نے کہا کہ جس وقت تم لوگ آپؐ کو اس گھاٹی کے قریب لائے کوئی درخت اور کوئی پتھر باقی نہ رہا مگر وہ سجدہ میں گرا۔ درخت اور پتھر سجدہ نہیں کرتے ہیں۔ مگر نبی کے واسطے اور بحیرا نے یہ کہا کہ میں آپ کو اس خاتم نبوت سے پہچانتا ہوں جو آپ کے شانہ کے غضروف کے نیچے سیب کے مثل ہے اور ہم لوگ آپ کو اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں اور یہود کے خوف سے آپ کے وہ دشمن ہیں ابو طالب سے یہ استدعا کی کہ وہ آپ کو واپس کر دیں۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اس میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے حال میں آئے کہ ایک ابر آپ پر سایہ کئے ہوئے تھا۔

ذہبی نے (کتاب تجرید صحابہ) میں کہا ہے کہ بحیرا راہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بعثت سے قبل دیکھا ہے اور وہ آپ پر ایمان لایا ہے اور اس کو ابن مندہ اور ابو نعیم نے صحابہ میں روایت کیا ہے علماء نے صحابی کی یہ تعریف کی ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا ہے وہ صحابی ہے ذہبی کا قول اس تعریف پر مبنی ہے کیا آپ کو دیکھنا حال نبوت میں مراد ہے یا اس حالت سے وہ دیکھنا اعم ہے تاکہ جس شخص نے نبوت سے پہلے آپ کو دیکھا ہے اور نبوت سے پہلے دین حنیفہ پر مر گیا ہے وہ اصحاب میں داخل ہو۔ یہ محل نظر ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں ساتویں مقصد میں بحث آئے گی۔ امام ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور حاکم نے روایت کی ہے اس حدیث کو صحیح کہا ہے وہ یہ ہے کہ اس سفر میں سات آدمی رومی آئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قتل کا قصد کرتے تھے۔

بحیرا ان لوگوں کے آگے آیا اور ان سے یہ پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو انہوں نے کہا یہ نبی اس مہینہ میں اپنے گھر سے سفر میں نکلنے والا تھا کوئی راستہ باقی نہیں رہا مگر اس کی طرف آدمی بھیجے گئے ہیں (یعنی ان کے بادشاہ نے ہر ایک راستہ کی طرف آدمی بھیجے ہیں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں) بحیرا نے ان سے پوچھا کیا تم نے کسی ایسے امر کو دیکھا ہے جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے کہ وہ جاری کیا جاوے کیا کوئی شخص آدمیوں میں اس کی قدرت رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس امر کو پھیر دے ان لوگوں نے کہا کسی کو یہ قدرت نہیں ہے۔ راوی نے کہا کہ ان رومی لوگوں نے رسول اللہ صلعم سے تعرض نہ کرنے اور آپ کو ایذا نہ پہنچانے پر بحیرا سے بیعت کی اور وہ بحیرا کے ساتھ اس لئے ٹھہر گئے (کہ ان کے بادشاہ نے ان کو آپؐ کے قتل کے واسطے بھیجا تھا جب بحیرا کے کہنے سے وہ اپنے ارادے سے باز آئے تو ان کو بادشاہ کی عدول حکمی سے اپنی جانوں کا خوف ہوا) اور ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پھیر دیا اور حضرت ابو بکرؓ نے آپ کے ساتھ بلال کو بھیجا۔ بیہقی نے کہا ہے کہ یہ قصہ اہل مغازی کے نزدیک مشہور ہے۔

اور حافظ ذہبی نے اس حدیث کو اس قول کی وجہ سے ضعیف کہا ہے کہ آخر حدیث میں یہ وارد ہے کہ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ نے بلال کو بھیجا ابو بکرؓ اس وقت متاہل نہیں تھے اور نہ انہوں نے بلالؓ کو خرید کیا تھا' حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے (اصابہ) میں کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں اور اس میں کوئی شے سوا اس لفظ کے منکر نہیں ہے کہ (حضرت ابو بکرؓ نے بلالؓ کو آپ کے ساتھ بھیجا) پس یہ لفظ اس پر عمل کیا جائے گا کہ یہ لفظ اس حدیث میں الحاق کیا گیا ہے اور اس حدیث کے روایوں میں سے کسی ایک کی غلطی سے یہ لفظ دوسری حدیث سے قطع کیا گیا ہے اس کے راویوں میں سے کسی راوی کو وہم ہو گیا ہے کہ یہ لفظ اسی حدیث کا ہے۔

ایک حدیث میں بیہقی اور ابو نعیم کے نزدیک یہ ہے کہ بحیرا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایسے

حال میں اپنے صومعہ میں شتر سواروں کی جماعت میں اس وقت دیکھا کہ وہ آ رہے تھے۔ حال یہ تھا کہ ایک سفید ابر قوم کے درمیان۔ آنحضرت صلعم پر سایہ گستر تھا پھر وہ لوگ آئے یہاں تک کہ ایک درخت کے سایہ میں جو بحیرا سے قریب تھا وہ اترے۔ بحیرا نے جس وقت ابر نے درخت پر سایہ کیا اور درخت کی شاخیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھک گئیں یہاں تک کہ آنحضرت صلعم نے اس درخت کے نیچے سایہ میں آرام کیا یہ کل امور دیکھے آخر حدیث تک اور اس حدیث میں یہ ہے کہ بحیرا کھڑا ہو گیا اور اس نے آپ کو بغل میں لے لیا اور بہت سی چیزیں جو آپ کے حال اور خواب اور آپ کی ہیئت اور آپ کے امور سے تھیں آپ سے پوچھنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیرا کو خبر دیئے جاتے تھے جس چیز کی آپ بحیرا کو خبر دیتے تھے وہ اس کے موافق پائی جاتی تھی جو علم کہ کتب سابقہ سے اس کے پاس آپ کی صفت سے تھی اور بحیرا نے خاتم نبوت آپ کے دونوں شانوں کے درمیان خاتم کی جگہ پر اس صفت سے دیکھی جو اس کے پاس تھی اور یہ واقعہ آگے آ چکا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ چھڑانے کے بعد بنی سعد میں تشریف رکھتے تھے آپ کی رضاعی بہن شیما بنت حلیمہؓ نے دوپہر کے وقت آپ کو ایسے حال میں دیکھا تھا کہ ابر آپ پر سایہ گستر تھا جس وقت آپ ٹھہر جاتے تو وہ ابر ٹھہر جاتا اور جس وقت آپ رفتار فرماتے تو ابر چلتا تھا اس حدیث کو ابو نعیم اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے اس شعر کے قائل کی نیکی اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے۔

ان قال یوما ظللتہ غمامتہ　　　　هی فی الحقیقتہ تحت ظل القایل

اگر قیلولہ کے وقت آپ داخل ہوتے اگرچہ اس وقت میں آپ نہیں سوتے آپ چلتے ہوتے یا نہ چلتے ہوتے ابر آپ پر سایہ گستر ہوتا تھا۔ فی الحقیقت ابر آپ کی حمایت میں تھا۔ یعنی ابر تبرک کے لئے آپ کا محتاج تھا اور آپ ابر کے محتاج نہیں تھے۔

شیخ بدر الدین زرکشی نے بعض اہل معرفت سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معتدل الحرارۃ اور برودت تھے۔ آپ کو نہ حرارت محسوس ہوتی تھی اور نہ برودت اور آپ اپنے اعتدال سے ابر کے سایہ میں تھے۔ ایسے ہی بدر الدین نے نقل کیا ہے۔

اور ابن مندہ نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ہوئے حضرت ابوبکرؓ اٹھارہ سال کے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیس برس کے تھے۔ تجارت کے باب میں شام کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ ایک ایسی جگہ میں اترے جس میں بیر کا ایک درخت تھا آپ اس کے سایہ میں بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکرؓ ایک راہب کی طرف چلے گئے جس کا نام بحیرا تھا اس راہب سے کچھ پوچھتے تھے۔ راہب نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا وہ مرد کون ہے جو اس درخت کے نیچے سایہ میں بیٹھا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ

نے اس سے کہا کہ وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ بحیرا نے کہا واللہ یہ شخص نبی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اس درخت کے سایہ کے نیچے نہیں بیٹھا مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سننے سے آنحضرت صلعم کی تصدیق ابوبکرؓ کے دل میں واقع ہو گئی۔ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث کئے گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ کا اتباع کیا۔ (مواہب لدنیہ جلد ا ص ۱۹۳ سطر ۳)

حضرت ابو طالب کا حسن سلوک

آپ کے جد امجد نے جب سے حضرت ابو طالب کو آپ کے بارے میں وصیت کی وہ آپ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ اور ایسی محبت وہ اپنی اولاد سے بھی نہ کرتے تھے۔ وہ آپ کو پہلو میں لٹائے بغیر نہ سوتے تھے اور آپ کے لئے اچھے سے اچھا کھانا مخصوص فرماتے تھے۔

بعض نے کہا: حضرت ابو طالب اور آپؐ کے والد کے دوسرے سگے بھائی حضرت زبیر کے درمیان آپ کی کفالت کے بارے میں قرعہ اندازی ہوئی تو قرعہ حضرت ابو طالب کے نام نکلا۔

بعض نے کہا! حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حضرت ابو طالب کو پسند فرمایا تھا۔ کیونکہ آپ دیکھتے تھے کہ حضرت ابو طالب آپ پر بہت زیادہ مہربان ہیں اور آپ کے ساتھ بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔

بعض نے کہا! کہ حضرت ابو طالب پہلے بھی حضرت عبدالمطلبؓ کے ساتھ حضور اکرمؐ کی کفالت میں شریک تھے۔

بعض نے کہا: حضرت عبدالمطلبؓ کی زندگی میں حضرت زبیر آپؐ کی کفالت فرماتے تھے اور حضرت زبیر کی وفات کے بعد حضرت ابو طالب نے آپ کی کفالت کی۔ مگر یہ روایت محققین کے نزدیک مردود ہے۔

جبکہ آپؐ کے والدین کی وفات کے بعد حضرت عبدالمطلبؓ اور حضرت ابو طالب کی کفالت کتب قدیمہ میں مذکور ہے۔ اور یہ امر نبوت کی نشانیوں اور سیف ذی یزن کی خبر میں ہے۔ کہ آپؐ کے والدین فوت ہو جائیں گے اور آپ کی کفالت آپ کے دادا اور چچا کریں گے۔ (سیرت دحلانیہ جلد ا ص ۲۴۲ سطر ۷)

بھوک و پیاس کی شکایت نہ کرنا

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی چھوٹی یا بڑی عمر میں کبھی بھوک یا پیاس کی شکایت کرتے نہیں دیکھا۔ آپ صبح کو زمزم نوش فرماتے اور بسا اوقات

ای پر پورا دن گذار دیتے اور فرماتے ہم سیراب ہو گئے ہیں۔ (سیرت دحلانیہ جلد ۱ ص ۲۴۵ سطر ۹)

حضرت ابو طالب کی پیش گوئی

حضرت ابو طالب کے لئے تکیوں والا فرش بچھایا جاتا تھا۔ آپؐ حضرت ابو طالب کے ساتھ اس پر تشریف فرما ہوتے تو حضرت ابو طالب فرماتے! میرے بھائی کا یہ بیٹا عظیم شان کا مالک ہے۔ حضرت ابو طالب آپ سے ایسی شدید محبت کرتے تھے کہ ایسی محبت وہ اپنی اولاد سے بھی نہ کرتے تھے۔ ہمیشہ آپ کو اپنے پہلو میں سلاتے اور جہاں بھی جاتے آپ کو ساتھ لے کر جاتے۔ (سطر ۱۷)

اسماعیلؑ کی سلالت باقی ہے اور تم ادھر ادھر دیکھتے ہو۔

انہوں نے کہا: گویا کہ تمہاری مراد ابو طالب سے ہے؟ اس نے کہا! ہاں وہی ہیں۔ پس وہ لوگ اٹھے اور میں بھی ان کے ساتھ اٹھا اور حضرت ابو طالب کے دروازے پر آگئے وہ ہماری طرف آئے تو لوگوں نے کہا! اے ابا طالب! وادیء مکہ قحط زدہ ہے اور ہمارے عیال خشک سالی کی زد میں ہیں۔ ہمارے ساتھ آکر بارش طلب کریں۔

حضرت ابو طالب تشریف لائے تو ان کے ساتھ ایک لڑکا تھا گویا کہ وہ سورج کا ٹکڑا ہو جس سے شعاعیں نکل رہی ہوں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جن کو بچوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔

حضرت ابو طالب نے آپ کو لیا اور آپ کی پشت مبارک کو دیوار کعبہ سے ملا دیا اور آپ کی انگلی اٹھا کر آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ جیسے کوئی التجاء اور تضرع کرتا ہے اور آسمان پر اس وقت بادل کا کوئی ٹکڑا نہ تھا۔ پھر اچانک بادل ادھر ادھر سے امڈ امڈ کر گرجنے چمکنے لگے اور زور کی بارش شروع ہو گئی جس سے شہر اور وادیوں میں جل تھل ہو گیا۔

اس بارش کا تذکرہ نعت میں

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد جب قریش نے آپ کو ایذا دینا شروع کی تو حضرت ابو طالب نے ان کے سامنے بچپن میں آپؐ کی برکت اور ہاتھ مبارک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا!

و ابیض یستسقی الغمام بوجہ ثمال الیتامی عصمت للارامل

یلوذ بہ الھلاک من ال ہاشم فھم عندہ فی نعمت و فواضل

وہ گورے مکھڑے والے جن کے چہرے سے بادل بارش مانگتے ہیں۔ آپ یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کے

نگہبان ہیں۔

وہ پناہ گاہ جن کے زیر سایہ آل ہاشم کو نعمتیں اور عطائیں حاصل ہوتی ہیں۔

پس اس بارش کا ہونا حضرت ابو طالب کے مشاہدہ سے ہے اور آپ نے یہ اشعار اس مشاہدہ کے بعد کہے ہیں۔ اور آپ کا یہ مشاہدہ دوسری بار ہے۔

خطابی کی حدیث میں ہے کہ اس سے پہلے حضرت عبدالمطلب کی زندگی میں قریش قحط کی زد میں آگئے تو حضرت عبدالمطلب کو ساتھ لے کر کوہ ابو قبیس پر گئے۔ حضرت عبدالمطلب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں اٹھا کر کھڑے ہوئے۔ آپ اس وقت بچے تھے۔ پھر انہوں نے دعا کی تو اسی وقت بارش ہو گئی۔

اس واقعہ کا مشاہدہ حضرت ابو طالب نے کیا تھا جس کی دلالت ان کے منظوم قصیدہ کے اس شعر سے ہوتی ہے کہ وہ گورے مکھڑے والے جن کے چہرے سے بادل بارش مانگتے ہیں۔

حضرت ابوطالب کا یہ طویل قصیدہ انہی اشعار پر مشتمل ہے اور یہی درست ہے۔ برخلاف ان لوگوں کے جو کہتے ہیں۔ یہ قصیدہ حضرت عبدالمطلب کا ہے۔ (سیرت دحلانیہ جلد ا ص ۲۴۶ مطبوعہ)

ابوطالبؑ کے لئے خوبی ہو

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور اس نے قحط اور خشک سالی کی شکایت اشعار میں پیش کی۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چادر اوڑھ کر منبر پر تشریف لائے اور دعا کے لئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا دیئے۔ آپ کے ہاتھ ابھی واپس نہ آئے تھے کہ آسمان پر بادل امڈ آئے پھر اس کے بعد اس قدر بارش ہوئی کہ لوگوں کو غرق ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دندان نظر آنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ کے ہاں ابو طالب کے لئے خوبی ہو۔ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ ہمیں ان کے شعر کون سنائے گا۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا گویا آپ کا ارادہ ان اشعار کو سننے کا ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ہاں تو یہ رسول صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس امر پر نص صریح ہے۔ کہ یہ قصیدہ حضرت ابو طالب کا ہے۔ جس کے پہلے شعر یہ ہیں۔

ولما رایت القوم راود عنہم و قد قطعوا کل العراد الوسائل

وقد جاہر و بالعداوة والاذی وقد طاوا عوامر الصد و المزائیل

وقد حالفوا قوما علینا اظنتہ یعفون غیظا خلفنا بالانامل

صبرت لہم نفسی بسمرا سمحتہ و ابیض عضب من تراث المقاول

اعبدمناف انتم خیر قومکم فلا تشرکوا فی امر کم و الغسل

فقد خفت ان لم یصلح اللہ امر کم تکونوا کما کانت احادث وائل

اعوذ برب الناس من کل طاعن علینا بسوء او صلح بباطل

و من کاشح یسعی لنا بعیبتہ و من ملحق فی الدین نامل یحاول

و ثور و من ارسی ثبیرا مکانہ ورلق لبرقی حراء و نازل

و بالبیت حق البیت فی بطن مکہ و باللہ ان اللہ لیس بغافل

للبتم و بیت اللہ نبزی محمدا و لما نطاعن دونہ و نناضل

و نسلمہ حتی نصرع حولہ و نذہل عن ابنائنا و الحلائل

میں نے اپنی قوم کو دیکھا۔ یہ لوگ ہماری محبت سے تہی دامن ہو گئے ہیں اور انہوں نے باہمی محبت کے وسائل کو منقطع کر دیا ہے۔

یہ لوگ ہماری دشمنی پر کمربستہ ہو کر اور ہمیں اذیت پہنچانے کا اعلان کرنے کے بعد اس دشمن سے گٹھ جوڑ کر رہے ہیں جو ہمیں الگ کر دینا چاہتا ہے۔

پھر مجھے یقین ہو گیا کہ قریش نے ہمارے دشمنوں سے دوستی گانٹھ لی ہے اور ہماری غیبت میں منہ سے اپنی انگلیاں کاٹ رہے ہیں۔

پس میں نے اپنی جان کی بازی لگا دی اور گندم گوں نیزے اور خاندانی میراث کی برق بار تلوار کو اٹھا لیا۔

اے عبدمناف! تم بہتر قوم کے لوگ ہو۔ اپنے آپ میں ان لوگوں کو شریک نہ کرو جو خود بخود داخل ہونا چاہتے ہیں۔

میں لوگوں کے رب کے ساتھ ان سب سے پناہ مانگتا ہوں جو ہمیں برائیوں یا باطل صلح سے مطعون کرتے ہیں۔

میں اس دشمن سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جو ہماری عیب جوئی کرتا ہے اور ہماری خواہش کے برعکس دین میں نئے امور پیدا کرتا ہے۔

مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے کوہ ثور و ثبیر کو اس کے مقام پر قائم فرمایا اور اس کی بھی قسم جو غار حرا میں جانے کے لئے پہاڑ پر چڑھتا ہے اور اترتا ہے۔

مجھے بیت اللہ اور اس کے حق کی قسم جو بطن مکہ میں واقع ہے۔ میں اس اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جو ہمارے حال سے بے خبر نہیں۔

اے گروہ قریش! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے حوالے کر دیں گے۔ یہاں تک کہ ہم ان کے ارد گرد گھیرا بنا کر لڑتے لڑتے گرا دیئے جائیں اور ہمارے حواس اس قدر معطل ہو جائیں کہ ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں۔

اس نعت کا باقی حصہ

علامہ زرقانی کہتے ہیں کہ ان کا قول وما احلی ابن اسحاق کے قصیدے کے خاتمے پر ہے۔

لعمری لقد کلفت و جنابہاء حمد — و احیبتہ داب المحب المواصل

فمن مثلہ فی الناس ای مومل — اذا قاسہ الحکام عند التفاضل

حلیم' رشید عاقل غیر طائش — یوالی الٰہالیس عنہ بغافل

فواللہ لولا' ان اجیء بسبتہ — تجر علی اشیاء خنا فی المحافل

لکنا اتبعناہ علی کل حالتہ — من الدھر جدا غیر قول التہازل

لقد علموا ان ابنا لا مکذب — لدینا و لا یعنی بقول الاباطل

فاصبح فینا احمد فی اورمتہ — تقصر عنہا سورۃ المتطاول

حدبت بنفسی دونہ و حمیتہ — و دافعت عنہ بالذرا و الکلاکل

مجھے میری جان کی قسم! احمدؐ اور اس کے بھائیوں کی محبت میرے دل میں رچ بس گئی ہے۔ جیسے کوئی کسی کا شیدائی ہو۔

تمام دنیا کے لوگوں میں کون ایسا ہے جو آپ کی مثل ہو' اگر اہل انصاف مختلف لوگوں کے فضائل کا اندازہ لگائیں گے تو آپ ہی سب کی امیدوں کا مرکز قرار پائیں گے۔

آپ بردبار' حلیم الطبع' ہدایت یافتہ' انصاف فرمانے والے اور غصہ پر قابو رکھنے والے ہیں۔ آپ اس معبود برحق سے محبت رکھتے ہیں جو ان سے غافل نہیں۔ (جلد ا ص ۲۴۷ سطر ۱۳)

محبت رسولؐ اللہ صلعم ابی طالبؑ کے دل میں

کان ابی طالب یحبہ شدیدا لا یحبہ ولدہ و کان لا ینام الا الی جنبہ و یخرج فیخرج معہ و یصب بہ ابی

طالب صفحہ بصب بہا بشتی (قط ۳ ج ۱ ص ۳۷)
ابی طالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسی شدید محبت تھی کہ ویسی اپنے کسی خاص بیٹے سے بھی نہیں تھی۔ راتوں کو ہمیشہ اپنے پہلو میں لے کر سلایا کرتے تھے۔ اور جہاں کہیں باہر جاتے آپ کو اپنے ہمراہ لے کر جاتے۔ اور جس چیز سے آپ کو رنج ہوتا۔ اس سے ابی طالب کو بھی ضرور رنج پہنچا کرتا تھا۔

یقیناً ابو طالب کو جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا تعلق اور تعشق تھا کہ ویسا دنیا میں کسی کے ساتھ نہیں تھا۔ اس ودیعت الہی کے ساتھ غایت درجہ کی محبت و الفت کے شامل خلوص و عقیدت کا اقرار و اظہار بھی کیا جاتا تھا۔ ابن سعد لکھتے ہیں۔

ابی طالب اور رسولؐ کی عقیدت

آنحضرت صلعم کے کھانے اور کھلانے کا خاص طور پر انتظام مدنظر رکھا جاتا تھا۔ اور یہ امر تجربتاً" پایا جاتا تھا کہ ابی طالبؑ کے بچے عام اس سے کہ مجتمع ہو کر یا منفرد ہو کر کھائیں آسودہ نہیں ہوتے تھے اور جب آنحضرت صلعم کے ساتھ کھاتے تھے تو سیر ہو جاتے تھے۔ اس لئے جناب ابی طالب نے یہ انتظام فرمایا کہ جب بچے کھانا کھانے کے لئے بیٹھتے تو آپ ان سے فرماتے کہ تاوقتیکہ میرا فرزند (آنحضرت صلعم) نہ آ لے۔ کوئی کھانا نہ کھائے۔ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ لیتے تھے تو بچے مل کر سب ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور ابی طالب اپنے بچوں سے برابر کہا کرتے تھے کہ آنحضرت کے ساتھ کھانے سے تمہارے کھانوں میں برکت ہوا کرتی ہے۔ نہیں تو تم سب کے سب بھوکے رہ جاؤ' اور کبھی نہ آسودہ ہو' اگر کسی دن اتفاقاً" آنحضرت صلعم ساتھ نہ ہوتے تھے تو حقیقتاً بچے آسودہ نہیں ہوتے تھے۔ عام طور سے صبح کو بچے سو کر اٹھتے تو پریشان دل اور آلودہ چشم اٹھتے لیکن بخلاف ان کے آنحضرت صلعم صاف ستھرے اور سرور الحال اٹھا کرتے تھے۔

اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابی طالب کے دل میں اپنے فرزند عزیز کی طرف صرف محبت مربیانہ ہی نہیں تھی بلکہ عقیدت مخلصانہ بھی تھی اور عظمت معتقدانہ بھی۔ اور یہ ان کی معرفت رسالت کا بین ثبوت ہے۔

عظمت رسول اللہ صلعم

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابی طالب اپنے والد بزرگوار حضرت عبدالمطلب کے وصی تھے۔ اور قائم

مقام تھے۔ اسی خصوصیت کی بنا پر آنحضرت صلعم کی کفالت و حفاظت میں ان کے بھی وہی طرز عمل ظاہر ہوتے ہیں جو عبدالمطلب کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ طبقات ابن سعد کے مقصد ذیل واقعات ہمارے بیان کے شاہد ہیں۔

کان ابو طالب قلتی لہ و فسادۃ یتعد علیھا الی النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم و ھو غلام فقعد علیھا فقال ابی طالب والہ زبیعہ ابن اجنی لحسین بنعمتہ

جناب ابی طالب کے بیٹھنے کے لئے ایک بار (دارالندوہ) میں فرش بچھایا گیا تھا۔ اس اثنا میں جناب رسالت ماب صلعم جو اس وقت کمسن تھے تشریف لائے اور اپنے چچا کے مقام پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ابی طالب آگئے اور آنحضرت صلعم کو اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا دیکھ کر کہنے لگے کہ ربیعہ کے خدا کی قسم میرے بھتیجے کے لئے ایک نعمت خاص کی نسبت ہے۔

یہ واقعہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ہم حضرت مطلب کے احوال میں لکھ آئے ہیں۔ اور اس سے یہ امر کماحقہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت عبدالمطلب نے آنحضرت صلعم کی اس شان عمل کو آپ کے علو مرتبت کا مقدمہ سمجھا تھا اور اس کا اعلان و اعتراف فرمایا تھا اسی طرح حضرت ابی طالبؑ نے آپ کی روحانی عظمت و جلالت کی تصدیق و توثیق فرمائی۔ اسی کے ایسا یہ واقع ہے۔ زرقانی' شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں۔

ابن عساکر اپنی تاریخ میں جہلمۃ ابن عرفطہ کا یہ مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ جہلمہ کا بیان ہے کہ میں ایک عین قحط کے موسم میں مکہ میں گیا۔ ابن عساکر کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ ابن عرفطہ کا بیان ہے کہ قریش سخت مصیبت قحط سے پریشان تھے۔ ان میں سے ایک نے صلاح دی کہ لات و عزیٰ سے استغاثہ و فریاد کی جائے دوسرے نے کہا کہ منات سے جو ثالث اخریٰ ہے چارہ جوئی کی جائے۔ ان میں سے ایک معزز ذی وجاہت اور صاحب الرائے بزرگ بول اٹھے کہ مجھے اس امر کا کامل یقین ہے کہ ابھی تم لوگوں میں ایک ایسا بزرگ قوم موجود ہے جو سلسلہ ابراہیمی کا بقیہ اور نسل اسماعیل کا خلاصہ ہے۔ اس کی طرف کیوں نہ رجوع کی جائے۔ سب نے کہا تمہارا اشارہ ابی طالب کی طرف ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں انہیں کی طرف ہے۔ جہلمہ کا بیان ہے کہ یہ سن کر سب کے سب کھڑے ہو گئے اور میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا' ہم سب مل کر ابی طالب کے مکان پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت ابی طالب نکل آئے۔ سب لوگوں نے عرض کی۔ اے ابی طالب ہر طرف سے قحط عظیم آ گیا ہے اور اہل و عیال کی بربادی کا وقت پہنچ گیا۔ سب کو سیراب کیجئے یہ سنتے ہی ابی طالب باہر نکل آئے۔ آپ کے ساتھ ایک کم سن بچہ تھا۔ اور وہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ ان کا روئے منور آفتاب تاباں کی طرح روشن تھا۔ ابی طالب

اس صاحبزادے کو انگلی پکڑائے آئے ان کے اور لڑکے اس بچے کو گھیرے ہوئے خانہ کعبہ میں آئے۔ اور رکن کعبہ سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئے اور اس بچہ کی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف بلند کر دیا۔ اور طلب باراں کی دعا کی۔ پارہ ہائے ابر سطح آسمان پر نمایاں ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد پانی برسا اور پھر تو ایسا برسا کہ تمام پانی بہہ نکلا اور تمام صحرا و بیابان سرسبز و شاداب ہو گئے۔

جناب ابی طالب نے صرف اعلان شان نبوت کی ضرورت سے نہ اپنے اظہار مفاخر و معارف کی غرض سے اس واقعہ کی یادگار میں ایک طویل قصیدہ نظم فرمایا ہے جو بالتمامہ سیرت ابن ہشام وغیرہم تمام عربی تواریخ و ادب کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اس قصیدہ اور خصوصاً" اس شعر کی قبولیت ایسی کامل اور پر اثر تھی کہ قلب رسالت میں اس کی یاد ہمیشہ بنی رہی۔ زرقانی بیہقی کے اسناد سے لکھتے ہیں۔ **جاء اعرابی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فقال یا رسول اللہ اتیناک و ما لنا صبی یغط و لا بعیر یئط و انشدنا بیاتا فقام صلی اللہ علیہ والہ وسلم یجرد رداءہ حتی صعد المنبر فرفع یدیہ الی السماء و دعا فمارد یدیہ حتی التقت السماء بابراقھا و جاوا یضجون الغرق فضحک صلی اللہ علیہ والہ وسلم حتی بدت نواجذہ ثم قال للہ در ابی طالب لو کان حیا القرت عیناہ من ینشدنا قولہ فقال علی یا رسول اللہ کانک ترید قولہ و ابیض یستسقی و ذکرا بیاتا فقال صلعم اجل۔** زرقانی ص ۲۳۱۔ یعنی ایک اعرابی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہ میں اپنی جانب سے حاضر ہو کر عرض کرتا ہوں کہ قحط زدگی کے باعث میرے بال بچے زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ میرے اونٹ بھوک سے چلا رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی آنحضرت صلعم اٹھ کھڑے ہوئے (ردائے مبارک کے گوشہ زمین پر مس ہوتے جاتے تھے۔) آپ اسی حالت میں منبر پر تشریف لائے۔ اور دست ہائے مبارک آسمان کی طرف بلند فرمائے۔ اور درگاہ رب العزت میں نزول باران رحمت کی دعا مانگی۔ دست ہائے مبارک بارگاہ قدرت کے سامنے سے نہیں ہٹے تھے۔ کہ صدور رحمت کے آثار ہویدا ہوئے۔ اور بکثرت مینہ برسا گیا۔ یہ مشاہدہ فرما کر آپ اس قدر شاداں و فرحاں ہوئے کہ دندان مبارک خندیدگی کے باعث نمایاں ہو گئے۔ اور ارشاد فرمانے لگے کہ کیا خوب ابی طالب نے کہا ہے۔ اگر اس وقت وہ ہوتے تو اس واقعہ سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتے۔ اور بہت ہی خوش ہوتے۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اس ارشاد سے آپ کا ان کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے۔ پھر شعر مذکورہ پڑھا۔ جو اوپر لکھا گیا ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ہاں یہی۔ اس عبارت نے حضرت ابی طالب کے اس شعر کی اعلیٰ قبولیت کے ساتھ بہت بڑا ضروری امر یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ ملک و قوم کی ایسی ناگزیر حالتوں کے وقت خاندان بنی ہاشم ہی مرجع خلائق قرار دیا جاتا تھا اور جب سب امکانی قوتیں بیکار ہو جاتی تھیں تو سلسلہ ابراہیمی اور خانوادہ اسمٰعیلی کے انہیں باقیات الصالحات اور چیدہ و برگزیدہ حضرات سے رجوع حاجات کی جاتی تھی۔ اور

یہ ذوات عالیہ بھی ایسے موقعوں پر ان کی کشود کاری اور مطلب برآری کو اپنے فرائض منصبی سمجھ کر ان کی حمایت و اعانت پر فوراً آمادہ اور مستعد ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ ہم حضرت عبدالمطلبؑ کے زمانہ سے لے کر جناب رسالت مآب صلعم کے عہد مسلسل لکھ کر دکھلاتے آئے ہیں۔ حالات و واقعات کو استیعاب کی نگاہوں سے دیکھنے والے حضرات ان واقعات کو تسلسل اور تواتر کے معیار تحقیق پر کامل پائیں گے۔ یہ وہی اوصاف مخصوصہ ہیں جو بارگاہ احدیت سے ان حضرات کے لئے مخصوص و محفوظ فرما دیئے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ مرتبت و عظمت خاندان ہاشم اور دودمان رسالت کے ساتھ بطور خصوصیت اتنا مستقل اور مستمر رہا کہ ان حضرات سے انتزاع امارت و حکومت کے بعد بھی ملک و قوم کو جب کبھی ان مصائب سے سامنا ہو جاتا تھا اور ان کے دفاع کے لئے کوئی تدبیر عملی کارگر نہیں ہوتی تھی۔ تو بالآخر فرمانروایان ملکی کے یہاقتدار اور سرداران قومی کے پنجہ اختیار انہیں داد رسان ملک اور فریاد رسان قوم کے دامنگیر حمایت و اعانت ہوتے تھے۔ اپنے اس بیان کے ثبوت میں ہم ذیل کا واقعہ صواعق محرقہ کی اصلی عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

و فی تاریخ دمشق الناس کرو و الا ستسقا علم الرمادۃ سنتہ تسع عشرۃ فی الھجرۃ فلم یسقوا فقال عمر ابن الخطاب لاستسقین غدا بمن یسقے اللہ بہ فلما اصبح غدا ذھب عمر عند العباس و قال لہ اخرج حتی نستسقے اللہ بک قال العباس یا عمر اقعدلی بیتی فارسل الی بنی ہاشم ان تطھروا و تلبسوا من صالح ثیابھم توہ فاخرج طیبا تطیھم ثم خرج العباسؓ و علیؑ امامہ و الحسنؑ عن یمینہ و الحسینؑ عن یسارہ و بنو ہاشم خلف ظھرہ و قال یا عمر لا تخلط بنا غیر نائم اتوا المصلی او قفوا العباس حمد اللہ و اثنی علیہ فقال اللھم انک خلقتنا و علمت ما نحن عاملون بہ قبل ان تخلقنا فلم یمنعک علمک بحا لنا عن رزقنا اللھم کلنہ علینا نے و سلمہ لیفضل علینا فی اخرہ قال جابر فما تم دعائہ یستحب علینا سحاب فما و صلنا الی منا زلنا الا بللنا من المطر فقال العباس انا المسقی ابن للمسقی خمس مرات اشارا لی ان ابہ عبدالمطلب استسقے خمس مرۃ فلیسقی اللہ الناس۔ صواعق محرقہ بحوالہ ینابیع المودۃ امام قندوزی مطبوعہ بمبئی ص۲۵۶ دو برس متواتر سے مدینہ کے تمام لوگ ۱۹ ہجری میں جو عام الرمادۃ کے نام سے تمام تاریخوں میں مشہور ہے۔ دوبارہ طلب باراں کے لئے نماز استسقا پڑھ چکے تھے۔ خدا سے دعائیں مانگ چکے تھے لیکن پانی نہ برسا۔ اور نہ وہ سیراب ہوئے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت عمر نے کہا کہ کل خداوند عالم تم سب کو سیراب فرمائے گا۔ غرض کہ صبح ہوئی۔ تو حضرت عمر حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ ہم لوگوں کے ساتھ چلئے کہ خداوند عالم آپ کی وجہ سے ہم لوگوں کو سیراب فرمائے۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ اے عمرؓ تم میرے گھر پر توقف کرو۔ اور بنو ہاشم سے کہلا بھیجو کہ وہ غسل و طہارت کر کے لباس ہائے فاخرہ سے آراستہ ہوں۔ چنانچہ وہ تمام حضرات یہ پیغام سن کر حضرت عمر کے پاس آئے۔ اور حضرت عمر نے عطر لگا کر ان کے لباس کو معطر فرمایا۔ پھر حضرت عباس نکلے۔ اور ان کے آگے آگے جناب علی مرتضیٰ

علیہ اسلام تھے۔ داہنے جانب حضرت حسن مجتبیٰ تھے اور بائیں طرف حضرت حسین شہید کربلا' ان کے پیچھے تمام بنو ہاشم تھے۔ حضرت عباس نے ارشاد کیا کہ اے عمر ہم لوگوں کے ساتھ کسی غیر کو نہ ملنے دو۔ یہ کہہ کر وہ تمام حضرات مقام نماز پر تشریف لائے۔ حضرت عباس ٹھہر گئے۔ نماز پڑھی اور خدا کی حمد و ثناء کی اور دعا کی اے پروردگار تو نے ہم لوگوں کو پیدا کیا۔ اور تجھ کو ہمارے افعال و اعمال کا ہماری خلقت سے پہلے علم ہے کوئی شئے تیرے لئے مانع نہیں ہو سکتی۔ اے پروردگار جس طرح تو نے ہم لوگوں پر اس سے قبل فضل و عنایت فرمائی ہے ویسے ہی اس آخر زمانہ میں بھی لطف و کرم فرما۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ یہ دعا ابھی تمام نہیں ہوئی تھی کہ چاروں طرف سے ابر گھر آیا۔ اور اس طرح موسلا دھار پانی برسا کہ گھر تک آتے آتے ہم تمام لوگوں کے کپڑے شرابور ہو گئے۔ یہ حال مشاہدہ فرما کر حضرت عباس فرمانے لگے کہ میں مستی (پانی پلانے والا) کا بیٹا ہوں۔ اور ایسے مستی کا بیٹا ہوں جس کی وجہ سے پانچ مرتبہ پانی برسا ہے۔ اور حضرت عباس کا یہ قول اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے زمانہ حیات میں دعائے استسقا کے ذریعہ سے پانی مرتبہ پانچ برسایا ہے۔

اس واقعہ نے ہمارے مذکورہ بالا بیان کی پوری تصدیق کر دی ہے اور بتلا دیا کہ بنی ہاشم ضعف اور تنگی کی حالتوں میں بھی اپنی روحانی عظمت و اقتدار پر قائم تھے۔ بلاو مصیبت کے ان لاینحل عقدوں کی کشود کاری کے لئے ملک و قوم کے تمام طبقات رعایا سے لے کر فرمانروا تک انہیں حضرات سے امید لگاتے تھے اور انہیں کے توسل سے اپنی کامیابی کی تلقین کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عمر نے تمام لوگوں سے حتماً کہہ دیا تھا کہ کل تم ضرور سیراب کئے جاؤ گے۔ ان کا یہ قول ثابت کرتا ہے کہ ان حضرات کے ذریعہ سے ان کو اپنی عملی تدبیر میں کامیابی کا پورا یقین تھا۔

اس خاندان جلیل الشان کے اور بزرگواروں کے بھی ایسے حالات اسی سلسلہ میں قلم بند کرتے مگر ضرورت سے زائد اور طوالت کا باعث سمجھ کر قلم انداز کرتے ہیں۔ اس واقعہ نے یہ بھی بتلا دیا کہ ایسی ناگزیر ضرورتوں کے وقت یہ حضرات بلا عذر و کلام رفاہ و فلاح عام کے کاموں کے لئے آمادہ اور مستعد ہو جاتے تھے۔ کیونکہ وہ عامتہ الناس اور کافتہ الخلایق کے انجاح مطالب کو اپنا فرض منصبی خیال فرماتے تھے۔ حضرت عباس کی اسی تخصیصی تاکید سے کہ ہمارے ساتھ کوئی غیر شامل نہ کیا جاوے۔ صاف صاف ثابت ہے کہ یہ منصب اور عہدہ اسی خانوادہ کے ساتھ مخصوص و محدود ہے۔ درین بزم رو نیست بیگانہ را۔ اور اس تخصیص میں حضرت عباس نے اپنے باپ عبدالمطلب اور اپنے بھائی ابی طالب کی پوری تاسی فرمائی ہے۔ جس طرح عبدالمطلب اور ابی طالب نے اپنے زمانے میں خاص آداب و ترکیب سے دعائے استسقاء فرمائی تھی۔ بالکل اسی طرح عباس نے بھی تعمیل کی۔ رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم زبانی جو واقعہ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ کا اوپر بیان ہو چکا ہے اگر اس سے اس واقعہ کا مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہو جائے گا کہ جس احتیاط و آداب

سے عبدالمطلب نے بہ معیت تمام بنی ہاشم دعائے استسقاء فرمائی تھی۔ اسی طرح حضرت ابی طالب نے اپنے وقت میں اور خاص جناب رسول خدا صلعم نے اپنے عہد معدلت مہد میں اور پھر حضرت عباس نے اپنے زمانہ میں ادا فرمائی اور یہ وہ مخصوص طریقے و محفوظ آداب ہیں جن پر سوائے ان حضرات کے دوسروں کو کم علم و اطلاع ہوتی ہے۔ اس واقعہ کو بخاری صاحب نے بھی باب المناقب عباس میں لکھا ہے لیکن اپنی کوتہ قلمی کے خاص انداز سے صورت واقعہ کو ایسا بدلا کہ پڑھنے والے کو اصل واقعہ کی کوئی تفصیل معلوم ہی نہیں ہو سکتی ہے۔ عبارت یہ ہے۔ **ان عمر ابن الخطاب کان اذا قحطوا استسقے بالعباس رضی اللہ عنہ فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک نبینا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اذا قحطنا فسقینا و انا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقون** جب لوگوں میں قحط پڑا تو حضرت عمر بن الخطاب نے بہمراہی حضرت عباسؓ دعائے استسقاء فرمائی اور یوں دعا کی۔ کہ پروردگار جب قحط پڑتا تھا تو ہم رسول صلعم کا وسیلہ اختیار کرتے تھے اور وہ ہم کو سیراب فرماتے تھے اب ہم اس وقت تیرے نبی صلعم کے چچا کے توسل سے تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں تو ہم کو سیراب فرما۔ پس ہم سب سیراب ہوئے۔

اس حدیث کے بیان کی شان اختصار اور عنوان حقیقت پر جب نگاہ کی جاتی ہے اور اس کی عبارت مذکورہ بالا تاریخ دمشق سے ملائی جاتی ہے تو اصل واقعہ کی صورت ہی تبدیل معلوم ہوتی ہے۔ اور ایسی کہ اول بآخر نسبتے نمیدارو کا صاف صاف مضمون جھلکتا ہے۔ ہم کو بخاری صاحب کی اس تخریج حدیث کی نسبت نہ تنقید منظور ہے اور نہ تردید۔ ہم کو تو آپ کی حقیقت نگاری اور واقعہ نویسی کی صرف شان دکھلاتی ہے۔ تو ہم کیا ساری دنیا جانتی ہے کہ بنو ہاشم اور خصوصاً بنی فاطمہ کے اختیار و آثار اور کسی قسم کے ذکر و اذکار آپ کی طبع نازک پر ازحد ناگوار گذرتے ہیں۔ اس لئے اس واقعہ کی اصل حقیقت لکھ کر دنیا کو بتلا دینے کی آپ جرأت نہ کر سکے۔ لیکن اصل حقیقت وہی تھی جو تاریخ دمشق کی تفصیلی عبارت سے اوپر لکھی گئی۔ مگر چونکہ اس کے الفاظ میں جناب علی مرتضی اور حسنین علیہم السلام کی روحانی عظمت و اقتدا کا اظہار و اقرار ہو جاتا تھا اس بنا پر اصل حقیقت کا انکشاف غیر مفید اور بیکار سمجھ کر صورت واقعہ ہی تبدیل کر دی گئی۔ تمناً اور تبرکاً حضرت عباس کی بزرگی کا خیال بھی کیا گیا۔ اور عظمت بھی قائم رکھی گئی تو وہ بھی ایسی کہ حضرت عمر کے ایک طفیلی کی شان سے آگے نہ بڑھ سکی۔

موضوعیت اشعار ابی طالبؑ

مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النبی کے حاشیہ پائین صفحہ ۱۴۳ میں لکھا ہے ابو طالب کے نام سے جو قصیدۂ لامیہ ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہے (ابن ہشام از صفحہ ۹۳، ۹۴) سرتاپا موضوع ہے۔ اس کے خاتمہ کے

اشعار یہ ہیں۔
لینا احمد لی اروسه : یقصر عنه صورة للتطاول : فایده رب العباد بنصره : و اظهر دینا حقه غیر باطل پچھ حضرت ابی طالب ہی کی کلام قدیم ہونے کی نسبت وضعی ہونے کی تعریض نہیں فرمائی گئی ہے بلکہ حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکر اور امیہ بن الصلت کے اشعار وغیرہ بھی ایسے ہی موضوع قرار دیئے گئے ہیں۔ اس کے موضوع ہونے کے ثبوت میں شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مطبوعہ مصر ص۲۲ میں خطیب بغدادی سے روایت کی ہے کہ محمد ابن اسحاق شعرائے وقت کو مغازی کے واقعات دے دیا کرتے تھے۔ کہ ان کے بارے میں اشعار کہہ دو' ان اشعار کو وہ اپنی کتاب میں شامل کر دیتے تھے۔ سیرۃ النبی زیریں حاشیہ ص۱۳۲۔ اس تعریض و تکذیب کی جو وجوہ و مجبوری شبلی صاحب کو لاحق ہوئی ہے وہ ان کی خاص عبارت سے ذیل میں لکھی جاتی ہے۔ اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ قرآن مجید میں توحید و معاد کی جو باتیں ہیں ان کے مطابق اشعار تصنیف کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے اسلام کی تائید ہو گی۔ امیہ ابن الصلت کے نام سے جو اشعار مشہور ہیں۔ ان کو دیکھ کر صاف یقین ہو جاتا ہے کہ کسی نے قرآن کو رکھ کر یہ اشعار کہے ہیں۔ مثلاً **فقلت له یظهرون فلادعوا۔ الی الفرعون الذکان طاغیا۔ و قولا له انت رفعت هذه بلا عمد رفق اذا بک بانیا۔ و قولا انت استویت سطحها۔ منیرا اذا ماجنه اللیل هادیا۔** ایک عجیب بات یہ ہے کہ مسٹر مارگوس نے بھی ایک موقع پر اس کی تصدیق کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کے اسلوب پر موزوں کیا گیا ہے۔ (از صفحہ ۷۲ تا صفحہ ۷۳) ان لوگوں نے اپنی دانست میں اسلام کی خیر خواہی کی غرض سے یہ کام کیا تھا۔ آج یورپ والے اس سے یہ کام لیتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم پیغمبر نہ تھے بلکہ جاہلیت کے خطباء اور شعراء مقفٰی آیت اور خیالات بلکہ طرز ادو تک اخذ کرتے تھے۔ لیکن ادب کا نکتہ شناس یا فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہے کہ تمام خطبے اور اشعار مصنوعی ہیں۔ سیرۃ النبی حصہ اول حاشیہ زیر ص۱۳۳۔ ہم اور لوگوں کے اشعار کی تکذیب سے کوئی بحث نہیں ہم کو صرف ابی طالب کے ان اشعار کی توثیق منظور ہے جن کی اصلیت ہم پر ثابت ہو چکی ہے۔ اور اسی بنا پر ہم اس کو اپنے سلسلہ بیان میں اوپر لکھ چکے ہیں۔ الغرض مندرجہ بالا شعر حضرت ابی طالبؑ اس قصیدہ لامیہ میں داخل ہے جس کی موضوعیت شبلی صاحب کی عبارت سے معلوم ہو چکی ہے۔ مولوی شبلی صاحب کو اس کی تکذیب کی جو ضرورت لاحق ہوئی وہ بھی انہیں کی عبارت سے ظاہر ہو چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عیسائی متعصبین کے اعتراض علی المضامین القرآن کے خوف سے جیسا کہ شبلی صاحب کی توجیہ عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کی اصلیت سے انکار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ مولوی صاحب نے ان کی تعریض کا خود ہی معقول جواب دے دیا ہے۔ اور شعرائے قدیم کے انداز کلام اور قرآن مجید کی زبان اور طرز بیان کا مقابلہ کر کے عیسائیوں کے اس فضول' نامعقول بے اصل وہم و خیال کی کامل تردید کر دی ہے اور وہی کافی

ہے۔ اور یہ تو شبلی صاحب ان اشعار کی موضوعیت ثابت کرنے کے بغیر بھی کر سکتے تھے۔ لیکن جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ مولوی صاحب کو عیسائیوں کے اس لکھ دینے نے کپکپا دینے والا خوف دلا رکھا تھا کہ قرآن مجید کا طرز بیان معتقدات اور اکثر خیالات عام شعرائے عرب کے خیالات سے ملتے جلتے ہیں جس کی وجہ سے (نعوذ باللہ) اس کے کلام الٰہی ہونے کی حقیقت میں احتمال ہے۔ اول تو یہ امر ایک بار نہیں سو بار تجربات اور مشاہدات سے تمام مخالفین اسلام پر بخوبی ثابت ہو چکا ہے اور ان سے پہلے کفار قریش پر بھی ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کی زبان نہ کسی طریق و عنوان سے زبان بشری ہے اور نہ اس کا طرز بیان' بیان انسانی ہے جس کا وہ اعتراف خود لیس کلام البشر کہہ کہہ کر اپنی زبانوں سے آپ کر چکے ہیں۔ تو ایسی صورت میں بوسیدہ اور پامال اعتراض سے شبلی صاحب کے لئے اغماض ہی بہتر تھا۔ اب رہا یہ امر کہ قرآن مجید میں عام معتقدات و خیالات پائے جاتے ہیں۔ تو اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

قرآن پر کیا منحصر ہے۔ توریت اور انجیل بھی خیالات و معتقدات انسانی کا مجموعہ ہے۔ اور ان دونوں کتب آسمانی میں بھی اس وقت کے قومی اور ملکی خیالات و معتقدات کی تفصیل موجود ہے۔ اور کیونکر نہ ہو؟ آخر یہ کتب مقدسہ اسی غرض و مقصد سے تو نازل ہی فرمائی گئی تھیں۔ کہ انسان کے دینی اخلاقی' ملکی اور قومی تہذیب معاشرت تمدن میں عام طور سے رفاہ و اصلاح ہو تو پھر ان کتب آسمانی کو خیالات و معتقدات انسانی سے خالی سمجھنا محض نادانی ہے۔ یہاں تک تو ہم نے خاص عیسائیوں کی اس تعریض کا جواب دیا ہے۔ جس نے شبلی صاحب کو ڈرا کر اور خوف دلا کر قدیم شعرائے اسلام کے اشعار پر ان سے موضوعیت کا قلم پھروا دیا ہے۔ شعرائے عرب کے کلام قدیم پر موضوعیت کا الزام یا ان کے بعد مورخین و محققین عرب پر وضاعی کا اتہام شبلی صاحب کے ضعف استدلال کی قوی دلیل ہے۔ یہ آپ کی کمزوری ہے جس نے مخالف کے جواب میں آپ کو آسانی اور سہولت کی غرض سے اصلیت کلام کے انکار کی ترکیب بتلائی ہے اور آپ نے یہی آسان اور سہل تدبیر اختیار فرمائی حالانکہ ان میں سے اکثر اشعار عموماً" اور یہ شعر اور اس کے ایسے ابی طالب کے اکثر اشعار خصوصاً" روایت و درایت دونوں طریقوں سے ثابت ہو چکے ہیں۔ اور اصل واقعہ کے زمانہ سے آج تک مفسرین' محدثین' مورخین اور محققین اسلامی کی تصنیفات و تالیفات میں نقل ہوتے آئے ہیں۔ پھر آج ان پر موضوعیت کا الزام لگانا اور مخالفین اسلام کے سامنے اپنے محققین اسلامی کو وضاع و کذاب ٹھہرانا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ ان زبان درازوں سے اسلامی اخبار و آثار کا مضحکہ اڑوانا ہے۔ دیکھیے شبلی صاحب نے خطیب بغدادی کے قول منفرد پر اعتبار کر کے امام سبکی' قرطبی' شعرانی' عسقلانی' بیہقی' احمد بن الحسین الموصلی المعروف بہ ابن وحشی' علامہ ابن اسلامتہ القضاعی' علامہ علی الا ہوری' امام تلمسانی' علامہ ابو طاہر' علامہ برزنجی' اور امام الحرمین اسفرنی وغیرہ امثالہم ائمہ محدثین و ناقدین حدیث اور اسی طرح ابن ہشام' طبری' ابن اثیر' علامہ حسین دیار بکری' صاحب تاریخ الخمیس۔ اور ابو الفداء وغیرہم کے

ایسے مورخین و معتبرین کو جھوٹا بتلایا۔
اگر ان بزرگوں کی تصنیفیں تحریر کتاب کے وقت آپ کے پاس موجود نہ تھیں تو صرف شرح زرقانی میں اس شعر اور اس کے ساتھ اور چند اشعار کی خاص تصنیف ابی طالب ہونے کی تحقیق اور تفصیلی بحث ملاحظہ فرمائی ہوتی۔ تو حقیقت کا انکشاف ہو گیا ہوتا۔ دیکھئے علامہ دمیری نے حضرت عبدالمطلب کی طرف اس شعر کی نسبت کی تھی۔ آپ کی طرح نہ اس کی بے اصلیت نقل کی تھی۔ اور نہ موضوعیت مگر زرقانی نے دمیری کی اس غلط فہمی کی جن لفظوں میں تردید کی ہے وہ یہ ہیں۔ **و هذا البيت من ابيات في قصيدة لابي طالب و على الصواب و قول الدميري ميري و تبعه جماعته انه بعبد المطلب غلط** یہ قول کہ یہ شعر ابی طالب کے قصیدے کا ہے صحیح ہے اور علامہ دمیری اور ان کے گروہ متبعین کا یہ قول کہ یہ عبدالمطلب کا شعر ہے بالکل غلط ہے۔ شرح زرقانی جلد اول ص ۲۳۱
اس کے بعد زرقانی اس کے ثبوت میں امام بیہقی کے اسناد سے وہ واقعہ لکھتے ہیں جس میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی طالب کے اس شعر کی خود تصدیق فرمائی ہے۔ اور ان کا خاص تصنیف کردہ بتلایا ہے۔ جس کو ہم پوری تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ پھر جب اس شعر اور اس کے اکثر اشعار کی اصلیت نقادان فن کی تنقید و تحقیق کامل ہے شبلی صاحب سے صدہا برس قبل ثابت ہو چکی ہو تو پھر اس کی موضوعیت پر بحث کرنا ایک فضول کوشش ہے۔ اب ہر شخص بلا تکلف عینی صاحب کی تنہا رائے کو زرقانی کے تفصیلی استدلال سے مقابلہ کرکے شبلی صاحب کی غلط فہمی کو خود سمجھ لے گا۔ خصوصاً" بیہقی کے اسناد سے تو اس کی روایت درایت کے پایہ امتیاز تک پہنچی ہوئی ثابت ہوتی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ مخبر صادق علیہ السلام کی تصدیق کے بعد پھر کسی مسلمان کو اس کی تکذیب و موضوعیت کا گمان ہو سکتا ہے۔
اب اس امر کے متعلق ایک امر کی تحقیق اور باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب شعرائے قدیم کے ان اشعار کی موضوعیت کی نسبت لکھتے ہیں۔ لطیف تر بات تو یہ ہے کہ ابن ہشام ان اشعار کو نقل کرکے اکثر موقعوں پر لکھ دیتے ہیں۔ کہ فن شعر کے ماہرین ان اشعار کی نسبت انکار کرتے ہیں۔ مثلاً سریہ ابو عبیدہ بن الحرث (ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۳ مطبوعہ مصر) حضرت ابوبکرؓ کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ **اکثر اهل العلم و الشعر ينكر هذه القصيدة لابي بكرؓ** اہل علم و شعر میں اس بات کے منکر ہیں کہ یہ قصیدہ حضرت ابوبکرؓ کا ہے ہم کو نہ حضرت ابوبکرؓ کے قصیدہ کے تحقیق سے واسطہ ہے اور نہ امیہ بن الصلت کے خطبہ و اشعار کی تفتیش سے سروکار۔ اور نہ ان سے غرض ہے کہ ابن اسحاق نے حضرت ابوبکر کے قصیدہ کی موضوعیت کا کہاں تک اعتراف کیا ہے۔ ہم کو تو جو کچھ تحقیق کرنا ہے یا لکھنا ہے وہ صرف حضرت ابی طالب کے اس قصیدہ اس کے اشعار اور خاص کر مذکورہ بالا شعر کی نسبت جو ہماری موجودہ بحث کا اصلی موضوع ہے۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے اور دکھلا دینا ہے کہ اس کے متعلق محمد ابن اسحاق نے نقل کرنے کے

بعد اپنا کیا مختار قائم کیا ہے۔ حسن اتفاق سے ابن ہشام کی جس جلد اور مطبع کا شبلی صاحب حوالہ دیتے ہیں۔ وہی میرے پاس بھی موجود ہے۔ میں اس میں جب اس قصیدے کو تلاش کرتا ہوں تو صفحہ ۹۱ سے لے کر صفحہ ۹۴ تک کہ تین ثلث صفحوں تک اس تمام قصیدے کو لکھا ہوا پاتا ہوں' اس میں کل ۹۴ شعر ہیں جن میں سے شعر زیر بحث ۷۳ نمبر کا شعر ہے پورے قصیدے کے خاتمہ پر یہ رائے لکھی ہے **قال ابن هشام هذا ما صح لی من عدة القصیدة و بعض اہل العلم بالشعر ینکر اکثر ھا** ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس قصیدے کے اتنے شعر جو لکھے گئے ہیں میرے نزدیک صحیح ہیں لیکن بعض علمائے شعران میں سے اکثر اشعار کا انکار کرتے ہیں ابن ہشام مولف سیرت کی تحقیق سے تو اس قصیدہ کے جتنے شعر انہوں نے لکھے ہیں۔ وہ سب کے سب ان کے نزدیک صحیح ہیں۔ مگر بعض علماء شعران میں سے اکثر اشعار کا انکار کرتے ہیں۔ مولوی شبلی کا ابن اسحاق یا ابن ہشام کے اس انکار سے جو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے قصیدے کی نسبت تحریر کیا ہے۔ ابی طالب کے قصیدے کی موضوعیت کیسے ثابت ہوتی ہے۔ نتیجہ تو آپ کے مدعا کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں میرے نزدیک تو یہ تمام ۹۴ شعر صحیح ہیں۔ یعنی ابی طالب کے خاص طبع زاد ہیں۔ لیکن بعض شعر ان میں اکثر اشعار کو ابی طالب کی تصنیف نہیں سمجھتے۔ نہ سمجھیں اتنے شعر نہیں سہی بقول حزیں۔ دو صد شعر دیوان من رفتہ رفتہ۔ ابن ہشام کی اس تحریر سے آپ کے اس دعوے کی کہ ابی طالب کا یہ قصیدہ لامیہ سرتا پا موضوع ہے۔ کیسے ثابت ہوا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ چند شعر اس میں ابی طالب کی تصنیف نہ ہوں۔ اس کو ہم بھی مانتے ہیں اور ہمارے متدین اسلامی مورخ نے لکھ دیا ہے۔ شبلی صاحب کی یہ تحقیق جبلت و حقیقت واقعات کیا بتلائے گی اور تاریکی اور عدم واقعیت میں الجھا دے گی۔ المولف عفی عنہ

جس شعر خاص میں آنحضرت صلعم کے یمن و برکت سے حصول باراں کا اشارہ فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے۔

و ابیض یستسقی الغمام لوجهه

ثمال الیتامی عصمة للارامل

محمد صلعم ایسے خوشحال شخص ہیں جن کی برکت سے ابر پانی برساتا ہے یہ یتیموں کے لئے جائے پناہ ہیں اور بیواؤں کے پردہ دار۔

گھر کی دنبیوں کی گلہ بانی

حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آٹھ برس کے ہو چکے تھے۔ نفس قدسیہ کے روحانی اثر سے آپ کے تمام قوائے مدرکہ آٹھ برس والے عام بچوں سے بدرجہ اولیٰ قوی تر اور کامل تر تھے۔ دو برس آنحضرتؐ ابی طالب کی کفالت و حفاظت میں رہ کر آنحضرت صلعم کامل دس برس کے

ہو گئے اور اب وہ وقت آ گیا کہ اس جہان بان عالم و عالمیان کو فضائے قدرت کے اسباب و سامان مشاہدہ کرائے جائیں۔ جن سے وہ صانع قدرت کے عجائب و غرائب کی حقیقت کا کامل ادراک کر سکے ان کی انتہائی علت کو سمجھنے اور حقیقی اصلیت کو معلوم کرے۔ معرفت الٰہی کی ابتدائی تحصیل میں خوض و غور کی مشق و ریاضت شروع کی جائے۔ اور ان ریاضتوں کی تیاریوں کے لئے خلوت، محویت، تنہائی اور ترک علائق کے سامان فراہم اور مرتب کر دیئے جائیں۔ سیرت انبیاء علیہم السلام کے سیر کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ سبق آموزان معرفت اور مبتدیان حقیقت کی تعلیم کے لئے ہر زمانہ اور ہر مقام میں قدرت کو یہی انتظام کرنے ہوتے ہیں۔ اسی عادت اور دستور الٰہی کے مطابق متمم قدرت نے متمم رسالت کی تعلیم وہی کے لئے وہی قدیم انتظام جاری فرمائے۔ اور دس برس کے سن میں آپ نے اپنے گھر کی دنبیوں کی گلہ بانی آغاز کی۔ ظاہر میں تو یہ معمولی گلہ بانی تھی مگر حقیقت میں یہ کافۃ الناس کی پاسبانی کا دیباچہ تھا۔ اور ان کی حفاظت و نگرانی کا مقدمہ۔ تبلیغ رسالت کی سلسلہ جنبانی تھی اور تقدیم سیاست کی حکمرانی، قدرت ہی اس نفس قدسیہ کی صانع تھی اور قدرت ہی اس انتظام کی ناظم۔ اس لئے تعلیم الٰہی کے یہ تمام ابواب و اسباب طبع رسالت کے مطابق اترے اور چونکہ روافر معرفت اور غوامض حقیقت کے باعث انکشاف پہلے یہی ثابت ہوتے ہیں اس لئے یہ سادہ پاک و صاف اور محض آزاد حصہ عمر اور اس کے مشاغل کی یاد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قلب کے نورانی میں ہمیشہ زندہ اور قائم رہی اور زمان رسالت میں بھی عند التذکرہ اس کا اکثر ذکر فرمایا جاتا تھا۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلعم ما بعث اللہ نبیا الا راعی الغنم قال لہ اصحابہ و انت یا رسول اللہ قال و انا رعیتھا لا هل مکتہ بالقراریط

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے گوسفندوں کی گلہ بانیاں کی ہیں۔ اصحاب حاضرین نے پوچھا اور آپ نے یارسول اللہ! ارشاد فرمایا ہاں میں نے بھی اہل مکہ کی دنبیاں قراریط چرائی ہیں۔

اصحاب کا یہ متعجبانہ استفسار شان رسالت کی موجودہ جلالت و اقتدار کے باعث تھا۔ اس کے بعد ابن سعد ایک دوسرا قول ذیل کی عبارت میں لکھتے ہیں۔

مروا النبی صلعم بثمر الا راک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم علیکم بما اسود منہ قال کنت اجتنیہ اذا انا راعی الغنم قالوا یا رسول اللہ و رعیتھا قال نعم و ما من نبی الا قد رعاھا

ایک دفعہ آپ اصحاب کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے۔ صحابہ جھڑبیریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ آپ نے فرمایا جو سیاہ ہیں وہ زیادہ خوش ذائقہ ہیں۔ میں اس کو اس وقت سے جانتا ہوں جب میں بچپن میں دنبیاں چرایا کرتا تھا۔ صحابہ نے عرض کی آپ نے بھی دنبیاں چرائی ہیں۔ فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس

نے دنبیاں نہ چرائی ہوں۔
صحابہ کا یہ استعجاب بھی اسی بنا پر مبنی ہے۔ مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبیؐ میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ فرانس کے ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ابو طالب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذلیل رکھتے تھے اس لئے ان سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہ تھا۔ بڑے بڑے شرفاء اور امراء کے بچے بکریاں چرایا کرتے تھے۔ خود قرآن مجید میں ہے **و لکم فیھا جمال حین تریحون و حین تسرحون**
شبلی صاحب کا یہ جواب الفاظ قرآنی سے مستنبط ایک فرانسیسی عیسائی کے لئے کیسے قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ اس کو آپ کی خوش فہمی کے سوا اور کیا کہا جاوے۔ اس کے ساکت کرنے کے لئے آپ کا اتنا ہی لکھ دینا کافی تھا کہ اگر یہاں دنبیاں چرانے پر اعتراض کیا جاتا ہے تو اپنے یہاں گدھے چرانے کے لئے کیا کہا جاوے گا۔

حقیقت میں نہ دنبیاں چرانا عیب ہے اور نہ گدھے چرانا یا پالنا بری بات ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم اپنے زمانے اپنے ملک اور اپنے ادب معاشرت کے مطابق چار ہزار اور دو ہزار برس کے گذشتہ تمدن و معاشرت کا مقابلہ اور موازنہ کرنے بیٹھے ہیں۔ اس مدت میں انقلاب زمانہ اور اختلاف خیالات و مذاق کے مطابق بہت سی ایسی باتیں ہیں جو اس وقت اچھی تھیں۔ بری قرار پا گئی ہیں۔ اسی وجہ سے موجودہ زمانہ طبقہ اعلیٰ کی نسبت ان باتوں کا اگر ذرا سا بھی تعلق یا ذکر کیا جاتا ہے تو عموماً" معمول پسند طبیعتیں اعتراض پر فوراً تیار ہو جاتی ہیں۔ لیکن تاہم ان میں جو مائل اعتدال ہیں اور واقف حال ہیں' وہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر خاموش رہ جاتی ہیں۔ مگر عیسائیوں کے تعصب سے نہ ہم کو اعتدال ہی کی امید ہے نہ تلاش حقیقت۔ اور نہ تفحص احوال کی توقع۔ پھر ان کے اعتراض کو ان کے تعصب و نفسانیت کا خاص الخاص نتیجہ سمجھنا ہو گا۔

مولوی شبلی صاحب نے طبقات ابن سعد کے حوالے سے ان دونوں مذکورۂ بالا واقعات کو تحریر فرمایا ہے اور بکریاں چرانے کے مضمون پر نمبر۱ کا نشان لگا کر سیرۃ النبیؐ کے زیر حاشیہ صفحہ ۱۲۹ میں یہ عبارت لکھی ہے۔
بخاری نے کتاب الاجارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ میں قراریط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ یعنی سوید ابن عبید کی رائے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ اسی بنا پر ان کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجرت پر مکہ والوں کی بکریاں چراتے تھے۔ اور اسی بنا پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارہ میں نقل کیا ہے۔ لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے۔ جو اجیاد کے قریب ہے۔ ابن جوزی اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ علامہ عینی

نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے لکھی ہے۔ اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے۔ (عینی جلد ۶ ص ۱۳۳) نور النبراس میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے۔ اور اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ ملاحظہ ہو سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۲۹ حاشیہ۔

اس سے قبل کی عبارت میں شبلی صاحب کا یہاں تک لکھنا بالکل صحیح اور پر واقع ہے۔ کہ عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہیں تھا۔ بڑے بڑے امراء اور شرفاء کے لڑکے بکریاں چراتے تھے۔ مگر اب ان کی اس مابعد کی عبارت سے حقیقت حال کا پورا انکشاف ہو گیا۔ اور مخالفین کے اس تعریض اور طعن و تشنیع کا اصلی باعث معلوم ہو گیا کہ حقیقت میں عیسائی مورخ فرانسیسی کے اس اعتراض کی باعث شیخین بخاری اور ابن ماجہ کی عقلمندی ہے جس کی تصدیق و اقرار خود شبلی صاحب کو بھی کرنا ہوا۔ اور لکھنا ہوا کہ حقیقت میں ان دونوں محدثین نے قراریط کے غلط معنی لگائے۔ اصل میں قراریط کو ایک مقام خاص کا نام تو نہ سمجھے بلکہ قیراط کی جمع سمجھے جس کے معنی درہم و دینار کے لئے اور یہی غلط فہمی ان تمام فسادات کا باعث ہوئی۔ یہ کچھ ایسی مشکل آ پڑی کہ آخر شبلی صاحب کو شیخین بخاری و ابن ماجہ کے ایسے معتمد ترین محدثین کی تنقید و تردید فرمائی ہوئی۔ اور اپنے ان تمام اصول تالیفی کو جو اپنے مقدمہ کتاب کے طومار میں مورخین پر محدثین کو ترجیح دیئے جانے کے متعلق لکھے ہیں۔ چھوڑنا پڑا۔ اور بخاری صاحب کے ایسے استاد فن کی تکذیب کرنی ہوئی جن کی کتاب کو اصح الکتاب بعد الکتاب باری یقین کرنا آپ کا ایمان ہے۔ اور ایسے سراپا اعتماد استاد نقاد و حدیث کے قول کی تردید ابن حربی اور علامہ عینی کے ایسے نو آموزان فن کی تحقیقات سے کرنی ہوئی تو گویا مقدمہ کتاب میں نقد روایت اور تحقیق واقعات کے متعلق جن اصولوں کی پابندی کا دعویٰ کیا گیا تھا اور ان ان اصول کی ترتیب و تدوین کی تفصیل میں تاریخوں کے مندرجات پر پہلے صحاح کی مرویات اور پھر صحاح میں سب سے پہلے انہیں بخاری صاحب کی مرویات کو مرجح بتلایا گیا تھا۔ آپ کے موجودہ استدلال کے وقت وہ سب ہوا ہو گئے گویا وہ قرار داد اصول ناقابل توجہ تھے نہ لائق اعتنا اور نہ ان کے متعلق آپ کی پابندی اور مطابقت کے وعدہ لائق ایفا۔ اب بھی شبلی صاحب کو اپنے مقدمہ کتاب کے طمطراق اور طومار اور اس کے لئے بیکار خامہ فرسائی کا اب بھی اعتبار ہوا یا نہیں۔

اب سنئے یہ بالکل صحیح ہے کہ قراریط ایک جنگل یا غیر آباد قطعہ زمین کا خاص نام ہے۔ جو حوالی مکہ میں مقام اجیاد سے قریب ہے۔ آپ کے شیخین ابن ماجہ و بخاری صاحبان سے حقیقت میں بڑی غلطی ہو گئی۔ کہ انہوں نے درہم و دینار کے معنی لگا کر اس سے اجرت کے مطلب نکالے۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ اس عیسائی فرانسیسی مورخ کا کیا قصور یہ نہ اس کا اپنا قول ہے اور نہ اس کا اپنا مختار بلکہ یہ تو آپ ہی کا اقرار ہے جس کو وہ آپ کے ایسے مستند اور معتبر ماخذوں سے مستنبط کرتا ہے۔ جو صداقت میں آپ کے نزدیک قرآن کے بعد ہے۔ تو اس کا اعتراض بے دلیل کیسے کہا جا سکتا ہے۔ آپ اس کی تردید میں

جو دلیل پیش کرتے ہیں وہ حقیقت میں اس کی تردید نہیں۔ بلکہ آپ ہی کے معتبر اور مستند محدثین کی تکذیب ہے جس کے لئے وہ فرانسیسی مورخ نہ جوابدہ ہے نہ ذمہ دار۔ اس مخالف اسلام کی تعریض کی ساری ذمہ داریاں ابن ماجہ اور بخاری کے سر جاتی ہیں جو قراریط کے ایسے معمولی لفظ کے اصلی معنی نہ سمجھ سکے تو اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ شان رسالت کی اصل حقیقت کو کب سمجھے ہوں گے۔

ابن ماجہ نے تو صرف ایک غلطی کی کہ اپنے شیخ کے قول کے مطابق قراریط کے معنی درہم و دینار کے لئے۔ بخاری صاحب نے تو دو غلطیاں کیں پہلے تو قراریط کے معنی درہم و دینار کے لئے دوسری قیامت یہ کی کہ اس حدیث کے لئے اپنی کتاب میں ایک خاص باب باندھا۔ اور اس کو باب الاجارة کے خاص نام سے موسوم کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عام و خاص آپ کے باب الاجارة کا عنوان دیکھ کر رسول عربی کی ابتدائی شان و شوکت، شخصیت و حیثیت اور معاشرت و مشغلت کو مکہ کے معمولی مزدوری کرنے والے چھوکروں میں شمار کرنے لگے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

ہم کو حضرت ابی طالب کی ناتوجہی اور ناقدری کے بے جا شکایت پر اس عیسائی مصنف سے رنج و ملال پیدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ جب ہم اسلامی محدثین معتبرین کے خاص قلم و زبان سے ذات اعلائے رسالت اور پیکر و آلائے نبوت کی یہ توہین و حقارت تیار اور مرتب دیکھتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اسلامی محدثین تدوین احادیث کے غیر متحمل شوق و شغف کے ساتھ ساتھ مرویات میں، واقعات اور حشویات کی اصل مقاصد اور زوائد کی بھی تفریق و تمیز کرتے جاتے تو پھر ان کے مرویات پر نہ کسی اسلامی محقق کو تحقیق و تنقید کی ضرورت ہوتی اور نہ کسی غیر اسلامی معترض کو تعریض و تردید کی جرات۔

اس بحث کے ضمن میں ہم کو شبلی صاحب کے وہ اصول تحقیق و تنقید روایات یاد دلاتے ہیں جو وہ اپنے مقدمہ کتاب میں نہایت شد و مد سے قلم بند فرما چکے ہیں۔ ان کی طولانی عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں موجود ہوتی ہیں۔ وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار تک نہیں پہنچیں۔ اس لئے ارباب سیرت کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے اس بنا پر سیرت و تاریخ مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا۔ جس طرح امام بخاری اور مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے۔ اسی طرح سیرت کی تصانیف میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا۔ آج بیسوں کتابیں قدما سے لے کر متاخرین تک کی موجود ہیں۔ مثلاً سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، سیرة ابن سید الناس، سیرة دمیاطی، حلبی، مواہب لدنیہ، قسطلانی، کسی میں تو یہ التزام نہیں۔ سیرة النبی حاشیہ زیر صفحہ ۷۔ پھر اس سے قبل صفحہ ۵ میں رقم طراز تھیں۔

حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں۔ مثلاً بخاری، اور مسلم کی صحیح۔

شبلی صاحب کی یہ عبارت اور صحت بخاری کی نسبت ان کا یہ دعویٰ اور پھر ان کا یہ اصول کہ حدیث کے مقابلہ میں سیرت کی کتابیں مستند نہیں۔ غرض کہ ان کا یہ خیالی التزام اور قیاسی طومار ان کی خاص تردید و تنقید بخاری کی مرقومہ بالا عبارت سے القط ہو گیا۔ اور بالکل بے کار اور بالآخر ان کے خاص اعتراف سے ثابت ہو گیا۔ کہ جس کتاب کی نسبت آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ اس میں کوئی ضعیف روایت بھی نہیں۔ اسی ایک ایسی غلط حدیث میں ایسا غلط بیان نکل آیا جس کی نسبت تنہا آپ کو اعتراف ہی کرنا نہیں ہوا بلکہ تنقید بھی اور تردید بھی۔ اب آپ کے کس مختار کا اعتبار کیا جاوے۔ آیا اس دعویٰ کا کہ بخاری میں ایک ضعیف روایت بھی نہیں۔ یا اس معترفانہ تنقید و تردید کا جو اوپر ابھی ابھی لکھی گئی۔ آپ کے وہ اصول کہ حدیث کے مقابلہ میں سیرت کے واقعات قابل اعتماد نہیں۔ ایسی حالت میں مانے جائیں گے۔ یا اس واقعہ میں آپ کی رقم زدہ اور اقرار کردہ صورت حال پر اعتبار کیا جاوے گا۔

صورت حال تو یہ بتلا رہی ہے کہ صحیحین بخاری اور ابن ماجہ نے اپنی غلط فہمی سے یا عربی کی عدم لغت دانی سے یا یوں کہئے کہ محض نادانی سے اس حدیث کو ایک غلط صورت میں دکھلایا۔ مگر انہیں نامعتمد علیہ سیرت نگاروں نے تو قراریط کے بالکل صحیح معنوں میں اسی طرح سمجھا ہے جس طرح شبلی صاحب خود بھی سمجھے ہیں اور دنیا کو سمجھا رہے ہیں۔ طبقات ابن سعد۔ حدیث کی کتاب نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ من حیث التاریخ۔ ایک سیرۃ یا تذکرہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے اور نہایت معتبر اور اپنے استاد واقدی کی کتاب سے بھی معتبر ترین۔ ہم اپنے مرقومہ بالا سلسلہ بیان میں اس کی اصل عبارت سے لکھ چکے ہیں اور پھر اس واقعہ کی نسبت اسی کے لفظ لکھے دیتے ہیں۔ **انلو عینها لا هل المکته بالقراریط** میں قراریط پر اہل مکہ کی دنبیاں چراتا تھا۔ اس سیرت نگار نے بالکل اپنے سیدھے سادھے اور معمولی اصول کے مطابق اس واقعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس برس کی عمر کی حالات میں اسی طرح مندرج کیا ہے۔ جس طرح شبلی صاحب نے اپنی سیرت میں نہ بخاری صاحب کی طرح اس واقعہ کے لئے کوئی عنوان قائم کیا۔ اور نہ کوئی خاص باب باندھا ہے۔ نہ اس کو رسولؐ کی ابتدائی معیشت کے اسباب و ذرائع ٹھہرائے ہیں۔ نہ اس کو مزدوری اور اجارہ بتلایا ہے۔ جو لکھا ہے وہ اتنا ہے **ذکر رعیه رسول الله صلعم الغنم بمکته** یعنی مکہ میں رسول صلعم کا دنبیاں چرانا۔

ایک لطیف بات تو یہ ہے کہ اس وقت قراریط کے متعلق جو صحیحین بخاری اور ابن ماجہ سے شبلی صاحب اختلاف و اجتناب اختیار فرمائے ہیں۔ اور مجبور ہو کر انہیں غیر مستند' نامعتمد اور غیر مفید سیرت نگاروں پر اعتبار کرتے ہیں جب ایک محقق کے آگے آپ کے یہ اصول موضوعہ اور اہل صحاح کی نا انصافانہ جنبہ داری اور اہل سیرت کی بے اعتباری پیش کی جاوے گی۔ جو آپ مقدمہ کتاب میں لکھ چکے ہیں تو وہ آپ کی جامعیت و صلاحیت پر حسرت و افسوس کر کے اتنا ضرور کہہ دے گا۔ بریں عقل و دانش بباید گریست

اصل واقعہ کی حقیقت کا انکشاف

اس بحث کے متعلق تمام مرقومہ بالا جزوی اور کلی ضروریات کو لکھ کر ہم اصلی واقعہ کی حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ عرب کی قدیم دستور کے مطابق جیسا کہ شبلی صاحب لکھتے ہیں اور عرب کی تمام قدیم سیرت۔ تاریخ اور اشعار سے بھی ثابت ہوتا ہے ایام طفولیت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دنبیاں چرائی ہیں۔ اور اس وقت کے ملکی اور قومی تمدن معاشرت اور تہذیب کے اعتبار سے آپ کا یہ ابتدائی مشغلہ معیوب نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے اس کی وجہ سے نہ آپ کے خاندانی اعزاز و اقتدار میں کوئی کمی آ سکتی ہے اور نہ آپ کی روحانی عظمت پر اور شان رسالت پر کوئی حرف آ سکتا ہے۔ خاندانی اعزاز کے لئے اس ... سے معیوب نہیں ہو سکتا کہ عرب کے تمام امراء' روسا اور شرفاء کے عام طبقات میں جاری تھا۔ مرتبہ رسالت اور ... روحانیت کے لحاظ سے بھی اس لئے قابل الزام نہیں کہ تمام کتب انبیاء سے حضرات انبیاء و مرسلین کا دنبیاں چرانا ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول میں ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کے حالات و واقعات میں بالتفصیل لکھا جا چکا ہے۔
اصلیت اور حقیقت یہ ہے کہ دنبیوں کی یہ گلہ بانی بھی حقیقتاً" تخصیصی تھی تعمیمی نہیں تھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اپنے گھر کی دنبیوں کی گلہ بانی اور نگرانی فرماتے تھے۔ عام طور سے اہل مکہ کی نہیں۔ محدثین نے غلط سمجھا ہے اور اسی غلط فہمی کے باعث اتنا فساد برپا ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اہل مکہ کا لفظ سیرت کی کتابوں میں بھی ویسے ... ہے جیسے حدیثوں کی کتابوں میں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اہل مکہ سے اپنا گھر اور اپنا قبیلہ مراد ... ہے۔ کیونکہ بنی عبدالمطلب یا بنی ہاشم قریشی بھی تھے۔ اور مکی بھی۔ حدیث کی کتابیں اس تخصیص کو کہیں ظاہر نہیں کرتیں۔ سیرت نے جناب رسول خدا صلعم کے خاص ارشاد سے اس تخصیص کا اظہار ثابت ... ہے۔ چنانچہ اسی طبقات ابن سعد میں یہ واقعہ درج ہے جس سے حقیقت حال کا پورا انکشاف ہوتا ہے۔ عبارت یہ ہے۔

ان النبی صلعم قال بعث موسی وھو راعی غنم و بعث داؤد وھوراعی غنم و بعثت وانا ارعی غنم اھلی باجیاد۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۸۰

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ مبعوث ہوئے۔ وہ بھی دنبیوں کے چرواہے تھے۔ انکے بعد حضرت داؤد مبعوث ہوئے۔ وہ بھی دنبیوں کے چرواہے تھے ان کے بعد میں مبعوث کیا گیا۔ میں نے بھی اپنے گھر کی دنبیاں اجیاد (پہاڑ کا نام ہے جو قراریط کے پاس ہے۔ پر چرائی ہیں۔ طبقات ج ۱ ص ۸۰۔

شبلی صاحب نے اس مسئلہ میں تنقید و تردید سب کچھ تو تمام کر دیا مگر اسکی تخصیص کی طرف ذرا توجہ نہ فرمائی۔ گویا آپکی تحقیق میں پیغمبر عربؐ کا اجرت و معاوضہ پر تمام اقوام مکہ میں دنبیاں چرانا ثابت ہے۔ اور یہ امر آپ کے نزدیک نہ بنی ہاشم کی عظمت و اقتدار کا مخالف ہے اور نہ شان رسالت کا مناقص حالانکہ اصول تمیم سے بھی اس وقت کی قدیم معاشرت۔ تہذیب و تمدن کے سراسر خلاف ہے اور اسوقت بھی کوئی شخص نہیں مان سکتا کہ شرفا روسا اور امرائے مکہ کے بچے اپنے سے کم درجہ قبائل اور ارذال اقوام کی دنبیاں چرانا گوارا کرتے ہونگے۔ بخلاف اسکے ہر شخص بلا تکلف مان لے گا کہ اس وقت کے شرفاء روسا اور امرائے مکہ کے بچے اپنے گھریا اپنے قبیلے کی دنبیاں شہر کے بیرونی مقامات پر چرایا کرتے تھے جیسا کہ خود آنحضرت صلعم کی زبانی ابن سعد کی عبارت سے ثابت ہے۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب کی محققانہ نگاہ طبقات ابن سعد کے اس آخر واقعہ مندرجہ پر نہ پہنچ سکی اگر پہنچ سکی ہوتی تو ہمکو جیسا یقین ہے وہ تخصیص کے مسئلہ کو بھی صاف فرما دیتے یہ تو مولف کی کوتہ قلمی ہے یا قصیرا نظری۔

ایمان حضرت ابو طالب

نفس رسول جلد ۲ میں ہے ہم حضرت کے حالات علامہ آفاق السید محمد علی شرف الدین موسوی کی کتاب شیخ الابطح سے مختصر کر کے اردو زبان میں درج کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ لکھا ہے "آپ کے تین نام ہیں۔ عبد مناف' عمران اور شیبہ۔ آپ کے القاب سے شیخ ابطح' سید بطحاء اور رئیس مکہ مشہور ہیں۔ آپ کی کنیت ابو طالب ہے اور اسی سے آپ مشہور ہیں۔ جناب ابو طالب کی ولادت باسعادت ۵۳۵ء میں حضرت رسولؐ سے ۳۵ برس قبل مکہ معظمہ میں ہوئی اور آپ نے جناب عبدالمطلب کی آغوش میں پرورش پائی قریش میں آپ کا پایہ حضرت عبدالمطلب سے کم نہ تھا۔ جناب عبدالمطلب کے انتقال پر آپ نے تن تنہا حضرت رسولؐ کی پرورش کی۔ آپ باوجود ناداری صرف اپنے قابلیت نفس' مکارم اخلاق اور اقتدار کی وجہ سے تمام قریش کے سردار مان لیے گئے۔ آپ نے اپنے اوپر فقراء مساکین اور مسافروں کی ضیافت واجب و لازم کر لی۔ مہمانوں کو اپنے مہمان خانے میں ٹھہراتے اور ان کے کھانے پینے کا پورا انتظام کرتے تھے جب موسم حج گزر جاتا تھا۔ ان بڑے بڑے پیالوں کا تذکرہ اور ان بڑی دیگوں کا بیان جن میں ان کی دعوتیں کی جاتی تھیں تمام عرب میں ہوتا رہتا تھا مورخین ان تمام باتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی وغیرہ نے لکھا ہے۔ "ابو طالب حاکم قریش' سردار قریش اور مصیبت کے اوقات میں قریش کی جائے پناہ اور ملجا و ماوئی تھے (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۳۰۶ و بلوغ الارب جلد ۱ صفحہ ۳۲۴ و سیرۃ دحلانیہ برحاشیہ سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص ۱۶ (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۷۰ وغیرہ) آپ کے والد جناب عبدالمطلب نے غالباً"

۵۷۸ء میں انتقال کیا تو جناب ابو طالب پر تمام عرب کی نگرانی اور حضرت رسولؐ کی کفالت کا اتنا بڑا بوجھ پڑا۔ جس کا اٹھانا آپ ہی کا کام تھا۔ آپ کی شادی آپ کی چچا زاد بہن حضرت فاطمہ بنت اسد سے ہوئی۔ آپ نے ان سے نکاح کے وقت جو خطبہ پڑھا اس کا مطلب یہ تھا کہ "اس خدا کے لیے دنیا کی سب خوبیاں مخصوص ہیں جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے۔ جو عرش عظیم مقام کریم اور شعر و حلیم کا رب ہے وہ خدا جس نے ہمیں سید و سردار کی حیثیت سے منتخب کیا۔ ہم کو عارفین مخلصین میں شمار کیا اور رہبر بنایا۔ ساتھ ہی اس نے ہم کو فحش، شک، اذیت (نجاست) و عیب سے محفوظ رکھا۔ اس نے ہمارے لیے مشاعر قائم کیے اور ہم کو قبائل عالم پر فضیلت دی۔ ہم خاصہ خاندان ابراہیمی جو ہر صفوت خلیلی ہیں۔ ہم ہی حضرت اسماعیلؑ کی کھیتی ہیں۔ میں نے فاطمہ بنت اسد سے اپنی شادی کی اور ان کا مہر ادا کر دیا اور امر تزویج نافذ کر دیا۔ اے حاضرین بزم! آپ لوگ اس بات کو دریافت کر لیں اور اس عقد کے گواہ رہیں۔ اس کے بعد آپ کے چچا جناب اسد نے جواب دیا کہ ہاں ہم نے اپنی بیٹی فاطمہ سے تمہاری تزویج کر دی اور ہم اس بات پر تم سے راضی ہوئے۔ اس تقریب سعید کے بعد جناب ابو طالب مسلسل سات روز تک دعوت ولیمہ کرتے رہے۔ جس میں کثرت سے اونٹ ذبح کیے اور لوگوں کو کھلائے جاتے رہے۔ اس دعوت ولیمہ کا ذکر امیہ بن الصلت نے اپنے ان اشعار میں کیا ہے۔

اغمر ناعرس ابی طالب   وکان عرسالین الحلنب

ابو طالب نے اپنی شادی کی دعوت ولیمہ سے ہم لوگوں کو ڈھانپ لیا اور وہ شادی بہت اخلاق کے ساتھ ہوئی۔

اقرانوه الضیف باقطارها   من رجل خف ومن راکب

انہوں نے سب مہمانوں کی ضیافت کی خواہ وہ سوار ہوں یا پیدل

فنازلوه سبعته احصت   اہلہا للرجل الحلسب (رسالہ ابو طالب صفحہ ۹)

سب مہمان سات روز تک مسلسل اس دعوت سے فیض پاتے رہے۔

مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "ابو طالبؑ تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام جایا کرتے تھے۔ آں حضرتؐ کی عمر تقریباً" بارہ برس کی ہو گی کہ ابو طالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آں حضرتؐ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آں حضرتؐ کو ابو طالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابو طالب چلنے لگے تو آپ ان سے لپٹ گئے۔ ابو طالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔

عام مؤرخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور مواقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابو طالب بصریٰ میں پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جس کا نام بحیرا

تھا۔ اس نے آں حضرتؐ کو دیکھ کر کہا کہ یہ سید المرسلین ہیں لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا؟ اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لیے جھک گئے" (سیرۃ النبیؐ جلد ا ص ۱۲۹) پھر لکھا ہے۔ عرب اور خصوصاً" قریش یعنی بنی اسماعیل ظہور اسلام کے ہزاروں برس پہلے سے تجارت پیشہ تھے۔ آں حضرتؐ کے جد اعلیٰ ہاشم نے قبائل عرب سے تجارتی معاہدہ کر کے اس خاندانی طریقہ اکتساب کو اور زیادہ مستحکم اور باقاعدہ کر دیا تھا۔ آں حضرتؐ کے چچا ابوطالب بھی تاجر تھے۔ اس بنا پر سن رشد کو پہنچنے کے ساتھ آں حضرتؐ کو جب فکر معاش کی طرف توجہ ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا۔ ابوطالب کے ساتھ آپ بچپن میں بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے .... جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر اب ۲۵ برس کی ہو چکی تھی.... حضرت خدیجہ نے.... آں حضرتؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی۔ آں حضرت نے قبول فرمایا اور مال تجارت لے کر بصریٰ تشریف لے گئے۔ واپس آنے کے تقریباً" تین مہینے کے بعد حضرت خدیجہ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا.... تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے۔ حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانسو طلائی درہم مہر قرار پایا۔ (سیرۃ النبی جلد ا ص ۱۳۷) پھر لکھا ہے "جب آں حضرتؐ نے اعلان دعوت (اسلام) کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی' تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی۔ ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آں حضرتؐ ادائے فرض سے باز نہ آ سکتے تھے اس لیے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی.... ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لیے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آں حضرتؐ سے مختصر لفظوں میں کہا کہ جان عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں۔ رسول اللہؐ کی ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے۔ ابوطالب تھے۔ آں حضرت نے دیکھا کہ اب ان کے پائے ثبات میں لغزش ہے۔ آپ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا یا میں اس پر نثار ہو جاؤں گا۔ آپ کی پر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا۔ رسول اللہ سے کہا' جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا (ص ۲۲۶) پھر لکھا ہے۔ قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے.... اس لیے اب یہ تدبیر سوچی کہ آں حضرتؐ اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم

سے نہ قرابت کرے گا نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا نہ ان سے ملے گا نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا جب تک وہ محمدؐ کو قتل کے لیے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔ ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں (یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا) پناہ گزیں ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے۔ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی" (سیرۃ النبی جلد ا ص ۱۸۹) شعب ابی طالب میں حضرت ابوطالب نے حضرت رسول سے جو محبت بلکہ اولاد نثاری کی ہے۔ اس کی نظر دنیا کے کسی زمانے اور کسی قوم میں نہیں مل سکتی۔ علامہ حلبی نے لکھا ہے۔ **وکان ابوطالب فی کل لیلۃ یامر رسول اللہ ان یاتی فراشہ ویضطجع بہ فاذا نام الناس امرہ ولد اخوتہ اور غیرہم ای من اخوتہ اوبنی عمہ یضطجع مکانہ خوفا علیہ ان یغتالہ احد ممن یرید بہ السو** یعنی حضرت ابوطالب نے یہ معمول کر لیا تھا کہ ہر رات حضرت رسولؐ سے فرماتے تھے کہ میرے پاس میرے ہی بستر پر سو رہو پھر جب سب لوگ سو جاتے تو آپ حضرت رسولؐ کو اس جگہ سے ہٹا دیتے اور اپنے بیٹوں یا حقیقی چچا زاد بھائیوں سے کسی کو حکم دیتے کہ وہ حضرت رسولؐ کی جگہ سو رہے۔ اس خوف سے کہ شب کو کوئی دشمن دھوکے سے حضرت کو قتل نہ کر دے (سیرۃ حلبیہ جلد ا ص ۳۴۳) سبحان اللہ! یہ اولاد نثاری دنیا میں (واقعہ کربلا سے پہلے اور اس کے بعد) آج تک کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہیں سنی گئی۔ جناب ابوطالب حضرت رسولؐ کے بارے میں اس درجہ احتیاط برتتے کہ خوف کرتے شاید کسی دشمن نے دن کے وقت یا سر شام حضرت رسولؐ کے سونے کی جگہ دیکھ لی ہو۔ اس وجہ سے لوگوں کے سو جانے پر حضرت کو اس جگہ سے اٹھا دیتے اور اپنے جگر کے ٹکڑوں یعنی بیٹوں یا بھائیوں سے کسی کو وہاں سلا دیتے کہ اگر وہ دشمن اس جگہ کو یاد رکھ کر حملہ کر دے گا تو حضرت رسولؐ وہاں سے ہٹ جانے کی وجہ سے بچ جائیں گے اور جناب ابوطالب کا کوئی بیٹا یا حقیقی یا چچا زاد بھائی قتل ہو جائے گا۔ اسی طرح آپ ہر روز اپنے لڑکوں کو اپنے یتیم بھتیجے اور خدا کے آخری رسولؐ پر فدا کرتے رہتے تھے۔

جناب ابوطالبؑ کا ادبی کمال

جس طرح حضرت امیر المومنینؑ کی متعدد کتابیں مثلاً (۱) درر و غرر (۲) دستور معالم الحکم (۳) نہج البلاغہ وغیرہ آج تک بے مثل و نظیر ہیں۔ حضرت کے والد جناب ابوطالبؑ کا ادبی کمال بھی نہایت اعلےٰ درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ مثلاً اپنے بھائی جناب حمزہ سے جب وہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے فرماتے تھے۔

فصبرا ابا یعلی علی دین احمد وکن مظہر الدین وفقت صابرا

یعنی اے ابو علیٰ (حمزہ) آپ دین احمدؐ پر ثابت قدم رہیں اور پورے استقلال سے دین اسلام کا اظہار کرتے رہیں۔ خدا کرے آپ موفق من اللہ ہوں یا جب قوم قریش آپ سے درخواست کرتی تھی کہ آپ حضرت رسولؐ کو اسلام کی طرف دعوت کرنے سے روکیں تو جناب ابوطالب حضرت رسولؐ سے کہتے

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم　　　حتی اوسد فی التراب دفینا

اے رسولؐ! خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں یہ تمہارے دشمن لوگ تم تک نہیں آسکتے۔ جب کفار مکہ کے عہد نامہ پر خدا نے دیمک کو مسلط کر دیا۔ جس نے اس عہد نامہ کو چاٹ لیا اور جناب ابوطالب نے کفار قریش کو اس کی خبر دی مگر پھر بھی وہ نہ مانے تو جناب ابوطالبؑ نے قریش کے ظلم اور ہٹ دھرمی کی شکایت میں کئی شعر کہے جن میں سے چند یہ ہیں۔

وقد کان فی امر الصحیفۃ عبرۃ　　　متی ما یخبر غائب القوم یعجب

(اس مکتوب کے بارے میں مقام عبرت ہے وہ صحیفہ کہ جب اس سے غائب۔ خبردار کر دیا جائے تو متعجب ہو جائے)۔

محی اللہ عنھا کفر ھم وعقوقھم　　　وما نقموا من ناطق الحق معرب

(خدا نے قریش کے کفر و نافرمانی کو محو کر دیا اور اس انتقام کو بھی محو کر دیا جو ایک سچے سے وہ لے رہے تھے)

فاصبح ما قالوا من الامر باطلا　　　ومن یختلق مالیس بالحق یکذب

(جو کچھ قریش نے کہا تھا وہ باطل ثابت ہوا۔ اور جو بھی حق کو گڑھے گا جھوٹ بولے گا)

ایک موقع پر آپ نے حضرت رسولؐ سے فرمایا

اذھب بنی فما علیک غضاضۃ　　　وابشر بذاک وقر منک عیونا

(بیٹا! جاؤ اپنا کام دعوت اسلام کرتے رہو کوئی ڈر نہیں۔ خوش ہو اور مطمئن رہو)

ایک موقع پر آپ نے یہ اشعار پڑھنے شروع کیے اور حضرت رسولؐ کی طرف ہاتھوں سے اشارہ کرتے جاتے تھے

انت النبی محمد　　　قرم اغر مسود

(یقیناً تم خدا کے نبی محمد ہو۔ تم ذی عزت' روشن اور سردار ہو)

لمسودین اکارم　　　طابوا و طاب المولد

(تم بھی پاک اصل اور تمہارے والدین بھی بزرگ اور پاک اصل ہیں)

نعم الارومۃ اصلھا　　　عمرو الخضم الاوحد

(کیسی عمدہ ہے وہ اصل نسب یعنی عمرو حطیم (جناب ہاشم) یگانہ روزگار)

هشم الربیکة فی الجفا　　ن و عیش مکة انکد

(انہوں نے بڑے پیالوں میں اس وقت روٹی توڑ کر بھگوئی جب قحط سے اہل مکہ کا عیش مکدر تھا)

فجرت بذلک سنة　　فیہا الخبیزۃ تثرد

(اسی دن سے یہ سنت جاری ہو گئی کہ مہمان نوازی کے لیے بڑے پیالوں میں روٹی بھگوئی جانے لگی)

ولنا السقایة للحجیج　　بہا یماث العنجد

(خانہ کعبہ کے حاجیوں کو پانی پلانا ہمارے ہی متعلق ہے جس میں زبیب ملا دیا جاتا ہے)

والمازمان وملحوت　　عرفاتہا والمسجد

(مازمان (تنگ نالے مکہ و منیٰ) ہمارے ہی ہیں اور جن مقامات کو اس کے عرفات و مسجد شامل ہیں)

انی تضلم ولم امت　　وانا الشجاع العربد

(اے رسولؐ تم پر کوئی بھی کیونکر ظلم کر سکتا ہے کیونکہ ابھی ہم زندہ ہیں اور ہم شجاع بہادر ہیں)

وبطاح مکة لاتری　　فیہا نجیع اسود

(مکہ کے شیبوں میں ابھی سیاہ خون جمع نہیں ہوا)

وبنو ابیک کانہم　　اسد العرین توقد

(اور تمہارے بھائی تو ایسے بہادر ہیں جو جوش میں بیشہ شجاعت کے شیر ہیں)

ولقد عہدتک صادقاً　　فی القول لا تتزید

(اے خدا کے سچے رسولؐ! میں نے تم کو ہر بات میں سچا ہی پایا اور حق سے ذرہ برابر تم نہیں بڑھے)

مازلت تنطق بالصواب　　وانت طفل امرد

(تم ہمیشہ سچ ہی بولے۔ اس وقت بھی جب تم بالکل لڑکے تھے)

ایک اور موقع پر جب عثمان بن مظعون کے لیے آپ کو غصہ آیا تھا کیونکہ قریش نے ان کو اذیت پہنچائی تھی۔ آپ نے کہا

من تذکر دھر غیر مامون　　اصبحت مکتبا تبکی لمحزون

(کیا تم بے وفا زمانے کے خیال سے رنجیدہ ہو اور محزون و مغموم کے لیے رو رہے ہو)

من تذکر اقوام ذوی سفہ　　یغشون بالظلم من یدعی الی الدین

(کیا تم سبک عقل لوگوں کا خیال کر کے رنجیدہ ہو جو ظلم سے ان لوگوں کو بچا لیتے ہیں جو دین میں داخل ہوتے ہیں)

لاینتہون عن الفحشاء ما امروا　　والعذر فیہم سبیل غیر مامون

(یہ لوگ بری باتوں سے رکتے نہیں اور حیلہ تو ان کا دستور ہی ہے)

الایرون اذل اللہ جمعھم　　انا غضبنا لعثمان بن مظعون

(اللہ انہیں ذلیل کرے کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ ہم عثمان بن مظعون کے لیے غضبناک ہوئے)

اذیلطمون ولا یخشون مقلتہ　　طعنادر اکا وضر باغیر موھون

(جب وہ لوگ عثمان بن مظعون کو طمانچہ مار رہے تھے اور ان کی آنکھ کی پروانہ کرتے تھے۔ ان کی مار پے درپے تھی اور خفیف نہ تھی)

فسوف نجز بھم ان لم امت عجلا　　کیلا بکیل جزاء غیر مغبون

(اگر میں مر نہ گیا تو بہت جلد اس کا انتقام لے لوں گا جیسے پیمانہ ظلم انہوں نے بھرے ویسے ہی میرے بھی ہوں گے اور میں اس انتقام میں گھاٹا اٹھانے والا نہ ہوں گا)

اوینتھون عن الامر الذی وقفوا　　لہ ویرھنون سنا بعد بالنون

(یہاں تک کہ وہ اپنے کرتوتوں سے باز آئیں اور ہمارے سامنے سرذلت خم کریں)

وتمنع الضیم من ینبغی مضامتنا　　بکل مطرولی الکف مسنون

(ہم ظلم کو رو کرتے ہیں۔ منع کرتے ہیں جو ہم پر ظلم کرنا چاہتا ہے کھینچی ہوئی اصیل تلوار سے)

ومرھنات کان الملح خالطھا　　یشفی بھا الداء من ھلم المجانین

(اور ان تلواروں سے جن کے جوہر ابھرے ہوئے ہیں اور صیقل ہیں جو مجنونوں کے سر سے مرض جنون دور کردیتی ہیں)

حتی تقرو جال لاحلوم لھا　　بعد الصعوبتہ بالاسماح والدین

(یہاں تک کہ بے وقوف لوگ بعد سختی نرم ہو جائیں اور قول حق قبول کریں)

اویومنوا بکتاب منزل عجب　　علی نبی کموسی او کذی نون

(یا وہ کتاب منزل من اللہ پر جو انوکھی ہے۔ ایمان لائیں جو موسیٰ اور ذوالنون ایسے نبی پر اتری)۔

یاتی بامر جلی غیر ذی عوج　　کماتبین فی ایات یاسین

(وہ جو نبی جو امر روشن و حق کو ظاہر کرتا ہے جیسا کہ آپ کی علامتوں میں ظاہر ہو چکا)

جناب ابوطالبؑ کا قصیدہ لامیہ

جناب ابوطالب کا ایک بہت مشہور قصیدہ لامیہ ہے جس کے اشعار سے یہ بھی ہیں۔ یہ آپ کا بہت بڑا اور طویل قصیدہ ہے جو سو شعروں سے بھی زائد ہے اور جس کا تذکرہ مع شرح "لب لباب لسان عرب" میں موجود ہے۔ عبدالملک بن ہشام نے بھی اس کو اپنی سیرت جلد ا صفحہ ۱۶۷ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے اور صاحب

ناسخ التواریخ نے اس کو نقل کیا ہے۔ آلوسی نے بلوغ الارب جلد ۱ صفحہ ۳۵۹ طبع اول میں بھی اس کے اشعار نقل کیے ہیں۔ اس قصیدے کے بہت سے اشعار شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۳۱۵، ۳۱۶ مطبوعہ مصر میں بھی ہیں۔ علامہ دحلانی نے صفحہ ۱۱ پر اس میں کے بعض اشعار نقل کیے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس قصیدہ میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو جناب ابو طالبؑ کے ایمان اور تصدیق رسالت پر واضح دلیل ہیں۔ علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن کثیر نے اس قصیدہ کی مدح میں کہا ہے کہ یہ قصیدہ بے حد بلیغ ہے اور کسی شخص میں اتنی قابلیت نہیں کہ ایسا قصیدہ کہہ سکے سوا اس بزرگ کے جن کی طرف یہ منسوب ہے یعنی ابو طالبؑ کے ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جناب ابو طالبؑ کا یہ قصیدہ معلقات سبع سے بہتر اور بلحاظ معنی ہیں رفیق تر ہے۔ فرماتے ہیں۔

(۱) خلیلی ما اذنی لاول عاذل بصغواء فی حق ولا عند باطل

(میرے دوستو! میں ملامت کرنے والے کی بات سنتی نہیں چاہتا وہ حق ہو یا باطل)

(۲) خلیلی ان الرای لیس بشرکة ولا نهنه عند الامور البلابل

(رہ گئی رائے تو نہ وہ سانجے کی بات ہے اور نہ سخت وقتوں میں اس میں رکاوٹ ہے)

(۳) ولما رایت القوم لا ودعندهم وقد قطعوا کل العری والوسائل

(جب میں نے دیکھ لیا کہ قوم میں محبت کا نام نہیں اور انہوں نے کل لگاؤ اور وسیلے کاٹ ڈالے)

(۴) وقد صارحونا بالعداوة والاذی وقد طاوعوا امرا بعد والمزابل

(اور انہوں نے کھلم کھلا دشمنی کی اور اذیت دی اور انہوں نے دشمن کے کہنے کو مانا)

(۵) وقد حالفوا قوماً علینا اظنة یعضون غیظا خلفنا بالانامل

(ان لوگوں نے ہمارے خلاف اس قوم کو حلیف بنایا جو ہمارے پیچھے غصہ میں اپنی انگلیاں دانتوں سے کاٹا کرتے ہیں)

(۶) صبرت لهم نفسی بسمراء سمحة وابیض عضب من تراث المقاول

(نیزہ خوں ریز اور تیز شمشیر کے لیے میں نے اپنے نفس کو روک رکھا جو سرداروں کی میراث ہے)

(۷) واحضرت عندالبیت رهطی واخوتی وامسکت من اثوابه بالوصائل

(جب یہ دیکھا تو میں اپنے کنبے اور بھائیوں کو خانہ کعبہ کے پاس لایا اور اس کے پردوں سے تمسک کیا)

(۸) قیاما معا مستقبلین رتاجه لدی حیث یقضی حلفه کل نافل

(ہم سب در کعبہ کے سامنے رک کے کھڑے ہوئے۔ جہاں ہر نافلہ گزار اپنا نافلہ ادا کرتا ہے)

(۹) اعوذ برب الناس من کل طاعن علینا بسوء او ملح بباطل

(میں بدگو اور باطل کوش کے طعنوں سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں)

(۱۰) ومن کاشح یسعی لنا بمعیبۃ   ومن ملحق فی الدین مالم نحاول

(اور اس دشمن سے پناہ مانگتا ہوں جو عیب جوئی میں لگا رہتا ہے اور جو دین میں وہ باتیں ملا دیتا ہے جن کا ہم نے ارادہ نہیں کیا) (۱۱) وننصرہ حتی نصرع دونہ   ونذھل عن ابنائنا والحلائل

(ہم اس کی مدد آخر وقت تک کیے جائیں گے اور اس وقت تک جب تک ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھول نہ جائیں یعنی مرتے دم تک)

(۱۲) وحتی تری ذا الردع یرکب ردعہ   من الطعن فعل الانکب المتحامل

(یہاں تک کہ کینہ ور کو ہم دیکھیں کہ نیزے سے منہ کے بل اس طرح گرا جیسے کنارے پر چلنے والا)

(۱۳) وانا و بیت اللہ من جد جدنا   لتلتبسن اسیا فنا بالا ماثل

(ہم تو کعبہ کی قسم یہی جانتے ہیں کہ اپنی تلوار سے منتخب لوگوں کو قتل کریں)

(۱۴) بکفی فتی مثل الشہاب سمیدع   اخی ثقتہ عند الحفیظتہ باسل

(جو اس جوان کے ہاتھ میں ہو گی جو سردار قوم ہے اور تیر شہاب کی طرح ہے قابل وثوق ہے اور وقت جنگ بہادر ہے

(۱۵) وابیض یستسقی الغمام بوجہہ   ثمال الیتامی عصمتہ للا رامل

(سپید رنگ سردار جس کے چہرے سے ابر برسایا جاتا ہے جو یتیموں کا فریاد رس بیواؤں کا محافظ ہے)

(۱۶) یلوذبہ الھلاک من ال ھاشم   لھم عندہ من نعمتہ وفواضل

(وہ ذات جس کے سایہ میں بنی ہاشم کے مجبور لوگ پناہ لیتے ہیں اور نعمتیں پاتے ہیں)

(۱۷) ومیزان صدق لایخیس شعیرۃ   دوزان صدق وزنہ غیر عائل

(وہ ذات جو سچائی کی ترازو ہے جو تول میں جو بھر کمی نہیں کرتا اور سچا تولنے والا ہے)

(۱۸) الم تعلموا ان ابنا لامکذب   لدینا ولا نعبا بقول الا باطل

(تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارا بیٹا (احمد) جھوٹا نہیں اور ہم یاوہ گو لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے)

(۱۹) لعمری لقد کلفت وجدابا حمد   واحببتہ حب الحبیب المواصل

(اپنی عمر کی قسم میں مال و جان سے احمد کو چاہتا ہوں اور بے حد دوست رکھتا ہوں)

(۲۰) فلا زال فی الدنیا جمالا لا ھلھا   وشینا لمن عادی وزین المحافل

(اے رسولؐ تم ہمیشہ جمال اہل دنیا زینت محافل اور دشمنوں کے لیے مضر رہو)

(۲۱) وایدہ رب العباد بنصرہ   واظھر دینا حقہ غیر باطل

(خدا نے رسولؐ کی مدد کی اور اس کے دین حق کو جو باطل نہ تھا ظاہر فرمایا)

یوں ہی آپ کی وہ نظم ہے جو آپ نے اس وقت فرمائی تھی جب قریش نے پیغمبر اور بنی ہاشم سے مقاطعہ کیا

تھا اور عہد نامہ اس بارے میں لکھ کر دستخط کیے تھے جس کے چند اشعار یہ ہیں (یہ تمام اشعار سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۱۵ طبع ثانی میں اور شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۳۱۲ پر موجود ہیں)

الم تعلموا انا وجدنا محمدا　　نبیا کموسی خط فی اول الکتب

(کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم نے محمد کو اس طرح نبی پایا جیسے کہ جناب موسیٰ تھے جن کی بات اگلی کتابوں میں مذکور ہے)

وان الذی رقشتم فی کتابکم　　یکون لکم یوما کراغیتہ السقب

(جو کچھ تم نے اپنے عہد نامہ میں لکھا ہے وہ تمہارے لیے غیر مفید ثابت ہو گا)

افیقوا افیقوا قبل ان یحضر الثری　　ویصبح من لم یجن ذنبا کذی ذنب

(ہوش میں آؤ ہوش میں آؤ قبل اس کے کہ موت آنے اور غیر مجرم مجرم قرار دیا جائے)

فلسنا ورب البیت نسلم احمد　　لعزاء من عض الزمان ولا کرب

(خدائے کعبہ کی قسم ہم احمد (رسولؐ) کو سختیوں کے حوالہ نہ کریں گے چاہے زمانہ تکلیف دہ اور ایذا رساں ہو)

ولما تبین منکم ومنا سوالف　　وایدا ترت بالفساسیتہ الشہب

(اور ہم میں تم میں تو اس سے پہلے ایسی باتیں نہیں ہوئیں کہ ہاتھوں میں چمکدار تلواریں کھینچ لی جائیں)۔

بمعترک ضنک ترضی قصدالقنا　　بہ والضباع العرج تعکف کالشرب

(جنگ کے اس تنگ میدان میں جہاں نیزہ بازی ہوتی ہے اور بجو پیاسے اونٹوں کی طرح جمع ہوتے ہیں)

کان مجال الخیل فی حجراتہ　　وغمغمتہ الابطال معرکتہ الحرب

(بہادروں کے سمے اور گھوڑوں کی دوڑ مقامات حرب میں، اسی کا نام معرکہ ہے)

الیس ابو نا ہاشم شدا زرہ　　واوصی بنیہ بالطعان وبالضرب

کیا ہمارے باپ ہاشم نے کمر شجاعت چست نہیں باندھی تھی اور کیا انہوں نے اپنے بیٹوں کو نیزہ بازی اور تیغ زنی کی وصیت نہیں کی تھی)

ولسنا نمل الحرب حتی تملنا　　ولا نشتکی ماقد ینوب من النکب

(ہم جنگ سے تھکتے نہیں اور نہ جنگ کی سختیوں کی شکایت کرتے ہیں)۔

ولکننا اهل الحفائظ والنہی　　اذا طارا رواح الکماۃ من الرعب

(لیکن ہم صاحبان حفیظہ اور ارباب عقل ہیں (ہم ثابت قدم رہتے ہیں) جب بہادروں کی روحیں میدان جنگ میں رعب سے پرواز کرتی ہیں)

علامہ دحلانی نے کتاب اسنے المطالب میں صفحہ ۱۰ پر ان اشعار کو لکھتے ہوئے تحریر کیا ہے "یہ قصیدہ ابوطالب

کا ہے جو اس وقت کہا گیا۔ جب قریش نے بنی ہاشم کا محاصرہ شعب میں کیا تھا یہ قصیدہ غرائے بلیغ اس بات پر دلیل ہے کہ ابوطالب کو بے حد محبت رسولؐ سے تھی یہ کہ ابوطالب نے بے انتہا حمایت رسولؐ کی' یہ کہ آپ نے رسول سے دشمنوں کو دفع کیا اور یہ کہ تصدیق نبوت فرمائی ان ابیات کو وحلانی نے اپنی کتاب اسنے المطالب میں صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور تحریر کیا ہے کہ اس بات پر کہ یہ حضرت ابوطالب ہی کے اشعار ہیں مقاتل' عبداللہ بن عباس' قاسم بن مخیمرہ اور عطا بن دینار نے اتفاق کیا ہے۔ ابو الفدا نے اس کی تائید کرتے ہوئے اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۲۰ جلد ا پر یہ اشعار درج کیے ہیں اور اس میں ایک شعر کا اور اضافہ کیا ہے اور یہ عبارت لکھی ہے **(ومن شعر ابی طالب مما یدل علی انہ کان مصدقاً للرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قولہ)** مفہوم عبارت یہ ابوطالب کے اشعار ہیں جو اس بات کی دلیل سیرۃ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۶۵ طبع ۲ میں یہ اشعار ہیں اور علامہ دحلانی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸ پر ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابوطالب کے بہترین' نمایاں اور روشن اشعار میں سے یہ اشعار ہیں جو تصدیق نبوت پر دلیل ہیں۔

ہیں کہ آپ نے نبوت کی تصدیق کی جیسا کہ آپ کا قول شاہد ہے **ودعوتنی و علمت انک صادق** (سیرۃ حلبیہ جلد ا ص ۲۸۷ میں بھی یہ اشعار ہیں۔

ایضاً

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم — حتیٰ اوسد فی التراب دفینا

(خدا کی قسم اے رسولؐ قریش اپنے جتھے سمیت تم تک نہیں پہنچ سکتے جب تک میں خاک میں نہ مل جاؤں)

فاصدع بامرک ماعلیک غضاضۃ — وابشر بذاک وقر منک عیونا

(جو کچھ تم کو خدا کا حکم ہے اسے ظاہر کرو۔ اور اس سے خوش ہو اور اپنی آنکھیں خنک رکھو)

ودعوتنی وعلمت انک صادق — ولقد صدقت و کنت ثم امینا

(اے رسول! تو نے مجھے دعوت اسلام دی اور اس میں تو سچا تھا اور تو صادق بھی اور امین بھی)

ولقد علمت بان دین محمد — من خیر ادیان البریۃ دینا

(میں نے جان لیا ہے کہ دین محمدؐ بہترین ادیان ہے اور بہترین ادیان مذاہب عالم)

ایضاً

اذا اجتمعت یوما قریش لمفخر — فعبد مناف سرھا وصمیمھا

(اگر کسی دن قریش مقام فخر و افتخار میں جمع ہوں تو عبد مناف فقط بے عیب ثابت ہوں گے)

وان حصلت انساب عبد منافها　　ففی هاشم اشرافها و قدیمها

(جب انساب عبد مناف کا تذکرہ ہو گا تو بنی ہاشم میں اشراف و شرف تقدیم کا شمار ہو گا)

وان فخرت یوما فان محمدا　　هو المصطفی من سرها و کریمها

(اور اگر وہ بھی فخر کریں تو محمد مصطفےٰ جو کریم ترین قریش ہیں کی ذات پر فخر کر سکتے ہیں جو بزرگ ترین و کریم ہیں۔

تداعت قریش غثها و سمینها　　علینا فلم تظفر و طاشت حلومها

(ہم پر قریش نے اچھے برے سبھی دعوے کیے مگر انہیں ظفر نہ نصیب ہوئی اور ان کی عقلیں بٹا گئیں)

و کنا قدیما لا نقر ظلامة　　اذا ثنوا صعر الخدود نقیمها

(ہم تو پہلے ہی سے ظلم نہیں سہ سکتے تھے (لہٰذا) جب وہ ٹیڑھے ہو کے چلے (متکبرانہ انداز میں) تو ہم نے ان کو سیدھا کر دیا)

ونحمی حماها کل یوم کریهة　　ونضرب عن احجارها من یرومها

(ہم روز جنگ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور دشمن سے جنگ کرتے ہیں)

بنا انتعش العود الذواء وانما　　باکنافنا تندی وتنمی ارومها

(ہم ہی وہ ہیں جس کے سبب سے خشک شاخ سرسبز ہو جاتی ہے اور ہماری ہی اطراف میں اس کی جڑ سبز ہوتی ہے اور پھیلتی ہے۔

حضرت ابوطالب کے یہ اشعار اس وقت کے ہیں جب آپ ابولہب کو نصرت رسولؐ پر برانگیختہ کرنا چاہتے تھے۔

وان امرا ابو عتیبة عمه　　لفی معزل من ان یسلم المظالما

(وہ شخص جس کا چچا ابولہب ہے یعنی رسول وہ ایسے مقام میں ہے کہ اس پر ظلم نہیں کیا جا سکتا)

ولا تقبلن الدهر ما عشت خطة　　تسب بها اما هبطت المواسما

(جب تک جیو ایسی خصلت نہ قبول کرو جس کی وجہ سے تم پر عرب کے میلوں میں گالیاں پڑیں)

اقول له و این منه نصیحتی　　اباعتیبة ثبت سوادک قائما

(میں ابولہب کو نصیحت کرتا ہوں اور میری نصیحت کو وہ کیا مانے گا کہ اے ابولہب رسول کی مدد کر)

دول سبیل العجز غیرک منهم　　فانک لم تخلق علی العجز لازما

(اور عاجزی دوسروں کے لیے رہنے دے کیوں کہ تو عاجز نہیں پیدا کیا گیا)

وحارب فان الحرب نصف ولن ترى　　اخا الحرب يعطى الخسف حتى يسالما

(اور لڑ کیونکہ یہی انصاف ہے اور جنگ جو جب تک صلح نہ کرے ذلیل نہیں ہوتا)

کذبتم وبیت اللہ نبزی محمدا　　ولما تروا یوما من الشعب قائما

(تم نے جھوٹ کہا کہ ہم نے رسول کو چھوڑ دیا۔ کس دن رسول کو شعب سے اٹھتے ہوئے دیکھا تھا؟)
(سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۲۶ شرح حدیدی جلد ۲ ص ۳۱۴)

ایضاً

ان علیا و جعفر ا ثقتی　　عند ملم الزمان والنوب

(مصیبت اور ناموافقت زمانہ کے وقت میرے معتمد (میرے دونوں لڑکے) علی و جعفر ہیں)

لا تخذلا وانصرا ابن عمکما　　اخی لا می من بینهم وابی

(اے علی و جعفر! دیکھو اپنے بھائی رسول کی مدد کیے جانا اور ان کو تنہا نہ چھوڑنا)

واللہ لا اخذل النبی ولا　　یخذله من بنی ذوحسب

(خدا کی قسم نہ میں ترک نصرت رسول کروں گا اور نہ میرے شریف اور صاحب حسب لڑکے ترک نصرت رسول کریں گے)۔ (شرح حدیدی جلد ۲ ص ۳۱۴)

ایضاً

فلا تسفهوا احلامکم فی محمد　　ولا تتبعوا امرا الغوات الاشائم

(قریش والو!) رسول کے معاملہ میں بے وقوف نہ بنو اور منحوس گمراہوں کا اتباع نہ کرو)

تمنیتموا ان تقتلو لا وانما　　امانیکم ھذے کا حلام نائم

(تم نے یہ تمنا کی کہ تم رسول کو قتل کر ڈالو گے یہ تمہاری تمنائیں سونے والے کا خواب تھیں)

وانکم واللہ لا تقتلونه　　ولما ترو القطف اللحی والجماجم

(خدا کی قسم تم انہیں قتل نہیں کر سکتے جب تک جنگ سے سر اور جبڑے کی ہڈی نہ ٹوٹے)

زعمتم بانا مسلمون محمدا　　ولما نقاذف دونه و تراحم

(تم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم محمد کو بغیر لڑے بھڑے تمہارے سپرد کر دیں گے)

من القوم مفضال ابی علی العدے　　تمکن فی الفرعین من ال ھاشم

(قوم میں صاحب فضل وہ لوگ ہیں جو دشمنوں کے حملے نہیں سہہ سکتے اور جو ماں باپ دونوں طرف سے خاندان ہاشم میں ہیں)

امین حبیب فی العباد مسوم　　بخاتم رب قاهر فی الخواتم

(محمد امین وحبیب بندوں میں ہیں اور مہر خداوند قہار سے پہچانے ہوئے ہیں)

یری الناس برهانا علیه وهیبته　　وما جاهل فی قومه مثل عالم

(لوگ رسول میں دلائل نبوت اور ہیبت رسالت دیکھتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ عالم و جاہل برابر نہیں ہوتے)

نبی اتاه الوحی من عند ربه　　ومن قال لا یقرع بها سن نادم

یہ وہ نبی ہیں جن پر خدا کی طرف سے وحی آتی ہے اور جو انہیں رسول مانے گا وہ نادم نہ ہو گا)۔ (شرح حدیدی جلد ۲ ص ۳۱۳)

ایضاً

و قالوا لا حمد انت امرء　　خلوف الحدیث ضعیف السبب

(قریش نے رسول سے کہا کہ تم وہ آدمی ہو جس کی باتیں ٹھیک نہیں اور کمزور و ضعیف ہیں)

و ان کان احمد ما جاء هم　　بصدق و لم یاتهم بالکذب

(اگرچہ احمد نے جو کچھ ان سے کہا وہ سب سچ تھا اور اس میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہ تھا)

فانا و من حج من راکب　　و کعبة مکة ذات الحجب

(ہم کہتے ہیں کہ حجاج بیت اور کعبہ کی قسم)

تنالون احمد او تصطلوا　　ظباة الرماح و حد القضب

(وہ رسول کو مجھ سے نہیں لے سکتے جب تک تلوار کی آنچ میں تاپ نہ لیں)

و تعترفوا بین ابیاتکم　　صدور العوالی و خیلا شزب

(یہاں تک کہ تم اپنے مقامات پر طویل نیزوں اور سریع السیر گھوڑوں کو پہچانو گے)

علیها صنادید من هاشم　　هم الانجبون فی المنتجب

(جن پر نجیب و شریف سرداران بنی ہاشم سوار ہوں گے)

حضرت ابو طالب کی ادبیت نثر

بہت سی چیزیں آپ کے کلام میں سے گزریں۔ اب یہاں ہم اس وصیت کا تذکرہ کرتے ہیں جس کو بہت

ے مورخین مثلاً آلوسی صاحب بلوغ الارب جلد۱ ص ۳۴۶' دیار بکری صاحب تاریخ خمیس جلد۱ ص ۳۴۹' دحلانی ص ۵' اور حلبی جلد۱ ص ۳۵۲ نے لکھا ہے تاکہ آپ کی ادبیت نثر پر روشنی پڑے۔

صاحب بلوغ الارب کی تحریر کا خلاصہ

ہشام بن محمد بن سائب کلبی سے روایت ہے کہ جب حضرت ابو طالب کی وفات قریب ہوئی تو آپ نے سرداران قریش کو جمع کیا اور ان کو وصیت کی اور کہا:

یا معشر قریش انتم صفوۃ اللہ من خلقہ و قلب العرب فیکم السید المطاع و فیکم المقدام الشجاع الواسع الباع۔ واعلموا انکم لم تترکوا للعرب فی المآثر نصیبا الا احرزتموہ و لا شرفا الا ادرکتموہ فلکم بذلک علی الناس الفضیلۃ و لھم بہ الیکم الوسیلۃ و الناس لکم حرب و علی حربکم الب و انی اوصیکم بتعظیم ھذا البیت یعنی الکعبۃ۔ فان فیھا مرضاۃ للرب و قواما للمعاش۔ صلوا ارحامکم فان فی صلۃ الرحم منساۃ فی الاجل و زیادۃ فی العدد' اترکوا البغی و العقوق ففیھما ھلکت القرون قبلکم اجیبوا الداعی' و اعطوا السائل فان فیھما شرف الحیاۃ و المماۃ و علیکم بصدق الحدیث و اداء الامانۃ فان فیھما محبۃ فی الخاص و مکرمۃ فی العام و انی اوصیکم بمحمد خیرا فانہ الامین فی قریش و الصدیق فی العرب و ھو الجامع لکل ما اوصیکم بہ و قد جاء نا بامر قبلہ الجنان و انکرہ اللسان مخافۃ الشنان۔ و ایم اللہ کانی انظر الی صعالیک العرب و اھل الاطراف و مستضعفین من الناس قد اجابوا دعوتہ و صدقوا کلمتہ و عظموا امرہ فخاض بھم غمرات الموت و صارت رؤساء قریش و صنا دیدھا اذنابا و دورھا خرابا و ضعفاؤھا اربابا و اذا اعظمھم علیہ احوجھم الیہ قد محضتہ العرب و دادھا و اصفت لہ بلادھا و اعطتہ قیادھا یا معشر قریش کونوا لہ ولاۃ و لحزبہ حماۃ واللہ لا یسلک احد سبیلہ الا رشد و لا یاخذ احد بھدیہ الا سعد و لو کان لنفسی مدۃ و لا جلی تاخیر لکففت عنہ الھزا ھزا و لدفعت عنہ الدواھی و قال لھم مرۃ لن تزالوا بخیر ما سمعتم بمحمد و ما اتبعتم امرہ فاطیعوہ ترشدوا

اے گروہ قریش! تم تمام مخلوقات میں اللہ کے چنے ہوئے بندے ہوئے اور تم عرب کے دل ہو۔ تمہیں میں وہ سردار ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے اور تمہیں میں سے وہ بہادر پر ہمت' حوصلہ مند اور سخی ہے جو آگے بڑھتا ہے (تم خود سمجھتے ہو) اور (اب بھی) جان لو کہ عرب کے لئے خوبیوں میں کوئی ایسا حصہ نہ تھا جس کو تم نے حاصل نہ کر لیا ہو اور نہ کوئی ایسا شرف باقی رہا جس کو تم نے نہ پا لیا ہو اس حیثیت سے تم کو لوگوں پر فضیلت ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ تمہارا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ لوگ تمہاری حمایت پر لڑنے کے

لئے آمادہ اور تمہاری طرف سے جنگ پر کمر باندھے رہتے ہیں۔ سنو! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا کے اس گھر یعنی خانہ کعبہ کی برابر تعظیم کرتے رہنا کیونکہ اس میں تمہارے پروردگار کی خوشنودی اور تمہارے ذرائع معاش کا سامان ہے تم لوگ صلہ رحمی بھی کرتے ہو کیونکہ صلہ رحم سے عمریں زیادہ ہوتی ہیں اور اپنی تعداد خوب بڑھتی رہتی ہے۔ ساتھ ہی بغاوت اور نافرمانی سے دور رہنا کہ ان دو عیبوں کی وجہ سے تمہارے پہلے بہت سی قومیں ہلاک ہو گئیں۔ مظلوم کی فریاد کو پہنچو اور سائل کی حاجت پوری کرو۔ کیونکہ ان دو خوبیوں میں زندگی اور موت کی عزت ہے ہمیشہ سچ بولو اور لوگوں کی امانت ادا کرتے رہو۔ کیونکہ ان دونوں وصفوں سے خاص طبقہ میں محبت اور عام طبقہ میں عزت بڑھتی ہے اور میں تم کو (اپنے بھتیجے) محمدؐ کے بارے میں بھی وصیت کئے جا رہا ہوں کہ ان کے ساتھ ہمیشہ بھلائی کرنا تم خوب جانتے ہو کہ وہ قریش میں امین اور عرب میں بڑے سچے کے لقب سے مشہور ہیں اور میں نے تم سے جن خوبیوں کی وصیت کی ہے وہ سب ان میں موجود ہیں وہ ایسا مذہب تم پر پیش کر رہے ہیں جس کو سب کا دل قبول کر رہا ہے مگر دشمنی کے خوف سے زبان انکار کر رہی ہے اور خدا کی قسم گویا وہ زمانہ میرے پیش نظر ہے کہ عرب کے نادار لوگ، ارد گرد کے رہنے والے اور کمزور جماعتیں ان کی دعوت اسلام قبول کر رہی ہیں۔ ان کی بات کی تصدیق کرتی ہیں اور ان کے مسلک کی تعظیم کر رہی ہیں۔ تو وہ (محمدؐ) ان کے ساتھ موت کے دریا میں کود پڑے جس کے بعد قریش کے سردار اور ان کے بڑے بڑے لوگ حقیر ہو گئے۔ ان کے گھر ویران ہو گئے اور ان کے کمزور لوگ مالک بن گئے اور وہ حالت ہو گئی کہ جو ان میں سب سے بڑے تھے وہی ان کے سب سے زیادہ محتاج ہو گئے۔ عرب کے لوگوں نے ان کے لئے اپنی محبت خالص کر دی تو کتنے شہر ان کے فرمان بردار ہو گئے اور ان کی سرداری قبول کر لی۔ اے قریش والو! تم لوگ بھی ان کے دوست بن جاؤ اور ان کی جماعت کی حمایت کرنے لگو۔ خدا کی قسم جو شخص ان کے مذہب پر چلے گا وہ ضرور نجات پائے گا اور جو شخص ان کے دین کو قبول کرے گا وہ یقیناً ہدایت یافتہ ہو کر رہے گا۔ اگر میں اور زندہ رہتا اور موت مجھے کچھ مہلت دیتی تو میں ان سے مخالفتوں کو دور اور ان کی مصیبتوں کو دفع کر دیتا اور ان لوگوں سے ایک دفعہ یہ بھی کہا کہ جب تک تم لوگ محمد کی پیروی کرتے رہو گے بھلائی ہی پاتے رہو گے۔ تم ہمیشہ ان کی اطاعت کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

دنیا اس کلام کو دیکھے

اور سمجھے کہ اس عبارت سے حضرت ابو طالب کی کون کون سی صفت ثابت ہوتی ہے۔ (۱) پہلا امر یہ ہے کہ آپ نے مکہ والوں کو خانہ کعبہ کی حفاظت کی تاکید کی۔ وہ خانہ کعبہ جو حضرت ابراہیم کے زمانہ سے خدا

کا گھر اور پورے ملک عرب کی جان تھا۔ اس کی دو خوبیاں کیں۔ رب کی خوشی اور عرب والوں کے لئے اس کا ذریعہ معاش ہونا۔ اگر غور کیا جائے تو واضح ہو کہ یہ جناب ابو طالب کی وصیت نہیں بلکہ گویا حضرت ابراہیم پیغمبر کا کلام ہے جنہوں نے حضرت اسماعیل کے ساتھ خانہ کعبہ کو بنایا تھا۔ اس کلام کو قرآن مجید کے ارشاد سے ملایئے تو صاف معلوم ہو گا کہ حضرت ابو طالب نے گویا مندرجہ ذیل آیتوں کی تفسیر ہی اس میں بیان فرمائی ہے۔

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ
(پارہ ا ع ۱۵)

اور اے پیغمبر! لوگوں کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مرجع (معبد) اور امن کی جگہ ٹھرایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ابراہیمؑ کی اسی جگہ کو نماز کی جگہ مقرر رکھو۔ اور ابراہیم و اسماعیل سے کہا کہ ہمارے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور مجاوروں اور نمازیوں کے لئے پاک صاف رکھو۔ اور اے پیغمبر ان کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب ابراہیم نے دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار اس (شہر مکہ) کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائیں ان کو پھل پھلاری کھانے کو دے۔ اللہ نے فرمایا کہ جو اللہ اور روز آخرت کا منکر ہو گا اس کو بھی چند روز کے لئے ہم فائدہ اٹھانے دیں گے پھر اس کو عذاب دوزخ میں ڈال دیں گے جو برا ٹھکانا ہے اور وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب ابراہیم اور اسماعیل دونوں خانہ کعبہ کی بنیاد اٹھا رہے تھے اور دعائیں مانگتے جاتے تھے کہ اے مالک ہماری یہ خدمت قبول کر لے تو سننے والا جاننے والا ہے۔ اور ہم کو فرمانبردار بنا اور ہماری نسل میں ایک گروہ پیدا کر جو تیرا حکم مانے اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول کر تو بڑا معاف کرنے والا رحیم ہے اور اے مالک اس نسل میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج کہ وہ ان کو تیری آیتیں سنائے۔ انکو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کی اصلاح کرے۔ بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

(۲) دوسرا امر یہ ہے کہ آپ نے صلہ رحم کی تاکید اور اس کے دنیوی فیوض و برکات بیان فرمائے یہ بھی وہ خوبی ہے جس کی بہت کچھ تاکید قرآن مجید میں بھی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (پارہ ۱۰ ع ۶)

اور رشتہ والے لوگ اللہ کے حکم کے مطابق غیر آدمیوں کی نسبت ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

و اولو الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المومنین و المھاجرین الایہ (پارہ ۲۱ ع ۱۷)

اور رشتہ دار لوگ قرآن کی رو سے تمام مسلمانوں اور مہاجروں سے بڑھ کر ایک کے حق دار ایک ہیں۔

فھل عسیتم ان تو لیتم ان تفسد وا فی الارض و تقطعوا ارحامکم (پارہ ۲۶ ع ۷)

کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ اگر جہاد کرنے سے پھر بیٹھو تو اس صورت میں بھی لگو ملک میں فساد کرنے اور اپنے رشتے ناتوں کو توڑنے۔

و اتقوا اللہ الذی تساء لون بہ و الا رحام ان اللہ کان علیکم رقیبا (پارہ ۴ رکوع ۱۲)

اور جس خدا کا واسطہ دے کر تم اپنے کتنے کام نکال لیتے ہو اس کا اور رشتوں کا پاس ملحوظ رکھو (یعنی صلہ رحم کرو) یقیناً اللہ تمہارا نگران ہے۔

اللہ اکبر خدا کی نظر میں صلہ رحم کی اتنی اہمیت ہے کہ خدا نے اپنے حقوق اور صلہ رحم کرنے کے حقوق کو برابر ایک ساتھ ہی ذکر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ صلہ رحم کرنے سے اپنے رشتہ دار مضبوط ہو جاتے ہیں۔ ان کی پریشانی دور ہو جاتی ہے ان کی مصیبت کم ہو جاتی ہے۔ ان کا بڑا سہارا ہو جاتا ہے۔ اس طرح درحقیقت صلہ رحم کرنے والے ہی کی قوت بڑھتی ہے اور طاقت زیادہ ہو جاتی ہے۔

(۳) پھر حضرت ابو طالب نے بغی اور عقوق سے لوگوں کو منع کیا۔ یہ بھی بالکل قرآن مجید ہی کی ہدایتیں ہیں جو جناب ابو طالب کی زبان پر جاری ہوئیں۔ اس دعوے کی تصدیق ان آیات کلام مجید سے ہوتی ہے۔

انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا و ما بطن و الاثم و البغیَ الایتہ (پارہ ۸ رکوع ۱۱)

میرے پروردگار نے بے حیائی کے کاموں کو منع فرمایا ہے۔ ظاہر ہوں یا باطن اور گناہ اور بغاوت کرنے کو۔

ان اللہ یا مر بالعدل و الاحسان و ایتاء ذی القربی و ینھی عن الفحشاء و المنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون (پارہ ۱۴ رکوع ۱۹)

اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا اور لوگوں کے ساتھ احسانکرنے اور قرابت والوں کو مالی امداد دینے کا اور بے حیائی اور ناشائستہ حرکتوں اور زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے تاکہ تم لوگ نصیحت حاصل کرو۔

یا ایھا الناس انما بغیکم علی انفسکم متاع الحیوۃ الدنیا ثم الینا مرجعکم فننبئکم بما کنتم تعملون (پارہ ۱۱ ع ۸)

لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہاری ہی جانوں پر پڑے گا یہ بھی دنیا کی چند روزہ زندگی کے مزے ہیں پھر تم کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے تو اس وقت جو کچھ بھی تم دنیا میں کرتے رہے ہم تم کو بتا دیں گے۔

جناب ابو طالب کا یہ ارشاد بھی بہت اہم ہے کہ فرمایا سرکشی اور نافرمانی کرنے سے پہلے کتنے ہی لوگ ہلاک

اور برباد ہو گئے' پہلے والوں کے بعد کتنے لوگ مٹ گئے۔ مثال کے لئے بنی امیہ کو دیکھ لیجئے۔ جن کی سلطنت یورپ' افریقہ' ایشیاء میں چین تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ صرف ۸۲ سال بعد ایسے مٹ گئے کہ سب کے لئے عبرت گاہ بن گئے۔ ۱۳۲ھ کے بعد ایشیاء میں تو ان کا نام باقی ہی نہیں رہا۔ یورپ کے مختصر ملک اسپین میں ان کی حکومت قائم ہوئی تو اس کو بھی کچھ مدت کے بعد یورپ کے باشندوں نے ایسا مٹایا کہ اب ان کا کوئی نشان وہاں بھی باقی نہیں رہا۔ اللہ اکبر! یہودی قوم کتنی قدیم ہے۔ وہ تباہ و برباد ہوتے ہوئے بھی اس وقت تک اتنے باقی رہ گئے ہیں کہ اپنی دولت' اپنی مادی طاقت' اپنے اتفاق' اپنی عزت سے دنیا کی ایک معزز قوم سمجھے جاتے ہیں مگر بنی امیہ کی بغاوت اور حقوق کا یہ انجام ہوا کہ آج دنیا میں نہ ان کی حکومت باقی رہی نہ ان کی عزت کا کسی کو پتہ ہے اور نہ ان کا کوئی نشان موجود ہے۔ آج اگر کسی کو جھوٹے بھی بنی امیہ کی اولاد سے کہہ دیا جائے تو وہ اس کو اپنے حق میں بدترین گالی سمجھے۔ اور اگر اس کا بس چلے تو کہنے والوں کا منہ نوچ کے اس کی بوٹیاں کاٹ ڈالے۔ اس کا خون بہانے پر آمادہ ہو جائے۔ یہ سب اس کا نتیجہ ہے کہ ان لوگوں نے خدا سے پوری بغاوت کی اور حضرت رسولؐ اور حضرت کی اولاد کی اتنی نافرمانی کی جس کی حد نہیں ہے۔

حضرت ابو طالبؑ کا ایمان

حضرت امیر المومنینؑ کے پدر بزرگوار کے اسلام و ایمان کو بھی مہربانوں نے ایک اختلافی مسئلہ بنا دیا ہے۔ مگر کئی علماء اہل سنت نے اپنی مفصل اور تحقیقی کتابوں میں اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ حضرت موصوف کا اسلام اور ایمان یقیناً ثابت ہے۔ حال میں حضرات اہل سنت کے ایک عالم و پیشوا جناب مولوی میاں خالد صاحب انصاری ساکن ریاست بھوپال نے بھی اردو زبان میں ایک کتاب حیات ابو طالب لکھی جو دو مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ دوسری مرتبہ نواب حاجی محمد حمید اللہ خان صاحب بہادر والی ریاست بھوپال کی قدر نوازی و کرم گستری سے یہ کتاب چھپی ہے۔ اس میں اس مسئلہ کے بارے میں جو لکھا ہے اس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ اصل عربی عبارتیں ترک کر دی ہیں۔ صرف موصوف ہی کا اردو ترجمہ لے لیا ہے۔ ممدوح نے لکھا ہے:

مسئلہ کفر و ایمان جناب ابو طالبؑ

یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے کہ آیا ابو طالب کافر مرے یا مومن۔ کفر کے متعلق جس قدر روایتیں مشہور ہیں

پہلے ان کو علی الترتیب بیان کیا جاتا ہے۔
قرآن مجید سے مشہور استدلال کیا جاتا ہے۔ کہ آیہ شریفہ **ما کان للنبی و الذین امنوا ان یستغفرو للمشرکین و لو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم** (پیغمبر اور مومنین کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے جب کہ یہ امر اچھی طرح واضح اور روشن ہوگیا کہ وہ جہنمی ہیں دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ مشرکین قریبی عزیز و رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں) قرآن مجید کی یہ آیت ابو طالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔ حضرت سعید ابن المسیب اپنے باپ مسیب رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں۔ کہ ابو طالب کی وفات کے بعد رسول اللہ ان کے پاس پہنچے وہاں ابوجہل و عبداللہ بن ابی امیہ تھے۔ حضورؐ نے فرمایا چچا! **لا الہ الا اللہ** کہو تاکہ اس کلمہ کی وجہ سے میں خدا سے کچھ عرض کر سکوں تو ابوجہل و عبداللہ بن امیہ بولے۔ ابو طالب! کیا ملت ابو طالب سے انحراف کرتے ہو؟ ان کے اصرار پر ابو طالب نے کہا میں ملت عبدالمطلب پر ہوں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا میں جب تک ممانعت نہ ہو آپ کے لئے استغفار کروں گا جس پر یہ آیت نازل ہوئی **ما کان للنبی الخ** (سورۂ توبہ) اور یہ **انک لا تھدی من احببت** (سورۂ قصص)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ نے جزو ۱۱ صفحہ ۳۰ میں فرمایا ہے: اہل تاویل کا اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کی شان میں نازل ہوئی۔ اس لئے ان کی وفات کے بعد حضور کا یہ ارادہ ہوا کہ استغفار فرمائیں۔ جس سے خدا نے منع فرمایا۔ پہلی روایت بطریق معمر رحمہ اللہ ہے۔ دوسری روایت حضرت سعید ابن المسیب کی ہے جو اپنے والد مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں۔ تیسری روایت عمر ابن دینار رضی اللہ عنہ کی ہے۔ چوتھی روایت پھر سعید بن المسیبؓ کی ہے کہ مجھ سے حدیث بیان کی مثنیٰ نے، انہوں نے ابو حذیفہ سے انہوں نے شبلی سے انہوں نے عمر بن دینار سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے استغفار کیا۔ میں ہمیشہ ابو طالب کے لئے استغفار کرتا ہوں تا آنکہ مجھے خدا منع فرما دے۔ اس پر آپ کے صحابہ نے کہا کہ ہم بھی اپنے آباؤ اجداد کے لئے استغفار کریں جس طرح حضور نے اپنے چچا کے لئے کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چوتھی روایت بھی مثل اس کے ہے پھر فرماتے ہیں امام جعفر طبریؒ فرماتے ہیں بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت حضور انور صلعم کی والدہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ حضور کا قصد مبارک تھا کہ ان کے لئے استغفار فرمائیں جس سے منع فرمایا گیا۔ چنانچہ پہلی روایت عتبہؓ کی اور دوسری بریدہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ کے لئے استغفار فرمانا چاہا جس سے منع کر دیا گیا۔ دوسری روایت ہم سے حدیث بیان کی۔ ابو احمد نے ان سے قیس نے انہوں نے علقمہ بن مرثد سے انہوں نے سلیمان بن بریدہ

سے انہوں نے اپنے باپ سے یہ کہ حضور علیہ السلام ایک ڈھیر پر آئے اور میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے کہا ایک قبر پر تشریف لائے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ہم نے دیکھا آپ نے جو کچھ کیا۔ فرمایا میں نے خدا سے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی۔ اس کی اجازت مل گئی۔ لیکن استغفار کی اجازت نہیں ملی۔ اس دن سے زیادہ آپ کو روتے ہوئے کبھی نہ دیکھا۔ تیسری روایت: یہی روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ السلام نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کا ارادہ کیا تو خدا نے اس سے منع فرما دیا۔ پھر فرماتے ہیں اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک جماعت مومنین اپنے اعزاز مشرکین کے لئے طلب مغفرت کرتی تھی جس سے منع فرما دیا گیا۔ اور اسی سلسلہ میں امام موصوف نے چند روایتیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و قتادہ رحمتہ اللہ کی بیان فرمائی ہیں۔
فی الحقیقت یہی ایک مکمل قرآن مجید سے استدلال ہے اس کے ذیل میں یہ روایتیں ہیں لیکن اس کے شان نزول کا اختلاف خود اس کا شاہد ہے کہ اس سے مراد یہی ہو سکتی ہے کہ مشرکین موتیٰ کے لئے طلب استغفار یا رحمت نہ کرنا چاہئے۔ ہم ان روایات کی تخریج یا ان پر تبصرہ تو بعد میں کریں گے۔ بالفعل صحیحین اور سنن کی اور روایات جن سے ابو طالبؑ کی گرفتاری عذاب ثابت ہوتی ہے پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا سے وفات کے وقت فرمایا کہو **لا الہ الا اللہ** میں قیامت کے دن آپ کی شہادت دوں گا انہوں نے انکار کیا جس پر آیت **انک لا تھدی من احببت** نازل ہوئی۔ (مسلم شریف جلد اول ص۴۰ باب قصہ ابی طالب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسولؐ اللہ آپ اپنے چچا کے کیا کام آئے۔ وہ آپ کو بچاتے تھے اور آپ کے لئے غصے ہوتے تھے آپ نے فرمایا ٹخنوں تک آگ میں ہیں۔ اور اگر میں سفارش نہ کرتا تو وہ جہنم کی بالکل نیچے کی تہہ میں ہوتے۔

دوسری روایت وہی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔

تیسری روایت: بارگاہ نبوی میں آپ کے چچا کا ذکر ہوا۔ فرمایا شاید میری شفاعت سے ان کو قیامت کے دن اتنا فائدہ ہو کہ وہ اتھلی آگ میں ڈالے جائیں جو ٹخنوں تک پہنچے جس سے ان کا بھیجا کھدکتا رہے۔ (کتاب المناقب) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔ مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جہنمیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب کو بایں طور دیا جائے گا کہ آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے دماغ کھدک جائے گا۔ امام احمد نے بھی اسی طرح ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ لیکن ابو طالب کا نام نہیں ہے اور بزار نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ نے ابو طالب کو کیا نفع پہنچایا؟ فرمایا میں نے اتھلی آگ میں نکال دیا ہے۔

تقریباً" یہ ہی روایتیں ہیں جن سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ ابو طالب مشرک مرے اور انہی کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ **ما کان للنبی الذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین و لو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم** دوسری آیت **انک لا تھدی من احببت و لکن اللہ یھدی من یشاء** جیسا کہ صحیح مسلم سے واضح ہوتا ہے گویا یہ علیحدہ دو آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ ایک سورۃ توبہ میں ایک سورۃ قصص میں۔ تیسری آیت یہ ہے **و ھم ینھون عنہ و ینئون عنہ**

تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شفاعت فرمائی ہے جس کی بدولت ان کو آسان عذاب دیا گیا۔ اور یہ ٹخنوں تک جہنم میں گرفتار ہیں یا ان کو آگ کی نعلیں پہنا دی گئیں۔

چوتھے یہ کہ آپ کی شفاعت آخرت میں ان کے لئے موثر ہو سکے اور پھر ان کو ہلکا عذاب دیا جائے۔

یہی وہ دلائل ہیں جن سے ثابت کیا گیا ہے کہ ابو طالب مشرک یا کافر تھے اہم ترین آیت یہ ہے **ما کان للنبی و الذین** الخ یعنی نبی کے شایان شان یہ نہیں ہے اور نہ ان کے لئے ہے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں، اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں جب کہ ان پر یہ واضح ہو گیا کہ وہ جہنم والے ہیں۔ تفسیر طبری و بخاری و مسلم میں یہ روایت بواسطہ سعید بن مسیب اور وہ اپنے والد حضرت مسیبؓ سے روایت کرتے ہیں یہ تسلیم ہے کہ یہ روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم کی ہے اور ابو جعفر طبری نے اس کو روایت کیا ہے۔ امام طبری نے صرف اس قدر اختلاف نقل کیا ہے کہ مفسرین صحابہ کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے یا آپ کے والدہ ماجدہ سے متعلق ہے۔ یا عام کفار و مشرکین سے متعلق ہے۔ چنانچہ تفسیر طبری میں یہ سب اختلافات امام صاحب نے نقل فرمائے ہیں۔ اس کے قریب قریب صحیح بخاری میں حضرت عباس کی روایت ہے۔

ظاہر ہے کہ اس روایت کا مدار حضرت سعید بن مسیب کے والد سے ہے جو خاندان بنی مخزوم کے ایک فرد تھے۔ اور جن کے متعلق بعض محدثین کا یہ خیال ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کے لگ بھگ یا فتح مکہ میں ایمان لائے۔ اور ان سے صرف دو روایتیں مروی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اصابہ جلد ۲ ص ۴۲۰ میں یہی وضاحت فرمائی ہے کہ ان سے دو روایتیں مروی ہیں۔ اور تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جلد ۱۰ ص ۱۵۲ میں فرماتے ہیں یعنی مسیب اپنے باپ سے اور ابو سفیان والد امیر معاویہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے صرف ان کے لڑکے سعید بن مسیب نے روایت کی ہے۔ علامہ ازدی اور ان کے علاوہ لوگوں نے ان کا شمار ان افراد میں کیا ہے جن سے صرف ایک ہی آدمی نے روایت کی ہو۔

(۲) مسیب صرف یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے وفات کے وقت ابو طالب سے کہا یعنی جبکہ ان کی نزع ہو رہی تھی اور وہاں ابوجہل و عبداللہ بن امیہ بیٹھے تھے کہ اے چچا لا الہ الا اللہ کہو تاکہ اس کلمہ کی وجہ سے میں خدا سے کچھ عرض کر سکوں۔ اس روایت میں یہ الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔

(الف) یہ کہ مسیب ایک واقعہ بیان کر رہے ہیں اور خود اس مجلس میں ہونا ظاہر نہیں کر رہے۔ نہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ان سے اس واقعہ کو خود نقل کیا ہے۔ یہی الجھن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کو فتح الباری شرح صحیح بخاری میں پیش آئی اور حافظ صاحب نے اس کی توجیہ یہ فرما دی کہ کیونکہ یہ بنی مخزوم میں تھے' اس لئے ممکن ہے کہ وہاں ہوں' یا ہو سکتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہو۔

(ب) دوسری الجھن یہ ہے کہ یہ آیت سورہ توبہ کی ہے اور سورہ توبہ کے متعلق امام بخاری صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔ یعنی براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آخری آیت جو نازل ہوئی وہ آیت کلالہ ہے اور آخری سورہ سورۂ توبہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۲۳۸ پر اس کی وضاحت یہ فرمائی ہے کہ سورۂ توبہ کا ابتدائی حصہ فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں نازل ہوا۔ اور اکثر حصہ غزوہ تبوک کے وقت نازل ہوا۔ ابو طالب کا انتقال اس سورۃ کے نازل ہونے سے تقریباً" دس سال پہلے ہو چکا تھا اس لئے اس آیت کا تعلق ان سے کیا حیثیت رکھتا ہے۔

(ج) اہم ترین الجھن یہ ہے کہ حضورؐ کی بعثت سے لے کر دس برس تک اور بعثت سے پہلے تیس پینتیس سال تک گویا تقریباً" ۴۵ سال ابو طالب اور حضور علیہ السلام کا ساتھ رہا' وہ کفیل رہے لیکن حضور علیہ السلام نے بعثت کے بعد سے کبھی تو ابو طالب پر تبلیغ نہیں فرمائی بلکہ یہ موقع پایا کہ جب نزع کا عالم ہو گا تب تبلیغ کی جائے گی جو قرآن کی اس آیت کے موافق نہیں ہوتا۔ سوۂ نساء **و لیست التوبہ للذین یعملون السیئات** آخر آیت تک یعنی توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو برائیاں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آ موجود ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی۔ اسی لئے فرعون جب ڈوبنے لگا تو ایمان لانے لگا وہاں یہی فرمایا گیا کہ اب تیرے ایمان لانے سے کیا ہوتا ہے؟ اس لئے ایسی سورتوں میں جب یہ الجھنیں ہوں تو پھر قرآن کی جانب رجوع کرنا پڑے گا جس کی تفصیل مابعد پیش ہو گی۔

دوسری حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جن کا ایمان لانا بھی غزوہ خیبر کے قریب ہے اور ابو طالب کا انتقال ان کے ایمان لانے سے ۹-۱۰ سال قبل ہوا۔ یہ بھی یہ تصریح نہیں فرماتے کہ ان سے اس واقعہ کو کس نے کہا۔ ماحتی روایات اسماء رجال کے قاعدے سے ادنیٰ درجے کی ہیں۔

(۴) جب ابو طالب کافر یا مشرک مرے تو اس آیت **ما کان للنبی** کے ارشاد کے ذیل میں کافروں کے لئے یا مشرکوں کے لئے نہ شفاعت ہے نہ طلب مغفرت۔ پھر طلب مغفرت کا سوال جس سے ہلکا عذاب ایک مشرک کو کر دیا جائے عقل سے مستبعد ہے۔

سب سے زیادہ دلچسپ استدلال مصنف تاریخ خمیس نے بحوالہ معالم التنزیل نقل کیا ہے' جو یہ ہے' معالم التنزیل میں بیان کیا ہے کہ کفر کی چار قسمیں ہیں۔ کفر انکار' کفر جحود' کفر نفاق اور کفر عناد۔ کفر انکاری یہ ہے کہ زبان اور دل سے اقرار و تصدیق نہ ہو۔ کفر جحودی میں دل سے سمجھتا ہو اور زبان سے اقرار نہ

کرے جیسے شیطان کا کفر۔ یا یہود نے جو طرز عمل حضور انور کے ساتھ اختیار کیا جس کا تذکرہ قرآن میں بہ اس طور ہے کہ جب ان پر وہ چیز آئی ہو جس کو انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس سے انکار کیا اور کفر نفاق یہ کہ زبان سے اقرار ہو اور دلی اعتقاد نہ ہو۔ اور کفر عنادی یہ ہے کہ دل سے سمجھتا ہو اور زبان سے اقرار بھی ہو لیکن اس کی اطاعت و انقیاد نہ ہو۔ جیسے ابو طالب کا کفر چونکہ وہ کہتے ہیں میں جانتا ہوں کہ دین محمدی تمام دینوں سے بہتر ہے اور قوم کے طعن و ملامت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں علانیہ طور پر اظہار کرتا اور تم نے مجھ کو دعوت دی اور میں جانتا ہوں کہ تم ناصح ہو اور تم سچ کہتے ہو اور تم امین ہو۔ پس یہ چاروں کفر برابر ہیں اور جو ان میں سے کسی پر مرا اس کی مغفرت نہ ہو گی۔ (تاریخ خمیس جلد اول ص۳۰۰)

یہ ہے اثبات کفر کا ذخیرہ

جس سے کھینچ تان کر ابو طالب کو کافر کہا گیا ہے اسی طرح بعض موضوع روایتوں سے ان کے اسلام کے اثبات کی کوشش کی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے اصابہ فی معرفتہ الصحابہ میں ابو طالب کا مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ اسی میں بہ حوالہ خطیب یہ روایتیں لکھیں ہیں۔ خطیب بغدادی نے کتاب روایتہ الاباء عن الابناء بطریق احمد بن الحسن المعروف بہ دبیس روایت کی ہے: یعنی حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو طالب سے سنا وہ کہتے تھے کہ مجھ سے میرے بھتیجے محمدؐ نے بیان کیا اور خدا کی قسم وہ سچے تھے جب میں نے ان سے پوچھا کہ اے محمدؐ تم کیا لے کر بھیجے گئے ہو۔ فرمایا صلہ رحمی کے لئے اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کے لئے۔ خطیب کہتے ہیں کہ میں نے اس روایت کو بجز اس سند کے جس میں یہ ہے نہیں لکھا اور یہ دبیس المقری غریب روایتوں والے ہیں۔

دوسری روایت ابو رافع سے ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابو طالب سے سنا وہ کہتے تھے کہ مجھ سے محمدؐ نے بیان کیا کہ ان کو خدا نے حکم دیا ہے صلہ رحمی کرنے کا اور یہ کہ بجز خدا کے اور کسی کی عبادت نہ کی جائے اور محمدؐ میرے نزدیک سچے اور امین ہیں۔

یہ دونوں روایتیں موضوع ہیں اس لئے کہ جعفر بن عبدالواحد اور احمد بن الحسن کے متعلق محدثین کی متفقہ رائے ہے کہ یہ وضاع کذاب اور ساقط الاعتبار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ابو طالب کے خیالات یہی تھے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ ابو طالب کی وفات تک نماز پنجگانہ فرض نہیں ہوئی تھی نہ اور ارکان فرض تھے۔ بڑی چیز توحید، بت پرستی سے اجتناب۔ حضور علیہ السلام کی تصدیق اور آپ کی نصرت و حمایت قولاً و عملاً تھی۔ اس لحاظ سے ان کے اسلام یا کفر کے متعلق قرآن مجید سے فیصلہ کی ضرورت ہے۔

شرک

عمرو بن لحئ کی بدولت عرب میں شرک جاری ہوا۔ جاہلیت میں جن چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی وہ مختلف قسموں کی تھیں۔ اصنام' اوثان' انصاب اور بیوت۔ اصنام و اوثان جن کا واحد صنم اور وثن ہے۔ یہ انسانی شکل و صورت کے بت تھے۔ اگر وہ لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تو "نعیم" کہلاتے۔ اور اگر رنگ و مسالے کے ہوتے تو ان کو "دمیہ" کہتے۔ انصاب اور نصیب بن گھڑے پتھر ہوتے تھے۔ جن کو کھڑا کرکے ان پر چڑھاوا چڑھاتے تھے۔ اور جانور ذبح کرتے تھے۔ بیوت جس کا واحد بیت ہے چند گھر تھے جیسے رضا۔ رمام' قلیس جن میں بت پرستانہ رسوم ادا کی جاتی تھیں۔ جن بتوں کے ارد گرد چکر لگاتے تھے ان کو دوار کہتے تھے اور ان پر جو قربانی کی جاتی تھی اس کو عتیرہ کہتے تھے۔ پتھروں کا ڈھیر لگا کر اس کے چاروں طرف چکر لگاتے تھے۔ اس ڈھیر کو "رجیمہ" کہتے تھے۔ جانوروں کی بھینٹ چڑھانے کی اصطلاحیں علیحدہ تھیں۔ بحیرۃ اس بچے کو کہتے تھے جس کا کان چیر کر بتوں کے نذر کرتے تھے۔ "سائبہ" اس جانور کو کہتے تھے جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے۔ "وصیلہ" بعض لوگ نذر مانتے تھے کہ اگر بچہ نر ہوا تو اس کو بت پر چڑھائیں گے۔ اگر وہ مادہ ہوئی تو اس کو ہم رکھیں گے۔ پھر اگر نر و مادہ ملے ہوئے ہوتے تو وہ مادہ کے ساتھ نر کو بھی رکھ لیتے تھے۔ یہ وصیلہ تھا۔ "حامی" وہ اونٹ جس کے دس بچے بوجھ اٹھاتے اور سواری کے لائق ہو چکتے تو بت کے نام پر اس کو آزاد کر دیتے تھے۔ سورہ مائدہ میں اسی جانب اشارہ ہے **ما جعل اللہ من بحیرۃ و لا سائبۃ ولا وصیلۃ و لا حام** خدا نے بحیرۂ سائبہ' وصیلہ اور حام نہیں ٹھہرایا۔ شرک کا اصلی ضرر یہ ہے کہ خدا سے انسان کو جس درجہ کا تعلق جس قسم کا عجز و نیاز جس مرتبہ کی محبت اور جس درجے کی التجاء درکار ہے اس کا رخ دوسری طرف بدل جاتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں انسان ہیں جو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ دیوتا یا دیگر معبود زمین و آسمان کے خالق نہیں ہیں تاہم وہ ہر قسم کی حاجتیں اور مرادیں انہیں فرضی معبودوں سے مانگتے ہیں۔ انہیں پر نذر و نیاز چڑھاتے ہیں۔ امتداد زمانہ و غیر اقوام کے اختلاط سے اس دور میں بھی لاکھوں ناواقف مسلمانوں کا طرز عمل انبیاء اولیاء بلکہ مزارات کی نسبت اسی کے قریب قریب ہو گیا۔

آستانوں پہ بڑی دھوم سے ہو شد رحال　　　اس میں کیا شان پرستاری اصنام نہیں؟

اسلام نے اسی ذہنیت و عقیدہ کا استیصال کیا۔ حضور علیہ السلام نے اپنی ذات اشرف المرسلین کے لئے کلمہ توحید میں' نماز میں' عبدیت کو مقدم رکھا۔ **اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ** بنو عامر کا وفد جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو لوگوں نے حضور انور سے عرض کیا کہ آپ ہمارے سید (آقا) ہیں۔ فرمایا تو خدا ہے پھر لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سب میں افضل و برترین ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا یہ تو کہو لیکن دیکھو تم کو شیطان اپنا وکیل نہ بنا لے۔ حضور علیہ السلام کے پیش نظر توحید کو شرک کے ہر شائبہ سے بچانے کا خیال ہر

وقت غالب تھا۔ اس آیت کو آپ ہر وقت سناتے رہتے تھے۔ **قل ادعوا الذین الآیۃ** کہہ دو کہ خدا کے علاوہ تم جس کو پکارتے ہو وہ تمہاری مصیبت کو مٹانے یا بدلنے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ جن کو تم پکارتے ہو ان میں جو خدا کے مقرب ترین ہیں وہ خدا کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بلاشبہ تیرے خدا کا عذاب ڈرنے کے قابل ہے۔ کہو اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے سب کس کا مال ہے؟ جھٹ بول اٹھیں گے کہ خدا کا۔ کہو کہ پھر تم سوچتے کیوں نہیں ہو؟ ان سے پوچھو کہ سات آسمانوں اور عرش عظیم کا کون مالک ہے؟ بے ساختہ کہیں گے کہ یہ سب چیزیں خدا ہی کی ہیں۔ کہو کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ فوراً کہہ دیں کہ ایسی بادشاہی تو خدا ہی کو ہے' کہو کہ پھر تم پر جادو کہاں سے ہوتا ہے؟

سورۂ یونس میں فرمایا ہے **و من یخرج الحی الآیۃ** وہ کونسی ذات ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کونسی ذات ہے جو تدبیر کرتا ہے امر' کی فوراً کہیں گے کہ وہ اللہ ہے پس کہو کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے۔

مشرکین کو اس بات سے نفرت تھی کہ رسول اللہ خدا کا نام کیوں لیتے ہیں؟ اس کے ساتھ دیوتاؤں کو شریک کیوں نہیں کرتے؟ **اذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت القلوب الذین لا یومنون بالآخرۃ و اذا ذکر الذین من دونہ اذ ھم یستبشرون** فی الحقیقت ان کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا کا وجود مسلم ہے لیکن ایسے وسائل ضرور ہونے چاہئیں جو اللہ کے سفارشی بنیں اور خدا سے قریب کر دیں۔ **یقولون ھئو لاء شفعاء نا عند اللہ** اور **ما نعبد ھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی** لیکن ان میں ایسے افراد بھی پائے جاتے تھے جو شرک سے بچتے تھے اور تلاش حق میں سرگرداں تھے۔ لیکن شرک کے استیلاء و غلبہ سے صحیح راستہ کا پتہ دشوار ہو گیا تھا۔ اسلام کوئی جدید مذہب نہ تھا اور نہ ہے بلکہ یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسی کا نام دین ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہی تعلیم رہی کہ بنی نوع انسان ایک ہی دین اختیار کریں۔

ھذا ذکر من معی و ذکر من قبلی بل اکثر ھم لا یعلمون الحق فھم معرضون و ما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون اور میرے ساتھ والوں کی کتاب بھی ہے اور جو مجھ سے پہلے پیغمبر ہوئے ہیں ان کی کتابیں بھی ہیں بلکہ ان میں اکثر حق بات کو نہیں جانتے اور اس لئے ان سے منہ پھیر لیتے ہیں اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو میری ہی عبادت کرو۔ قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے کہ اصل دین توحید ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی کی تعلیم دی ہے جس قدر عقائد اور اعمال اس کے خلاف اختیار کئے گئے ہیں وہ سب غلط اور ناقابل عمل ہیں۔ دین تو فی الحقیقت ایک ہی ہے لیکن ہر امت کے لئے ایک شریعت اور منہاج جدا ہے۔ **لکل جعلنا**

منکم شرعتہ و منھاجا وہ لوگ جو کسی شریعت پر ایمان لا چکے تھے اور اس پر ثابت قدم رہے عام اس سے کہ وہ یہودی ہوں یا انصاری اپنے اپنے نبی کے دور میں ان کا اثبات اور استقلال باعث نجات ہے۔ **ان الذین امنو و الذین ھادوا و الصابئون و النصاری من امن باللہ و الیوم الاخر وعمل صالحا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست یعنی کوئی شخص کسی قوم کا ہو جو خدا اور یوم آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان کا صلہ خدا کے یہاں ملے گا اور قیامت کے دن ان کو کسی قسم کا خوف نہ ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ رسولؐ اللہ کا آغاز اس سے ہوا کہ یہ کفرو شرک کے جس قدر راستے پیدا کرلئے گئے ہیں یہ سب مٹا دیئے جائیں اور اسی ایک راستے کی دعوت دی جائے جو انبیاء سابقین پیش کر چکے ہیں۔ **شرع لکم من الدین ماوصی بہ نوحا و الذی اوحینا الیک و ما وصینا بہ ابراھیم و موسٰی و عیسٰی ان اقیمو الدین و لاتتفرقوا فیہ** اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس کے اختیار کرنے کا نوح کو حکم دیا گیا اور جس کا ابراہیمؑ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو حکم دیا گیا تھا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ **ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم** حقیقتاً خدا میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ قرآن مجید میں اس راست باز طبقہ کے صلہ کا اعتراف فرمایا ہے کہ جو اپنے مذہب پر قائم تھے اور ان کی اعتقادی کیفیت صحیح تھی۔ وہ مشرک نہ تھے' موحود تھے اور اخلاق صالحہ کے خوگر تھے۔ **لیسوا سواء من اھل الکتاب امتہ قائمتہ یتلون ایات اللہ انا اللیل و ھم یسجدون۔ یومنون باللہ و الیوم الاخر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و یسارعون فی الخیرات و اولئک من الصلحین و ما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ واللہ علیم بالمتقین** یہ بھی سب ایک جیسے نہیں ہیں۔ ان اہل کتاب میں کچھ لوگ حکم خدا پر قائم بھی ہیں اور جو رات کے وقت خدا کی آیتیں پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور خدا پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نیکیوں پر لپکتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکار ہیں۔ اور یہ جس طرح کی نیکی کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور خدا پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے۔

وفات ابو طالب تک تبلیغ اسلام

یہ حقیقت ہے کہ ابوطالب و حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد نماز پنجگانہ فرض ہوئی اور جتنے ارکان اسلامی ہیں وہ سب نماز کے بعد مدینہ منورہ میں فرض ہوئے۔ تقریباً" ۱۰ھ نبوی میں یعنی دوران قیام مکہ میں حضور علیہ السلام نے جس پاکیزہ و مقدس جماعت کو مرتب فرمایا تھا اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ شرک و بت پرستی

اس کی رسم قبیح کو مٹا دیا جائے جو عرصہ دراز سے ان میں قائم ہو چکی تھی۔ ان کو یہ سمجھایا گیا اور یقین دلایا گیا کہ خدائے وحدہ لاشریک جو رحیم و کریم ہے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے ہر فعل کو صرف اپنی ہی مرضی کے موافق دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی قابل التوبہ شدید العقاب ذی الطول ذات انسان کی ہر چھوٹی بڑی خطا کو معاف کر سکتی ہے مگر اپنی اطاعت و محبت اور اپنی عبادت میں شرکت غیر کو قطعاً" ناقابل عفو جرم قرار دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا فرماتا ہے **ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ** اللہ نے کسی انسان کے دل میں دو دل نہیں رکھے ہیں بلکہ دل ایک ہی ہے بس ایک دل کے سر بھی دو چوکھٹوں پر نہیں جھک سکتے یا تو وہ قوت شیطانی کا مطیع و منقاد ہو۔ یا پھر خدائے لم یزل کا۔ عبادت و پرستش سے یہ مقصود نہیں ہے کہ پتھر کا ایک بت تراش کر اس کے آگے سر بسجود ہو۔ یہ یقیناً شرک تو ہے مگر اسلامی توحید کا مقصد یہ تھا کہ ہر وہ انقیاد ہر وہ انہماک و استغراق جو حقیقت اسلامی کے انقیاد و اطاعت پر غالب آ جائے شرک ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء و من یشرک باللہ فقد ضل ضلا لا بعیدا** حقیقتاً" خدا اس کی مغفرت نہیں فرمائے گا جو اس کی ذات میں کسی کو شریک کرے اور اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دے یا بخشتا ہے۔ اور جس نے خدا کا کسی کو شریک بنایا پس وہ صریح گمراہ ہوا۔

چنانچہ حلقہ بگوشان اسلام کے دل و دماغ میں یہ عقیدۂ توحید راسخ ہو چکا تھا۔ انکے دل حیثیت خدا کے مستقل نشیمن بن گئے تھے۔ ان کا ہر عمل خدائے لم یزل کی صریح شہادت اور اسلام کے دین حق ہونے کا زندہ ثبوت تھا۔ توحید کی یہ روح اس مصور حقیقت سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیرت انگیز تعلیم کا نتیجہ تھی کہ جس نے غار حرا کی انجمن آرا خلوتوں سے نکل کر عرب کے ان بادیہ پیماؤں کے سامنے خدا کی ذات و صفات کے متعلق ان آیات کو پیش فرما کر ان کے دلوں سے کفر و شرک کو قطعاً" کھرچ ڈالا۔

دوسری تعلیم یہ تھی کہ لوگ حضور علیہ السلام کی صداقت پر ایمان لائیں اور آپ کی حمایت و نصرت میں سرگرم عمل رہیں تو ان کے لئے دنیا و آخرت میں "فلاح" ہے۔ وہ ہر آن' ہر لمحہ آپکو اپنا ہادی' مقتدی باور کریں اور آپ کے وقار کا احترام اور آپ کے احکام کی تکمیل اور آپ کے بتائے ہوئے احکام خداوندی کی تعمیل بلا چون و چرا کرتے رہیں ------ پیغام الٰہی سچائی کا ایک بہتا ہوا چشمہ ہے جو آہستہ آہستہ قدرتی رفتار سے پہلے اپنے قریب کی زمین کو پھر اس سے آگے کو پھر ساری دنیا کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ تدریجی احکام یہ ہیں **یا ایھا المدثر قم فانذر و انذر عشیرتک الاقربین لتنذر ام القری و من حولھا من الاعراب** اے چادر پوش اٹھ کھڑا ہو اور ہوشیار و آگاہ کر دے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو آگاہ و ہوشیار کر تاکہ تو مکہ اور اس کے آس پاس جو اعراب ہیں ان کو آگاہ و ہوشیار کر دے۔

اب تبلیغ کا دائرہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور ہر زندہ روح یعنی سمجھ' بوجھ' احساس و عقل وغیرہ حقیقی

زندگی کی علامتیں جس میں موجود ہوں' اُس کی مخاطب ہوتی ہیں۔ **ان ھو الا ذکر و قران مبین لتنذر من کان حیا** یہ قرآن تو صرف ایک نصیحت اور صاف صاف خدا کا کلام ہے۔ تاکہ وہ اس کو ہشیار کرے جو زندہ ہے۔ پھر جس تک بھی وہ آواز پہنچ جائے سب اس سے مخاطب ہو جاتے ہیں۔ **لا نذر کم بہ و من بلغ** تاکہ میں تمہیں ہشیار کر دوں اور ان کو جن تک میری یہ آواز پہنچ جائے۔ پھر تمام انسانوں تک اس کی وسعت ہو جاتی ہے۔ **ھذا بلاغ للناس** یہ قرآن تمام انسانوں کے لئے پیغام ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ شرف عطا فرمایا جاتا ہے۔ **و ما ارسلناک الا کافتہ للناس بشیرا و نذیرا** اور ہم نے اے محمدؐ تم کو تمام انسانوں کے لئے خوش خبری سنانے والا اور ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ کو حکم دیا گیا کہ بنی نوع انسان کو خطاب کر کے اعلان فرما دیں۔ **قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا** کہ دو اے محمدؐ کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں اور تمام کائنات کو آپ کی دعوت تبلیغ کے دائرہ میں داخل فرما دیا۔ **تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا الذی لہ ملک السموات و الارض** برکت والا ہے وہ خدا جس نے حق و باطل میں امتیاز بتانے والی کتاب اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل کی تاکہ وہ دنیا اور جہان کے لئے آگاہ و ہشیار کرنے والا ہو' وہ خدا جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اسی تدریج کے ساتھ ساتھ پہلے بعض قریبی رشتہ داروں' بعض اشراف مکہ اور بعض غریبوں نے اس آواز پر لبیک کہا اور ان حلقہ بگوشان نبوت نے اپنی جان و مال اور اولاد کو ہر صورت سے دامن اسلام پر قربان کر دیا۔ حضرت بلال' حضرت صہیب' حضرت مقداد' حضرت زید بن ارقم اور حضرت عمار بن یاسر وغیرہم کے ایسے عجیب و غریب نمونے ہیں جن پر دنیائے اسلام ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔ ایک دفعہ مشرکین مکہ نے حضرت عمار بن یاسر کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا۔ حضورؐ اس طرف سے گزرے تو ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا کہ اے آگ تو ابراہیمؑ کی طرح عمار پر ٹھنڈی ہو جا (مستدرک حاکم) ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہو گئے۔ اسی حالت میں ان جفا کاروں نے جو چاہا ان کی زبان سے اقرار کرا لیا۔ اس کے بعد چھوڑا۔ غیرت ملی نے عرق عرق کر دیا۔ دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا عمار! کیا ہوا؟ عرض کیا یا رسول اللہ بری خبر ہے۔ آج میرا چھٹکارا اس وقت ہوا جب میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے لئے کلمات خیر استعمال کئے۔ ارشاد ہوا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ عرض کیا میرا دل ایمان سے مطمئن ہے۔ حضور نے انتہائی شفقت سے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو خود پونچھا۔ فرمایا عمار کچھ حرج نہیں۔ اگر یہ صورت پھر پیش آئے تو پھر ایسا ہی کرنا۔ اس کے بعد ہی قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (طبقات ابن سعد جزو ۳ ص ۱۷۸) **من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان

سے مطمئن ہو اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اس تصریح کے ساتھ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہودیوں نے سب سے زیادہ اہمیت عملی رسم و رواج کو دی تھی اور عیسائیوں نے اس کے برخلاف صرف ایمان پر نجات و فلاح کا دارو مدار رکھا۔ اسلام کی پہلی تکمیلی شان اس بارے میں یہ ہے کہ وہ دونوں کو جمع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نجات نہ تنہا ایمان پر اور نہ تنہا عمل پر بلکہ ایمان صحیح و عمل صالح کی جمعیت پر منحصر ہے۔ **الذین امنو و عملو الصالحات** جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ ایمان کو محض ایمان کی بناء پر اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس لئے اہمیت دیتا ہے کہ وہ عمل صالح کا علت و سبب ہے۔ یعنی وہ عمل صالح کے لئے راستہ بناتا ہے اور تخم ریزی کے لئے زمین درست کرتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص ہو کہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرے مگر اس کے اعمال میں اس ایمان کے مطابق کوئی بہتر تغیر نظر نہ آئے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ ایمان نے اس کی زبان سے اتر کر اس کے دل کی گہرائیوں میں برگ و بار پیدا نہیں کئے یہی سبب ہے کہ قرآن کریم میں ہر نیکی اور ہر خوبی کو ایمان کا خاصہ اور مسلمانوں کا وصف لازم قرار دیا ہے۔ **انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللہ و رسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا و اطعنا و اولئک ھم المفلحون** ایمان والوں کی بات یہ ہے کہ جب ان کو فیصلے کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور انہیں لوگوں کے لئے بھلائی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایمان کا نتیجہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت و انقیاد اور ان کے فیصلوں کے سامنے سرنیاز جھکا دینا ہے۔ ان تمام تصریحات کے بعد اب اصل شے یہ ہے کہ ہم کو بہ نظر انصاف و امعان یہ دیکھنا ہے کہ ابو طالب کی زندگی میں ہم کو کیا نظر آتا ہے۔ آیا ان کے افعال و اعمال سے شرک نمایاں ہوتا ہے۔ یا یہ کہ انہوں نے برملا توحید و رسالت کا اعتراف کیا اور نصرت و حمایت حضور علیہ السلام میں انہوں نے اپنی جان و مال اور اولاد کو کیا نثار کیا؟ اور یہ کہ تاحیات حضور علیہ السلام کے ان سے روابط کس حیثیت کے رہے۔ یہی نتیجہ بحث ہے۔ جن لوگوں نے کسی اعلیٰ عمل کا بہترین نمونہ اپنی زندگی میں پیش کیا ہے۔ اس کی یاد کو تاریخ ہمیشہ باقی رکھتی ہے۔ تاکہ اس کی یاد کے ساتھ اس عملی زندگی کی یاد بھی تازہ ہوتی رہے اور اس کا نمونہ انسان کو عزائم امور کی دعوت دیتا ہے۔ بہ لحاظ حق و صداقت و نصرت و اعانت رسول کریم علیہ التحیۃ و التسلیم اگر کسی کی سیرت پیش کی جا سکتی ہے تو ان میں ممتاز ترین ہستی ابو طالب کی ہے وہ پہلے مربی و کفیل تھے جبکہ سن مبارک ۷۔۸ سال کا تھا۔ پھر کفیل، حامی، سرپرست و معین رہے تاآنکہ ان کا انتقال ہو گیا۔ کم و بیش چالیس سال تک حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی رہے اور بعثت نبوی کے بعد سے دس برس تک سخت ترین اذیتوں اور مصیبتوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں جو جو رکاوٹیں پیش آئیں یا جو بھی معاندانہ کارروائیاں ہوئیں ان کے انسداد و مقابلے کے لئے ان کا قدم سب سے آگے تھا۔ یہ بھی سب کو تسلیم ہے کہ ان کو اپنی تمام اولاد سے زیادہ حضور انور علیہ السلام سے محبت تھی۔ کبھی حضور

کو تنہا نہ چھوڑا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے جو شادی ہوئی اس کے انصرام میں بھی پیش پیش تھے۔ بعثت کے بعد جب حضور انور کے اعزہ و اقارب کو جمع کیا تو انہیں کا گھر تھا۔ وہیں کھانا ہوا اور وہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو کم سن تھے عملاً" ہر قسم کی اطاعت کا اعلان کیا۔ حضرت علیؓ کے جواب میں ابو طالب ہی کی اعانت کی تھی۔ حضرت جعفرؓ کو مہاجرین حبشہ کے ساتھ بھیج دیا۔ جب قریش نے نجاشی کے پاس وفد بھیجا وہاں بھی بہ صیغہ راز ابو طالب نے بادشاہ کو مطلع کیا کہ مہاجرین مظلوم و بے کس ہیں اور یہ وفد ظالم ہے' بہرنوع اپنی جان و مال و اولاد کو ہر ممکن صورت سے حضور انور کا حلقہ بگوش بنا دیا۔ تمام سرداران قریش ابو طالب کے مخالف تھے کہ یہ کیوں حضور انور کا ساتھ دیتے ہیں۔ قریش مکہ عمارہ بن ولید کو لے کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا یہ شریف ابن شریف حسین جمیل نوخیز بہادر ہے۔ آپ اس کو پال لو اور ہمیں محمدؐ کو دے دو۔ ابو طالب نے جواب دیا میں اپنے لخت جگر کو دے کر دوسروں کی اولاد لے لیوں؟ یہ کیا ذلیل اور احمقوں کی بات ہے؟ اس جواب پر قوم نے یہ طے کر لیا کہ جس طرح بھی ہو سکے اب محمدؐ کو قتل ہی کر ڈالو۔ ابو طالب یہ سن کر حضورؐ کی حفاظت کے وسائل سوچنے لگے۔ اتفاقاً" اسی رات کو یا دوسری ہی رات کو ابو طالب گھر پہنچے تو حضور علیہ السلام لا پتہ تھے۔ ابو طالب کو سخت وحشت ہوئی۔ فوراً بنی ہاشم و بنی مطلب کے نوجوانوں کو جمع کیا اور ہدایت کی کہ جلد عمدہ تیز تلواریں اپنے کپڑوں میں چھپا کر میرے پاس آ جاؤ۔ پھر مسجد حرام میں چلیں جہاں ابوجہل بھی ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے بھتیجے کو قتل کر دیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو اس میں ابوجہل کا ہاتھ ضرور ہو گا۔ وہاں پہنچتے ہی جو بھی ہوں ان کو ہم قتل کر ڈالیں گے۔ یہ مشورہ ہو ہی رہا تھا کہ حضرت زید بن حارث نے گزرتے ہوئے ابو طالب کی وحشت و پریشانی کو محسوس کیا اور پاس پہنچے۔ ابو طالب نے کہا زید' زید۔ میرا بھتیجا کہاں ہے؟ زید نے کہا آپ نہ گھبرائیے میں ابھی انہیں کے پاس سے آیا ہوں۔ کہنے لگے نہیں نہیں۔ میں گھر نہ جاؤں گا تا آنکہ اپنے بھتیجے کو نہ دیکھ لوں۔ حضرت زید تیزی سے گئے اور حضور علیہ السلام کو ساتھ لائے۔ ابو طالب نے فرط مسرت سے کہا' بیٹا! اچھے تو تھے؟ کہاں تھے؟ فرمایا جی ہاں! ابو طالب نے کہا۔ بس گھر چلو' صبح ہوئی تو ابو طالب ہاتھ پکڑ کر رسولؐ اللہ کو قریش کی بیٹھک پر لے گئے اور سارے نوجوان ہاشمی و مطلبی ابو طالب کے ساتھ ساتھ وہاں پہنچے۔ ابو طالب نے کہا اے معشر قریش! تمہیں معلوم ہے کہ میرا رات کو کیا ارادہ تھا؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ ابو طالب نے رات کا واقعہ سنایا اور سمجھا دیا کہ دیکھ لو۔ سمجھ لو۔ نوجوانان بنی ہاشم و بنی مطلب سے کہا اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال کر ان کو دکھا دو۔ پھر ابو طالب نے کہا خدا کی قسم اگر محمد کو قتل کرتے تو میں تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ سب سے آگے ابوجہل اور پیچھے پیچھے سارے قریشی بڑی تیزی سے بھاگ نکلے۔

قریش مکہ نے چند دن تو صبر کیا۔ پھر جمع ہو کر ابو طالب کے پاس پہنچے اور نئی تدبیر سے گفتگو کی۔ بولے اے ابو طالب اب سارا عرب محمد کا اور تمہارا دشمن ہو چکا اور سارے قبیلے متحدہ حملہ کریں گے۔ آخر بنی ہاشم

کل عرب کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہم پھر آخری بار سمجھانے آئے ہیں۔ آپ بزرگ ہیں۔ اپنے بھتیجے کو سمجھا لیجئے ورنہ آپ کی اور ان کی خیر نہیں ہے۔ ابو طالب نے حضور کو بلا کر کہا' جان عم! اب تو ساری قوم مخالف ہو گئی' مجھ بوڑھے پر مزید مشکلات کا بار نہ ڈالو تو بہتر ہے۔ حضورؐ نے آب دیدہ ہو کر جواب دیا۔ سورج ایک ہاتھ پر اور چاند دوسرے ہاتھ پر بھی رکھ دیا جائے تو بھی اپنی تحریک حق و صداقت سے باز نہ آؤں گا۔ یہ فرما کر فوراً ہی حضورؐ نے پیٹھ پھیر دی۔ ابو طالب نے آواز دی میرے بھتیجے! میرے بھتیجے! ذرا ٹھہرو۔ پھر آپ پلٹے تو ابو طالب نے ساری قوم کے سامنے کہا جو تم کر رہے ہو کرتے رہو۔ خدا کی قسم ابو طالب کبھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ اس کے بعد ابو طالب نے تقریباً" سو شعر کا قصیدہ قریش کے خیالات کے جواب میں لکھ کر قریش کو مطلع کر دیا جس کا ایک شعر صحیح بخاری میں اور ایک شعر غزوۂ بدر میں ایک صحابی نے پڑھا۔ جس میں ابو طالب نے صراحتہ" حضور علیہ السلام کی رسالت کا اقرار کیا اور آپ کی دعوت توحید پر لبیک کہا۔ اس قصیدہ کے اثرات یہ ہوئے کہ قریش نے خاندان بنی ہاشم کو کامل تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا۔ جہاں طلح کی پتیوں پر بسر کی۔ بوڑھے ابو طالب' ان کی اولاد اور بنی ہاشم نے اس سخت ترین ابتلاء کا زمانہ صرف رسول کریمؐ کی امانت میں گزارا اور ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی بے وفائی کا گندہ جذبہ پیدا نہ ہوا بلکہ اثبات' استقامت و پامردی سے کامل تین سال تک ان شدائد کا مقابلہ کیا۔ اسی غار میں حضورؐ نے حضور فرمایا لو چچا۔ اس معاہدہ کو تو دیمک چاٹ گئی صرف اللہ کا نام باقی ہے۔ ابو طالب رجما" بالغیب اس ارشاد نبویؐ پر ایمان لے آئے اور پھر قوم کو مخاطب کیا کہ لو' میرا بھتیجا جو سچا ہے یہ کہتا ہے۔ معاہدہ دیکھا گیا۔ واقعی دیمک نے چاٹ لیا تھا' قوم نادم ہوئی۔ اور پھر وہاں سے پورے خاندان کو تین سال کے بعد لے کر مکہ آئے اور ابھی آئے ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے کہ چند روز کی بیماری میں ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔

یہ جس قدر واقعات ہیں ان میں محدثین و اصحاب سیرت کا کلیتہ" اتفاق ہے۔ اختلاف کہاں سے چلا ہے؟ یہاں سے کہ دم نزع حضورؐ نے ان پر اسلام کو پیش کیا۔ وہاں کفار قریش موجود تھے۔ یہ مرتے وقت ان سے ڈر گئے اور کہنے لگے کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔ لہٰذا قرآن مجید و درایت اور ان واقعات سے بالکل صاف و صریح الفاظ میں ہم کو فیصلہ کرنا چاہئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب یہ مشرک تھے تو پھر حضور علیہ السلام نے ان احکامات قرآنی کے ہوتے ہوئے ان سے رابطہ کیوں رکھا' **یا ایھا الذین امنو لا تتخذوا اباء کم و اخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان و من یتولھم منکم فاولئک ھم الظالمون** مسلمانو! جو کفر کو ایمان سے زیادہ محبت رکھیں۔ ان سے تعلقات نہ رکھو۔ اگرچہ وہ تمہارے بھائی اور باپ ہی کیوں نہ ہوں' اور جو تم میں ایسا کرے گا وہ ظالموں میں سے ہو گا۔

لاتجد قوما یومنون باللہ و الیوم الاخر یوا دون من حاد اللہ و رسولہ و لو کانوا اباء ھم او ابناء ھم

والموانہم او عشیرتھم او لئک کتب فی قلوبھم الایمان جو لوگ خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔ خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان اٹھا دیا ہے۔ **یا ایھا الذین امنو لا تتخذ و اعدوی و عدو کم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ و قد کفروا بما جاء کم من الحق** مسلمانو! خدا کے اور اپنے دشمنوں کو ایسا دوست نہ بناؤ کہ محبت و الفت کے ان سے تعلقات رکھو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام سے انکار کر چکے ہیں اور اس کے دین کے دشمن ہیں۔

واقعات مصرحہ سے اور ان آیات قرآنی سے اگر مطابقت کی جائے تو تا آنکہ ابو طالب کو مسلم نہ تسلیم کر لیا جائے۔ تطبیق ناممکن ہے کیونکہ جس ہستی اعلیٰ پر اس کا نزول ہوا اور جس کا وجود عالم میں تمام عالم سے بڑھ کر سراپا عمل اور تکمیل تعمیل تھا تو پھر یہ کیسے وہم یا تصور کیا جا سکتا ہے کہ ایک مشرک یا ایک کافر سے ایسی یک جہتی' رواداری' اختلاط اور نصرت و حمایت جان و مال و اولاد کو اپنے لئے روا رکھا گیا ہو؟ ایسی متعدد آیتیں ہیں جن میں صریح حکم ہے کہ مسلم اور کافر یا مشرک سے کوئی رشتہ نہیں رہ سکتا۔ ایک مومن خدا کے باغی سے قرابت نہیں رکھ سکتا۔

(۲) بعثت سے قبل کے روابط' ہمدردیاں' سرپرستی کے واقعات کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بعثت سے لے کر ابو طالب کی وفات تک کے واقعات ہی پیش نظر رکھ کر غور کرنا چاہئے۔ حضور علیہ السلام کے ان سے روابط میں ایک لمحہ کے لئے بھی کمی نہیں آئی اور حضور کو خدائے لم یزل کا پہلا حکم یہ تھا کہ **و انذر عشیرتک الاقربین** اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہشیار کرو۔ مگر کسی روایت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی گئی کہ حضور نے ان دس سالوں میں ان کو کبھی تبلیغ فرمائی ہو۔ اور انہوں نے انکار کیا ہوتا۔ لیکن یہ روایت کیا گیا کہ دم نزع جب کہ توبہ کرنا' ایمان لانا حسب تصریح قرآن بے کار و عبث ہے تلاش کیا گیا' اس وقت ابو طالب قریش کے عمائدین سے جھجک گئے اور اپنی دائمی و آخرت کو تباہ کرتے ہوئے بولے۔ میں تو یہ کلمہ نہیں پڑھتا حالانکہ اپنے عزائم میں یہ اس قدر بلند آہنگ تھے کہ قریش کی مجلس میں برملا حضور کی اعانت کا اعلان کرتے ہیں۔ مرنے سے پہلے قریش کو وصیت کرتے ہیں کہ دیکھو محمدؐ کی اعانت و پیروی کرنا۔ کاش میری زندگی اور ہوتی تو پھر اپنی حمایت و نصرت کا مزید ثبوت پیش کرتا۔ جو شخص اپنے افعال کا اس قدر ذمہ دار ہو اور جس نے چالیس سال تک مختلف قسم کے ہزار ہا مصائب اٹھائے ہوں اور جس نے اپنی عزت و ناموس' مال و دولت' اہل و عیال کو حضور انور پر نثار کر دیا ہو اور جس نے مرنے سے کچھ پہلے پیہم تین سال تک اس بڑھاپے میں اور درہ کوہ میں سخت اذیتیں اٹھا کر حضورؐ کا ساتھ دیا ہو اور علیٰ رؤس الاشہاد یہ کہہ دیا ہو کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ محمد کا دین سچا ہے۔ محمد سچا اور اس کا خدا سچا۔ پھر مسلم سمجھنے میں کونسی کسر رہ جاتی ہے؟

(۳) کسی روایت یا کسی قول سے یا کسی بھی عمل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور کی بعثت کے بعد ان سے کوئی مشرکانہ حرکت سرزد ہوئی ہو۔

(۴) مکہ میں اکابرین صحابہ میں سے کسی ایک سے کسی تاریخ یا حدیث سے ان کے مشرک یا کافر مرنے کی کوئی روایت نہیں ہے۔

(۵) جس آیت میں یہ استشہاد نزول کیا گیا ہے' خود امام جعفر طبری نے اس میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ اور وہ بھی جس طریقہ پر روایت ہے اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ علاوہ سورۂ توبہ کا نزول بھی بروایت امام بخاری بے حد بعد میں ہوا۔ جس طرح ان کی کفر و شرک کی روایتیں ہیں۔ اسی طرح اثبات اسلام کی روایتیں ہیں۔ اس لئے ان سب سے قطع کر کے قرآن کریم سے اثبات مدعا واضح ہے۔ **انما المومنون الذین امنوا باللہ و رسولہ ثم لم یر تابوا و جاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون۔** مومن تو وہ ہے ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور خدا کی راہ میں مال و جان سے لڑے۔ یہی وہ لوگ ایمان کے سچے ہیں۔ **و الذین امنو و ھاجرو وا جاھدوا فی سبیل اللہ و الذین او وا و انصر وا اولئک ھم المومنون حقالھم مغفرۃ و رزق کریم** اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور جنھوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہی لوگ سچے مسلمان ہیں۔ ان کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

تو یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ ایمان اور محبت خدا کا صحیح معیار انسان کا اس کی راہ میں مصائب کا پیہم مقابلہ کرنا اور اسلام کے معاندین کے بالمقابل جان و مال پر کھیل جاتا ہے۔ ترک اقربا' ترک اولاد' ایثار مال' ایثار نفس یہی وہ انتہائی پیش کش کے وسائل ہیں جو رب بے نیاز نے ایمان کی متاع بے بہا کے بدلے میں مقرر فرمائے ہیں۔ انہیں کی موجودگی میں محبت خدا کی وہ عملی حیثیت اور عبودیت وہ ناقابل انکار تصدیق ہو جاتی ہے جس سے بڑھ کر کسی ثبوت مزید کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ صفات ایمانی بدرجہ اتم جناب ابو طالب میں موجود تھیں اور وہ مسلم تھے۔ (کتاب حیات ابو طالب صفحہ ۴۲ تا ۱۷)

خاندان بنی ہاشم کا مذہب

حضرت رسول خدا صلعم کی نبوت سے پہلے اس خاندان کے جو اہم حالات تھے اوپر لکھے گئے۔ ضرورت ہے کہ اس جگہ ان حضرات کے مذہب کی تحقیق بھی کر دی جائے۔ شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے: "ہم کو پیغمبر صاحب کے نسب نامے میں اس بات کی ٹوہ لگانی تھی کہ پیغمبر صاحب کے بزرگ مذہب کے اعتبار سے کتنے پانی میں تھے تو مذہب سے ہماری مراد ہے دین فطرت جس کا بعد کو دین اسلام نام

مصادر

۱۔ مناقب ابن شہر آشوب، مازندرانی، محمد بن علی

۲۔ حیات القلوب، ملا محمد باقر مجلسی

۳۔ اسوۃ الرسول، سید اولاد حیدر فوق بلگرامی

۴۔ سیرت ابن ہشام، محمد عبدالملک حمیری

۵۔ تاریخ ابن خلدون، ابو زید ولی الدین

۶۔ تاریخ طبری، محمد بن جریر

۷۔ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی

۸۔ تاریخ کامل، ابن اثیر جزری

۹۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد

۱۰۔ معارج النبوت، معین الدین کاشفی

۱۱۔ الوفاء۔ ابن جوزی

۱۲۔ تاریخ ابو الفداء، عماد الدین اسماعیل

۱۳۔ تاریخ اسلام، ذہبی، محمد بن احمد

۱۴۔ تاریخ خمیس، دیار بکری، حسن بن محمد

۱۵۔ مروج الذہب، مسعودی، علی بن حسین

۱۶۔ تاریخ واقدی، محمد بن عمر واقدی

عطیات - ایک ہزار روپے

جناب ڈاکٹر باسط علی شاہ صاحب۔ راولپنڈی
جناب علی رضا انصاری صاحب۔ لاہور
جناب سید نیر رضا کاظمی صاحب۔ کراچی
جناب گل حسین راجہ صاحب۔ کراچی
جناب سید منور حسین رضوی صاحب۔ کراچی
جناب شبیر عباس لاکھانی صاحب۔ کراچی
جناب سیٹھ محمد امین صاحب۔ لاہور
جناب سید اقبال حسین صاحب۔ کراچی
محترمہ محمودہ طاہرہ خراسانی صاحبہ۔ کراچی
جناب سید احمد رضا بلگرامی صاحب۔ کراچی
جناب سید امداد علی خاں صاحب۔ کراچی
جناب بیگم خلیفہ سید سعید حسن صاحب۔ لاہور
جناب سلیم صفدر سید صاحب۔ کراچی
جناب شاہد اشفاق صاحب۔ کراچی
جناب ڈاکٹر باقر عسکری صاحب۔ کراچی

جناب سید کلب ارتضیٰ حسین نقوی صاحب۔ کراچی
جناب محمد مجتبیٰ خواجہ صاحب۔ لاہور
جناب حیدر علی صدیقی صاحب۔ لاہور
جناب سید قمر رضا نقوی صاحب۔ کراچی
جناب سید فضل عباس ہمدانی صاحب۔ کراچی
جناب پروفیسر کرار حسین صاحب۔ کراچی
جناب سید رشید حیدر رضوی صاحب۔ کراچی
جناب مرزا علی اصفہانی صاحب۔ کراچی
جناب سید حسن محمد نقوی صاحب۔ کراچی
جناب ڈاکٹر محمد شہریار صاحب۔ کراچی
جناب سید آل حسن بلگرامی صاحب۔ کراچی
محترمہ عشرت نبی صاحبہ۔ کراچی
محترمہ رفاقت زہرا صاحبہ۔ گکھڑ منڈی
جناب محمد قاسم خراسانی صاحب۔ کراچی
جناب الحاج سید احسن صاحب۔ کراچی

اظہار تشکر

ہم ممبر سازی فرمانے پر حجۃ الاسلام جناب مولانا سید رضی حیدر نجفی صاحب آف کراچی کے صمیم قلب سے شکرگزار ہیں۔ خدائے ذوالجلال انہیں جمیع مقاصد حسنہ میں کامیاب و کامران فرمائے۔

طالب حسین کرپالوی

خصوصی درخواست

مومنین کرام!

ہم نے پندرہ سال کی محنت شاقہ کے بعد فلسفہ توحید 'سیرت النبی" انسائیکلوپیڈیا حضرت علی اور دیگر موضوعات پر تقریباً تقریباً (۷۰) حقیقی کتب تیار کر دی ہیں - اب اس کی طباعت اور ہر گھر تک پہنچانے کے لئے آپ کے خصوصی تعاون کی اشد ضرورت ہے -

(۱) یا تو آپ سالانہ ایک ہزار روپے عطا فرما کر ہمارے ادارہ کے خصوصی معاون بنئے اس صورت میں آپ کو ادارہ کی تمام تالیفات مفت مہیا کی جائیں گی - اور ہر کتاب میں آپ کا شکریہ بھی ادا کیا جائے گا -

خصوصی ممبر

(۲) یا آپ ۲۵ روپے سے لے کر ۵۰ روپے تک ماہانہ چندہ عطا فرما کر ہمارے ادارہ کے خصوصی ممبر بنئے - اس صورت میں بھی آپ کو ادارہ کی تمام تالیفات مفت مہیا کی جائیں گی -

مستقل خریدار

(۳) یا آپ ہماری تمام مطبوعات کے مستقل خریدار بنیئے - اس صورت میں ہر کتاب کی طباعت کے بعد آپ کو بذریعہ ڈاک مطلع کیا جائے گا - اس کے بعد آپ آرڈر فرمائیں گے اور کتاب آپ کو ارسال کر دی جائے گی -

خصوصی رعایت

جو ہماری مطبوعات کے مستقل خریدار بنیں گے - انہیں ہر کتاب میں ۲۰ فیصد تک رعایت کی جائے گی - یعنی ان سے صرف طباعت کا خرچ وصول کیا جائے گا - نفع نہیں - کیونکہ یہ ہماری عبادت ہے تجارت نہیں

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر ۳۹۶ حبیب بینک لمیٹیڈ -- سانده کلاں - لاہور -

اجازۂ خمس (سہم امامؑ)

از مرجع عالم آقای سید محمد رضا گلپایگانی دام ظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضمن تقدیر از زحمات جنابعالی در تألیف و تصنیف و طبع و نشر معارف اسلامی خوب است مؤمنین از جنابعالی تقدیر نموده و در صورت امکان جهت چاپ کتاب رساله کمک نمایند و چنانچه تبرعات و وجوه خیریه وافی نباشد مجازند که ثلث از سهم مبارک امام علیه السلام صرف چاپ کتاب نمایند خداوند تأیید ...

محمد رضا الموسوی الگلپایگانی

تالیف و تصنیف اور نشر و اشاعت معارف اسلامی کے سلسلے میں آپ کی زحمات قابل قدر ہیں۔ مومنین کو بھی چاہئے کہ وہ آپ کی قدر کریں۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے کتب کی اشاعت کے سلسلے میں آپ کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اور اگر عطیات کافی نہ ہوں تو پھر مومنین کو اجازت ہے کہ وہ اپنے خمس کے سہم امامؑ کے مجموعی حصے کا تیسرا حصہ کتب کی اشاعت کے لئے آپ کو دیں۔ خدا آپ کی تائید فرمائے۔

محمد رضا الموسوی گلپایگانی

ج ۱ ۳۳ھ

تالیفات مولانا طالب حسین کرپالوی صاحب

(۱) فلسفہ توحید (۲) مسئلہ تحریف القرآن (۳) نور الهدیٰ (عربی) (۴) خلقت نور الہیہ (۵) وسیلہ انبیاء (۶) نور علیٰ نور (۷) وجہ اللہ در بیت اللہ (۸) مسلم اول (۹) مومن اکمل (۱۰) سیرت النبیؐ انجیل مقدس کی روشنی میں (۱۱) سیرت النبیؐ زبور و تورات کی روشنی میں (۱۲) سیرت النبیؐ قرآن مجید کی روشنی میں (۱۳) سیرت النبیؐ فرقان حمید کی روشنی میں (۱۴) سیرت النبیؐ کتاب مبین کی روشنی میں (۱۵) سیرت النبی ہندوؤں اور سکھوں کی نظر میں (۱۶) سیرت النبی مغربی مفکرین کی نظر میں (۱۷) نور حضرت محمد مصطفیٰ (۱۸) نور حضرت احمد مجتبیٰ (۱۹) عالم الغیب (۲۰) سیرت النبیؐ انبیاء کرام کی نظر میں (۲۱) اجداد مصطفیٰ (۲۲) والدین مصطفیٰ (۲۳) نزول رحمت (۲۴) ظہور قدسی (۲۵) بشارات بعثت (۲۶) اعلان نبوت

(۲۷) مکی زندگی۔ (۲۸) مدنی زندگی۔ (۲۹) غزوات مصطفیٰ۔ (۳۰) صلح حدیبیہ۔ (۳۱) فتح خیبر۔ (۳۲) تاریخ اسلام جلد اول۔ (۳۳) تاریخ اسلام جلد دوم (۳۴) تاریخ اسلام جلد سوم۔ (۳۵) تاریخ اسلام جلد چہارم۔ (۳۶) مناقب اہل بیت جلد اول۔ (۳۷) مناقب اہل بیت جلد دوم۔ (۳۸) مناقب اہل بیت جلد سوم۔ (۳۹) مناقب اہل بیت جلد چہارم۔

رسائل، کتابچے

ہمارے ادارہ نے تبلیغ دین اور مذہب حقہ شیعہ خیر البریہ کی ترجمانی کے لیے کئی ایک کتابچے تحریر کر کے ہزاروں کی تعداد میں شائع کیے ہیں مثلاً"۔

(۴۰) فرقہ پرستی =

نوائے وقت میں چھپنے والے خورشید احمد ندیم کے مضمون کا تحقیقی جواب

(۴۱) خیر البریہ =

روزنامہ جنگ میں چھپنے والے یوسف لدھیانوی کے شر انگیز مضمون کا علمی جواب

(۴۲) بے جا تنقید =

نوائے وقت میں چھپنے والے بشیر احمد ہاشمی کے فتنہ انگیز مضمون کا تبلیغی جواب

(۴۳) جعفری نماز =

بچوں کے لیے باتصویر اور رنگین نماز۔

(۴۴) نماز اہل بیت =

بچوں کے لیے ضروری مسائل اور مختصر ترین نماز پر مشتمل ایک کتابچہ۔

(۴۵) جعفری یسرنا القرآن =

تجوید و قراءت پر ملت جعفریہ کا پہلا جامع ترین قاعدہ

(۴۶) سفر آخرت =

جان کنی کے مسائل سے لے کر تلقین میت تک کے مسائل پر مبنی ایک معلوماتی رسالہ۔

(۴۷) تحفہء رمضان =

ماہ رمضان کے اعمال و مسائل پر مبنی ایک تبلیغی پمفلٹ۔

(۴۸) مظلوموں کی فریادیں =

آل رسولؐ کے دل ہلا دینے والے چند خطبات پر مشتمل ایک مفید رسالہ

تبلیغی چارٹ

(۴۹) جعفری نماز =

اصول دین۔ فروع دین۔ طہارت و نماز کے مسائل پر مشتمل ایک دیدہ زیب چارٹ

(۵۰) صدیق اکبر =

اس میں آیات قرآن، احادیث رسول اکرمؐ اور اقوال اصحابؓ سے حضرت علیؑ کا صدیق اکبر ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

(۵۱) فاروق اعظم =

اس میں حضرت علیؑ کا فاروق اعظم ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

کالجوں اور ہائی سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظوری

آپ اپنے علاقہ کے کالجوں اور ہائی سکولوں کی لائبریریوں میں یہ کتاب رکھوا کر ممنون فرمائیں۔

IMMEDIATE

NO. DO(PI)4-125/91

GOVERNMENT OF THE PUNJAB
EDUCATION DEPARTMENT

Dated Lahore, the 13.8.91

1. The Director Public Instruction (Colleges), Punjab, Lahore.
2. The Director Public Instruction (Schools), Punjab, Lahore.
3. The Director General, Public Libraries, Punjab, Lahore.
4. The Director Technical Education, Punjab, Lahore.
5. The Director Special Education, Punjab, Lahore.
6. The Director Sports, Punjab, Lahore.

Subject:- Approval of book (s) for Schools/Colleges/Institutions/Public Libraries in the Province.

The Government of the Punjab, Education Department is pleased to approve the following book(s) for Schools/Colleges/Institutions/Public Libraries in the Province. You are accordingly requested to convey the approval of the Government to your lower formation for further necessary action:

Sr. No.	Name of the book(s)/magazine & Price	Name of the Publisher/Author.	Approved for the Libraries of:
*	مسرت الغنی Rs. 150/-	Talib Hussain Karpalvi, Islamia Dar-ul-Tabligh, House No.10, Gali No.31, Afzal Road, Sanda Kalan, Lahore.	Approved for all libraries of Schools/Colleges and Public in the Province.

SECTION OFFICER (PI)

Endst. No. & Date Even.

A copy is forwarded for information to the Printer/Publisher/Author

~~Mr. Talib Hussain Karpalvi, Islamia Dar-ul-Tabligh, House No.10, Street No.31, Afzal Road, Sanda Kalan, Lahore w/r to his application~~ dated 4.7.1991.

SECTION OFFICER (PI)

مولانا طالب حسین کرپالوی اور ان کی تالیفات

شیعہ مراجع عظام سنی علماء کرام اور غیر مسلم مفکرین کی نظر میں

طالب حسین کرپالوی کا تحقیقی کام قابل فخر ہے۔ سید ابو القاسم الخوئی - عراق

طالب حسین کرپالوی کے تعارف کے لئے ان کی تالیفات ہی کافی ہیں۔ سید محمد رضا گلپائیگانی - ایران۔

طالب حسین کرپالوی کے تحقیقی کام نے علماء برصغیر کی یاد تازہ کر دی ہے۔ سید شہاب الدین المرعشی - ایران

طالب حسین کرپالوی کی تالیفات ریسرچ کرنے والوں کے لئے اچھا سرمایہ ہیں۔ سید عبدالاعلیٰ سبزواری - عراق

توحید' نبوت اور امامت کے موضوعات پر مولانا کرپالوی نے قابل فخر کام کیا ہے۔ سید محمد شیرازی - ایران

مولانا کرپالوی کا شمار علماء محققین میں ہوتا ہے۔ حسن الحائری الاحقاقی - کویت

سیرت النبی کے جن عناوین پر مولانا کرپالوی نے کام کیا ہے ایرانیوں کو بھی کرنا چاہئے۔ ناصر مکارم شیرازی - ایران

مولانا کرپالوی پر مولا کا خاص کرم ہے۔ محمد علی - علوی گورچانی - ایران

مولانا کرپالوی برصغیر کے پہلے مصنف ہیں جو ۳۵ کتب طبع کروا کر ایران لائے ہیں سید حسن طاہری خرم آبادی۔

ایران

مولانا کرپالوی کا پاکستان میں رہ کر اتنا کام کر لینا تعجب خیز ہے۔ محمد علی تسخیری ایران

آیت اللہ الخوئی مولانا کرپالوی کی تالیفات میں خاصی دلچسپی لیتے تھے۔ حافظ بشیر حسین - عراق

مولانا کرپالوی کی تالیفات ملت جعفریہ کے لئے تحقیقی تحفہ ہیں۔ سید محمد رضا خلخالی - عراق

مولانا کرپالوی کی عمر کم اور کام زیادہ ہے۔ سید علی نقی سن - انڈیا

مولانا کرپالوی نے کتب سابقہ اور غیر مسلم مفکرین کے حوالہ جات اور افکار پیش کر کے سیرت النبی کے موضوع کو

وسعت دی ہے۔ ڈاکٹر سید کلب صادق - انڈیا

مولانا کرپالوی منقولات میں اتھارٹی ہیں۔ طالب جوہری - پاکستان

مولانا کرپالوی قلمی جہاد میں نوجوانوں میں پیش پیش ہیں۔ سید عارف حسین حسینی - پاکستان

جلد بیست و نہم (۲۹)
سیرت النبی ﷺ
صلوٰۃ بر محمد ﷺ
محمد ﷺ
مؤلف: طالب حسین کرپالوی
اسلامیہ دار التبلیغ ۱۶۔ نئی انارکلی لاہور